فتنۂ قادیانیت
اور
مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ
حالات وسوانح ○ سلسلۂ کشاکش
اثرات ونتائج
www.KitaboSunnat.com
تالیف
مولانا صفی الرحمان مبارکپوری رحمہ اللہ
مکتبہ محمدیہ
www.ircpk.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم
فتنہ قادیانیت
اور
مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ

فتنہ قادیانیت

اور

مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ

حالات و سوانح ◉ سلسلۂ کشاکش

اثرات و نتائج

تالیف

مولانا صفی الرحمن مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

مکتبہ محمدیہ قذافی سٹریٹ الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور

Mob 0300-4826023

نام کتاب ---------- فتنۂ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ

تالیف ---------- مولانا صفی الرحمان مبارکپوری رحمہ اللہ

طابع ---------- عبدالرحمان عابد

طبع اول ---------- اگست 2007ء

ناشر ---------- مکتبہ محمدیہ

قیمت ---------- -/200 روپے

اسٹاکسٹ

دار الکتب السلفیۃ ○ شیش محل روڈ ○ لاہور
Ph.: 0092-042-7237184
7230271- 7213032

مکتبہ اسلامیہ
غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور
Ph: 042-7244973

دار الفرقان الفضل مارکیٹ اُردو بازار ○ لاہور
Ph: 042-7231602

ملنے کے پتے

اردو بازار لاہور	اسلامی اکیڈمی الفضل مارکیٹ فون نمبر: 7357587 ⊛ مکتبہ قدوسیہ رحمٰن مارکیٹ۔ غزنی سٹریٹ۔ نعمانی کتب خانہ حق سٹریٹ فون: 7321865 ⊛ محمدی پبلشنگ ہاؤس ایوان علم پلازہ 7223046 کتاب سرائے الحمد مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار فون: 042-7320318
فیصل آباد	مکتبہ اسلامیہ۔ بیرون امین پور بازار بالمقابل شیل پٹرول پمپ ⊛ رحمانیہ دار الکتب امین پور بازار مکتبہ اہل حدیث، بالمقابل مرکز جامع مسجد اہل حدیث امین پور بازار ⊛ مکتبہ دار ارقم امین پور بازار
گوجرانوالہ	والی کتاب گھر اُردو بازار 233089 ⊛ مدینہ کتاب گھر اُردو بازار ⊛ مکتبہ نعمانیہ اردو بازار
ملتان	فاروقی کتب خانہ بیرون بوہر گیٹ 541809 ⊛ مکتبہ دار السلام کنگھیا نوالی مسجد تھانہ بوہر گیٹ 541229
اوکاڑہ	مکتبہ تفہیم السنہ شیر ربانی ٹاؤن۔ غازی روڈ 528621
چیچہ وطنی	اسلامی کتب خانہ، ڈاکخانہ بازار نزد پانی والی ٹینکی چیچہ وطنی ضلع ساہیوال

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

" لا تقوم السّاعةُ حتّٰی ینبعثُ دجّالونَ کذّابونَ قریبٌ مِّنْ ثلا ثینَ کلّھُم یزعمُ انه رسولُ اللّٰه "

" وانّه سیکونُ فی امّتی ثلا ثونَ کذّابُونَ کلّھُم یزعمُ انّهٗ نبیٌّ وَانَا خاتمُ النبیّینَ لَا نبیَّ بَعْدی " (رواھما او احدھما او مثلھما احمد والبخاری، ومسلم، وابوداؤد، والترمذی، وابن ماجه عن ابی ھریرة وثوبان، وجابر بن سمرة وحذیفة)

یعنی قیامت سے پہلے میری امت میں تقریباً تیس دجال وکذاب نکلیں گے ہر ایک کا یہ دعویٰ ہوگا کہ وہ اللہ کا رسول اور نبی ہے۔ حالانکہ میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

اور مرزا غلام احمد قادیانی نے کہا:

ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم رسول اور نبی ہیں۔ (قادیانی اخبار بدر قادیان ۵/مارچ ۱۹۰۸ء، و ملفوظات مرزا ص ۴۴۷، ج ۵، طبع جدید ربوہ بدون تاریخ)

"ہمارے نبی ہونے کے وہی نشانات ہیں جو توارت میں مذکور ہیں۔"

(ایضاً ۹ مارچ ۱۹۰۸ء)

"میں اللہ کے حکم کے موافق نبی ہوں۔ اور اگر میں اس سے انکار کروں تو میرا گناہ ہوگا۔" (اخبار عام ۲۳/مئی ۱۹۰۸ء، مندرجہ مجموعہ اشتہارات حضرت مسیح موعود ص ۵۹۷، ج طبع ربوہ نوٹ یہ خط مرزا جی نے اخبار عام کے ایڈیٹر کے نام ۲۳ مئی کو لکھا اور ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کی اشاعت میں شائع ہوا۔ ابوصہیب محمد داؤد ارشد)

......اور اللہ نے فیصلہ کر دیا

مرزا غلام احمد قادیانی نے کہا:

اے میرے مالک، بصیر وقدیر، جو علیم وخبیر ہے جو میرے دل کے حالات سے واقف ہے۔ اگر یہ دعویٰ مسیح موعود ہونے کا محض میرے نفس کا افتراء ہے اور میں تیری نظر میں مفسد اور کذاب ہوں۔ اور دن رات افتراء کرنا میرا کام ہے تو اے میرے پیارے مالک! میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کی زندگی میں مجھے ہلاک کر۔ اور میری موت سے ان کو اور ان کی جماعت کو خوش کر دے، آمین۔ مگر اے میرے کامل اور صادق اللہ! اگر مولوی ثناء اللہ ان تہمتوں میں جو مجھ پر لگاتا ہے حق پر نہیں تو میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ میری زندگی میں ان کو نابود کر۔

......اب میں تیرے ہی تقدس اور رحمت کا دامن پکڑ کر تیری جناب میں ملتجی ہوں کہ مجھ میں اور ثناء اللہ میں سچا فیصلہ فرما۔ اور وہ جو تیری نگاہ میں حقیقت میں مفسد اور کذاب ہے اس کو صادق کی زندگی ہی میں دنیا سے اٹھا لے۔

(اشتہار ۱۵/ اپریل ۱۹۰۷ء یکم ربیع الاوّل ۱۳۲۵ھ، مجموعہ اشتہارات حضرت مسیح موعود ج ۳)

اور اللہ نے فیصلہ کر دیا

یعنی ۲۶/ مئی ۱۹۰۸ء مطابق ۲۴/ ربیع الآخر ۱۳۲۶ھ کو مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری رحمہ اللہ کی زندگی ہی میں مرزا صاحب کو دنیا سے اٹھا لیا۔

فہرست مضامین

مقدمہ

شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ برصغیر پاک وہند کی جامع الصفات علمی شخصیت تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بے پناہ خوبیوں اور محاسن سے نواز رکھا تھا' وہ دین کے داعی بھی تھے اور مفسر قرآن بھی' متکلم بھی تھے اور مصنف بھی' مناظر بھی تھے اور صحافی بھی' ان کی اسلامی اور مسلکی خدمات کا دائرہ اس خطہ ارض میں دور دور تک پھیلا دکھائی دیتا ہے' ان کا شمار بیسویں صدی عیسوی کے ان علمائے کرام میں ہوتا ہے' جو متعدد اوصاف کے حامل تھے اور انہوں نے اس دور میں شعور کی آنکھ کھولی اور ہوش سنبھالا' جب اس خطے میں کئی اسلام دشمن تحریکیں پیدا ہو چکی تھیں اور اسلام پر وہ پوری شدت سے حملہ آور ہو رہی تھیں۔

مولانا مرحوم نے ان حالات میں تعلیم و تربیت کی منزلیں طے کیں' مختلف مذاہب کی کتب کا مطالعہ کر کے ان سے متعلق معلومات حاصل کیں اور گرد و پیش کا جائزہ لے کر وہ ان سب کے خلاف سینہ سپر ہو گئے اور اسلام کی مدافعت و محافظت میں اپنی تمام قوتیں صرف کر دیں۔

مولانا ابو علی اثری نے لکھا ہے کہ مولانا ثناء اللہ جامع الصفات تھے' اللہ تعالیٰ نے بیک وقت بہت سے فضائل اور محاسن ان میں جمع کر دیئے تھے' انہوں نے اپنی تمام حیثیتوں سے مذہب اہل حدیث اور اس سے کہیں زیادہ اسلام کو فائدہ پہنچایا اور اپنے واحد اہل حدیث اخبار کے ذریعے تحریک اہل حدیث کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا' یہ تحریک اہل حدیث کی بڑی خوش قسمتی تھی کہ ان جیسا باہمت' وسیع المعلومات' وسیع النظر اور وسیع المطالعہ عالم اس کو مل گیا جس نے اپنی تصنیفات' رسائل' مضامین اور تحریروں سے تحریک اہل حدیث میں ایسی زبردست انرجی اور طاقت بھر دی کہ ہندوستان میں بڑے بڑے مذاہب کے نظامات اس کی ٹکر سے گھائل گئے۔

انہوں نے سید صاحب کے خیالات کے مطابق رفع الیدین اور آمین بالجہر وغیرہ پر بھی رسالے لکھے اور قادیانیوں اور آریہ کے رد میں بھی کتابیں لکھیں اور ان کے علماء اور پنڈتوں سے کھلے جلسوں میں مناظرے بھی کئے' جن کا زہر بڑی تیزی کے ساتھ نہ صرف پنجاب' بلکہ پورے

ملک میں پھیلتا چلا جا رہا تھا اور یہ ان کی اتنی بڑی مذہبی خدمات ہیں کہ اس پر مستقل کتاب لکھی جاسکتی ہے۔ پھر ان اہم دینی خدمات کے ساتھ ساتھ انہوں نے فروعی مسائل یعنی رفع الیدین اور آمین بالجہر وغیرہ پر رسائل اور کتابیں لکھ کر خوب داد تحقیق دی اور نہایت قوی دلائل سے ان کی مؤید احادیث کو مرجع ہونا ثابت کیا ہے' یہ بھی ایک بڑی اہم دینی خدمت تھی' جو ان سے عمل میں آئی۔ اگر انہوں نے اس کی طرف توجہ نہ کی ہوتی' ان موضوعات پر اردو میں کتابیں نہ لکھتے تو بے چارے اردو دان جو اس مسلک پر چلنے کو اپنی سعادت سمجھتے تھے' اپنی تشنگی کہاں جا کر بجھاتے' کوئی تو سرچشمہ ان کے لئے چاہیے تھا۔ مقلدین کے لئے تو دیوبند' سہارن پور' دہلی' مراد آباد اور پھر ان میں سے ایک طبقہ کے لئے بدایوں' بریلی اور فرنگی محل تھا لیکن سلف کے نقش قدم پر چلنے والوں کا من دھنکا کہاں تھا اور یہ کس دیوار سے جا کر اپنا سر ٹکراتے۔

مولانا ثناء اللہ ان مرفوع' قوی اور مرجع احادیث پر عمل کرنے والوں کے لئے درحقیقت آیۃ من آیات اللہ تھے' ان کی بدولت نبی ﷺ کی کتنی متروک سنتوں پر عمل ہوا اور وہ سنتیں کتنے لوگوں کا مستقل مسلک بن گئیں۔ یہ وہی ہیں' جو اپنے کو اہل حدیث' عامل بالحدیث' سلفی' موحد' محمدی اور جبکہ اغیار ان کو غیر مقلد اور وہابی کہتے ہیں اور بحمد للہ برصغیر کے دونوں ٹکڑوں یعنی ہندوستان اور پاکستان میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلے ہوئے ہیں۔

اب آیئے! مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ کے اوصاف گوناگوں اور دینی خدمات کی ایک اجمالی سی جھلک دیکھنے کی کوشش کریں۔ مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ کے آباؤ اجداد اصلاً کشمیر کے رہنے والے تھے اور کشمیریوں کے منٹو خاندان سے تعلق رکھتے تھے' ان کے والد کا نام ''خضر جو'' اور تایا کا اسم گرامی ''اکرم جو'' تھا۔ یہ لوگ علاقہ ڈور کے رہنے والے تھے' جو تحصیل اسلام آباد ضلع سری نگر میں واقع ہے' کشمیر کے زیادہ تر لوگ پشمینے کی تجارت کا کام کرتے تھے اور مولانا مرحوم کے والد اور تایا کا بھی یہی کاروبار تھا۔ یہ لوگ ۱۸۶۰ء میں تجارت کی غرض سے یا کشمیر کے ڈوگرا حکمران رانا رنبیر سنگھ کی ستم رانیوں سے تنگ آ کر امرتسر میں سکونت پذیر ہوئے اور یہ وہ دور تھا کہ جب برصغیر پر انگریز کی حکمرانی تھی اور یہ خطہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ (سیرت ثنائی)

مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ کی ولادت جون ۱۸۶۸ء (بمطابق ۱۲۸۷ ہجری) کو امرتسر میں ہوئی۔

عمر عزیز کی ابھی سات بہاریں ہی دیکھ پائے تھے کہ ان کے والد محترم اس دنیا سے منہ موڑ کر آخرت کو روانہ ہوئے اور کچھ عرصہ بعد ان کے تایا ''اکرم جو'' بھی سفر آخرت اختیار کر گئے' یہ وقت مولانا مرحوم کے لئے نہایت رنج والم اور ابتلا کا تھا اور ساتھ ہی عسرت وتنگدستی کے سائے بھی چھائے ہوئے تھے۔ ان کے بڑے بھائی ابراہیم رفو گری کا کام کرتے تھے' انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی کو بھی یہ کام سکھا دیا اور دونوں بھائی یہ کام کر کے رزق حلال کمانے لگے۔

مولانا مرحوم کی عمر ۱۴ سال تھی کہ ان کی پیاری والدہ بھی داغ مفارقت دے گئیں۔ انہی دنوں ایک بزرگ ان کے پاس اپنا چوغہ رفو کروانے کے لئے لے کر آئے' انہوں نے مولانا مرحوم سے چند دینی باتیں کیں اور مولانا نے ان کے بڑے اچھے جوابات دیئے۔ اس بزرگ نے مولانا کی ذہانت وفطانت اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے انہیں دینی تعلیم حاصل کرنے کا مشورہ دیا' اس وقت مولانا مرحوم کی عمر چودہ سال تھی' اسی عمر میں ان کے دل میں دینی تعلیم کے حصول کا جذبہ ابھرا اور اس وقت امرتسر میں مولانا احمد اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۹۱۶ء) کا سلسلہ درس جاری تھا' جن کا شمار امرتسر کے رؤساء میں ہوتا تھا۔

مولانا ثناء اللہ مرحوم رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے حلقہ درس میں رہ کر درسی کتب درسیہ میں سے علم نحو کی شرح جامی اور علم منطق کی قطبی تک کتابیں پڑھیں' اس کے بعد کتب حدیث کی تحصیل کے لئے گوجرانوالہ کے شہر وزیر آباد کا رخ کیا۔ اس دور میں صوبہ پنجاب کے اس چھوٹے سے شہر کو علم حدیث کے مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ اس علمی شہر میں میں استاد پنجاب مولانا حافظ عبدالمنان وزیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ فروکش تھے اور انہوں نے مسند حدیث آراستہ کر رکھی تھی' حافظ صاحب آنکھوں سے نابینا اور دل کے بینا تھے' ان کی علمی بصیرت بہت تیز تھی کہ وہ بہت بڑے عالم حدیث اور فن رجال کے ماہر تھے۔

متحدہ پنجاب میں جن علمائے کرام کی مساعی جمیلہ سے علم حدیث کی شمع روشن ہوئی اور قال اللہ وقال الرسول کی دل نواز صدائیں گونجیں' ان میں حافظ عبدالمنان وزیر آبادی (رحمۃ اللہ علیہ) کا اسم گرامی خاص طور سے لائق تذکرہ ہے۔ اس عظیم المرتبت استاذ حدیث کی خدمت میں حاضر ہو کر مولانا ثناء اللہ (رحمۃ اللہ علیہ) نے کتب احادیث اور دیگر مروجہ دینی علوم وفنون کی تحصیل کی اور

۱۸۸۹ء میں سند فراغت حاصل کی۔

حضرت حافظ عبدالمنان وزیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے سند فراغت حاصل کرنے کے بعد انہوں نے صحیحین پڑھنے کی خاطر بلوہ علم دہلی کی طرف شد رحال کیا' یہ وہ دور تھا جب دہلی میں حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا حلقہ درس و تدریس بام عروج پر تھا' مولانا مرحوم ان کی درسگاہ میں حاضر ہوئے اور حضرت میاں صاحب سے خوب استفادہ کیا اور ان کی خدمت میں اپنے استادِ گرامی حافظ عبدالمنان رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے حاصل کردہ سند پیش کر کے ان سے شرف اجازہ کی سعادت حاصل کی اور یہ بہت بڑا اعزاز تھا' جو انہیں حضرت میاں صاحب کی طرف سے عطا ہوا۔

یہاں سے علمی و عملی طور پر بہرہ مند ہونے کے بعد مولانا مرحوم سہارن پور گئے اور کچھ عرصہ وہاں مدرسہ مظاہر العلوم میں قیام پذیر ہو کر دینی علوم سے مستفید ہونے کی سعادت حاصل کی۔ حصول علم کے لئے سہارن پور سے دیوبند آئے تو ان دنوں دارالعلوم دیوبند کی مسند تدریس پر مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ فائز تھے' مولانا ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ مرحوم باقاعدہ ان کے حلقۂ شاگردی میں شامل ہوئے اور ان سے منقولات و معقولات سے متعلق کتب درسیہ کی تکمیل کی اور دورہ حدیث میں بھی شریک ہوئے' یہاں انہوں نے حضرت حافظ عبدالمنان وزیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ اور دارالعلوم دیوبند کے درس حدیث میں جو فرق تھا' اسے خوب سمجھا اور درس و تدریس کے یہ دونوں مراکز جن خطوط پر چل رہے تھے اس سے خوب استفادہ کیا۔ دیوبند کی سند فراغت کو مولانا مرحوم اپنے لئے باعث افتخار قرار دیتے تھے۔ (بزم ارجمندان)

دارالعلوم دیوبند سے سند فراغت حاصل کرنے کے بعد مولانا ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ فیض عام کانپور پہنچے۔ ان دنوں مولانا احمد حسن مرحوم کے درس کا شہرہ بہت زیادہ تھا۔ مولانا محترم حدیث کے ساتھ ساتھ علوم معقول و منقول میں بھی خاص شغف رکھتے تھے لہٰذا وہ خوشی خوشی مدرسہ فیض عام کانپور میں داخل ہوئے۔

مولانا ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے خودنوشت حالات میں بیان کرتے ہیں کہ---وہاں جا کر میں کتب مقررہ میں شریک ہوا اور قند مکرر کا لطف پایا۔ انہی دنوں مولانا احمد حسن مرحوم کو حدیث پڑھانے کا تازہ تازہ شوق ہوا تھا۔ میں ان کے درس حدیث میں شریک ہوا۔ پنجاب میں مولانا

حافظ عبدالمنان صاحب مرحوم (اہل حدیث مشرب) میرے شیخ الحدیث تھے۔ دیوبند میں مولانا محمود الحسن صاحب اور کانپور میں مولانا احمد حسن صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) استاذ العلوم والحدیث میرے شیخ الحدیث تھے' اس لئے میں نے حدیث کے تینوں اساتذہ سے جو طریقہ تعلیم سیکھا وہ بالکل ایک دوسرے سے مختلف ہے' جس کے ذکر کا یہ موقع نہیں۔ ۱۳۱۰ ہجری بمطابق ۱۸۹۲ء فیض عام کانپور کا جلسہ ہوا' جس میں آٹھ طلبہ کو دستارِ فضیلت اور سند تکمیل دی گئی تو ان آٹھ میں سے ایک میں گمنام بھی تھا۔ (اہل حدیث کا مذہب)

یہاں ایک عجیب اتفاق بھی ملاحظہ فرمائیں کہ جس موقع پر مولانا ثناء اللہ امرتسری اور ان کے ساتھیوں کی دستار بندی ہوئی اور ان کو سندیں دی گئیں تھیں' اسی مجلس میں ندوۃ العلماء لکھنؤ کی بنیاد رکھی گئی تھی اور مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی ذہانت و فطانت اور علمی استعداد کو دیکھتے ہوئے انہیں ندوۃ العلماء کا رکن بنایا گیا تھا' اس مجلس میں ندوہ کے تاسیسی ارکان میں یہ سب سے کم عمر تھے۔

۱۸۹۲ء میں مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ فارغ التحصیل ہو کر اپنے وطن امرتسر تشریف لائے۔ ان کے پہلے استاد مولانا احمد اللہ رئیس امرتسر کا مدرسہ تائید اسلام مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کا مرکز تصور کیا جاتا تھا اور یہاں بچوں کی تعلیم کے لئے تدریس کا کام احسن طریقے سے چل رہا تھا۔ مولانا احمد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے اس شاگرد رشید کی علمی لیاقت' وسعت معلومات' وسیع المطالعہ اور رسوخ علم کا پتہ تھا لہٰذا انہوں نے مولانا کی خدمات اپنے مدرسہ تائید الاسلام کے لئے حاصل کر لیں۔

بیسویں صدی کا ابتدائی زمانہ مناظروں اور مباحثوں کا زمانہ تھا۔ مختلف مذاہب کے اصحاب علم اپنے اپنے مذہب کی صداقت کو ثابت کرنے کے لئے ایک دوسرے کو مناظرے کا چیلنج دیتے رہتے تھے' مناظروں میں حریف کے علم و فضل کا بہت بڑا معیار سرکاری سند کو سمجھا جاتا تھا اور اس دور میں کسی عالم دین کے لئے یہ بہت بڑا اعزاز تھا اور اس سے علمی میدان میں آگے بڑھنے کے مواقع ملتے اور نئی راہیں کھلتی تھیں۔ علوم شرقیہ میں مولوی فاضل کا امتحان خاص اہمیت رکھتا تھا چنانچہ مولانا ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۰۲ء میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا اور پنجاب یونیورسٹی سے اس کی سند حاصل کی۔ (بزم ارجنداں۔ از مولانا اسحٰق بھٹی' صفحہ ۱۴۷)

جیسا کہ گزشتہ سطور میں بتایا گیا کہ تحصیل علم کے بعد مولانا کو منصب تدریس پر متمکن ہونے کے مواقع میسر آئے مگر انہوں نے عملی طور پر اس میں زیادہ دلچسپی نہیں لی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مختلف اطراف سے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ پر شدید حملے ہو رہے تھے۔ عیسائی پادریوں اور آریہ سماجی پرچارکوں نے ایک خاص منصوبے کے تحت منظم طریقے سے اسلام اور اسلامی تہذیب و تعلیمات پر یلغار کر دی تھی اور اس کے علاوہ فتنہ مرزائیت بھی ابھر آیا تھا۔

ان وجوہ کی بنا پر مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ وقت مسجد میں بیٹھ کر خدمت دین سرانجام دینے کا نہ تھا بلکہ میدان میں اتر کر براہِ راست ان غلط طاقتوں سے نبرد آزما ہونے کا تھا۔ اس وقت مولانا محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ اس محاذ کے علم بردار تھے اور تنہا مخالفین اسلام کے مقابلے میں ڈٹے ہوئے تھے۔ مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ نے اسی مورچے میں آنے کو ترجیح دی، وہ خود فرماتے ہیں

کانپور سے فارغ ہوتے ہی میں اپنے وطن پنجاب پہنچا اور مدرسہ تائید الاسلام امرتسر میں کتب درس نظامیہ کی تعلیم پر مامور ہوا، طبیعت میں تجسس زیادہ تھا، اس لئے ادھر سے ماحول کی مذہبی حالت دریافت کرنے میں مشغول رہتا۔

میں نے دیکھا کہ اسلام کے سخت بلکہ سخت ترین مخالفت عیسائی اور آریہ دو گروہ ہیں اور ان ہی دنوں قریب میں قادیانی تحریک پیدا ہو چکی تھی، جس کا شہرہ ملک میں پھیل چکا تھا۔

مسلمانوں کی طرف سے اس دفاع کے علمبردار مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ تھے۔ میری طبیعت طالب علمی ہی کے زمانے میں مناظرات کی طرف بہت زیادہ راغب تھی، اس لئے تدریس کے علاوہ میں ان تینوں گروہوں (عیسائی، آریہ، قادیانیوں) کے علم کلام اور کتب مذہبی کی طرف متوجہ رہا اور بفضلہٖ تعالیٰ میں نے اس میں کافی واقفیت حاصل کر لی، ہاں! اس میں شک نہیں کہ ان تینوں مخاطبوں سے قادیانی مخاطب کا نمبر اول رہا۔ شاید اس لئے کہ قدرت کو منظور تھا کہ مولانا بٹالوی مرحوم کے بعد یہ خدمت میرے سپرد ہو گی، جن کی جانب مولانا مرحوم کو علم ہوا ہو تو شاید یہ شعر پڑھتے ہوں گے ؎

آ کے سجادہ نشین قیس ہوا میرے بعد
رہی خالی نہ کوئی دشت میں جا میرے بعد

اس شغل میں، میں نے چند علمائے سلف کی تصنیفات سے خاص فوائد حاصل کئے، حدیث شریف میں قاضی شوکانی، حافظ ابن حجر اور ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم کی تصانیف سے، علم کلام میں امام بیہقی، امام غزالی، حافظ ابن حزم، علامہ عبدالکریم شہرستانی، حافظ ابن تیمیہ، شاہ ولی اللہ اور امام رازی وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم کی تصانیف سے فائدہ اٹھا۔ (اہل حدیث کا مذہب)

مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی علمی و تصنیفی خدمات کا جائزہ لیں تو یہ بات نکھر کر سامنے آتی ہے کہ آپ نے تحصیل علم کے فوری بعد تصنیف و تالیف کا کام شروع کر دیا تھا اور ۱۸۹۵ء میں تفسیر ثنائی کی جلد اول لکھ کر شائع کر دی تھی اور جبکہ ادیان باطلہ کے رد میں آپ نے ۱۹۰۰ء کے لگ بھگ لکھنا شروع کیا۔ آپ کا مطالعہ وسیع اور اسلامی علوم و فنون پر گہری نظر تھی۔ حدیث، تفسیر، منطق، فلسفہ اور علم الکلام میں آپ کو کامل دستگاہ تھی۔ جس موضوع پر گفتگو فرماتے تھے علم کے لؤلؤ ولالہ بکھیرتے چلے جاتے اور جس عنوان پر قلم کو جنبش دیتے، علم و تحقیق کے موتی پرو کے رکھ دیتے، مولانا نے مختلف موضوعات پر لکھا اور خوب لکھا۔

آریہ سماج، عیسائیت اور فتنہ قادیانیت ان کی توجہ کا خاص مرکز رہے اور انہوں نے ان باطل فرقوں کے خلاف تحریری، تصنیفی اور مناظرہ مباحثہ کے ذریعے قابل قدر خدمات سرانجام دیں۔ مولانا ثناء اللہ مرحوم سادہ اور عام فہم اسلوب میں لکھتے تھے اور اپنے مافی الضمیر کا اظہار نہایت خوبصورتی سے کرتے تھے، ان کی تحریروں میں علم و تحقیق کے ساتھ ساتھ اردو زبان و ادب کی چاشنی بھی پائی جاتی تھی اور بلاشبہ وہ اس خطۂ ارض کے بلند پایہ مصنف، خطیب اور مناظر تھے۔ ہمارے بزرگ دوست اور جماعت اہل حدیث کے عظیم مصنف محترم ملک عبدالرشید عراقی صاحب کی تحقیق کے مطابق حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کی تعداد ۱۸۹ تک پہنچتی ہے اور اس میں اگر محترم مولانا سعید چنیوٹی صاحب کے مرتب کردہ سفر نامہ حجاز ثناء اللہ امرتسری کو بھی شامل کر لیا جائے تو کل کتب ۱۹۰ ہو جاتی ہیں۔ (چالیس علمائے اہل حدیث)

آئندہ سطور میں مولانا مرحوم کی معروف تصانیف کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔ سب سے پہلے تفسیر قرآن اور خدمات قرآن کے حوالے سے آپ نے چار تفاسیر لکھیں۔

(۱) تفسیر ثنائی:

یہ تفسیر آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے' اس کی تکمیل میں ۳۶ سال کا عرصہ لگا اور پہلی جلد ۱۸۹۵ء میں طبع ہوئی اور جبکہ آخری جلد ۱۹۳۱ء میں طبع ہوئی۔

قرآن مجید کی یہ مختصر اور جامع تفسیر ہے۔ مولانا محترم نے اردو ترجمہ کرتے وقت ایک آیت کا ربط دوسری آیت سے قائم کرنے کی سعی کی ہے اور مناظرانہ اسلوب اختیار کرتے ہوئے اسلام دشمن عناصر اور سرسید کے بعض افکار و نظریات پر تنقید کرتے ہوئے ان کے مدلل جوابات دیئے ہیں۔ یہ تفسیر اپنے دامن میں ندرت کا پہلو لئے ہوئے ہے' اس کے شروع میں مولانا مرحوم نے مقدمہ تفسیر میں سید الانبیاء حضرت محمد ﷺ کی نبوت کو عقلی و نقلی دلائل سے اس طرح پیش کیا ہے کہ ذرا سی ہوش و خرد رکھنے والا اسے پڑھ کر فوراً نبی ﷺ کی نبوت کا قائل ہو جائے' یہ تفسیر کئی بار شائع ہو چکی ہے۔

(۲) تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن:

یہ تفسیر عربی زبان میں ہے اور ایک شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے' اس کی خصوصیت یہ ہے کہ مولانا مرحوم نے ایک آیت کی تشریح و ترجمہ کے لئے دوسری آیت سے مدد لی ہے یعنی قرآن کی تفسیر قرآن سے ہی کی گئی ہے۔ اکابر علمائے کرام اور عرب دنیا نے اس تفسیر کی بڑی تحسین کی اور مولانا کے حسن کلام اور اسلوب بیان کو سراہتے ہوئے انہیں قدر و منزلت سے نوازا ہے۔

(۳) بیان الفرقان علی علم البیان:

یہ تفسیر صرف سورۃ بقرہ تک ہے اور عربی زبان میں لکھی گئی ہے' اس میں فصاحت و بلاغت کے ذریعے قرآن کی عظمت کو بیان کیا گیا ہے اور یہ تفسیر فن بیان و معانی کا ایک نمونہ ہے' افسوس مکمل نہ ہو سکی۔

تفسیر بالرائے:

اس تفسیر میں مولانا نے تفسیر بالرائے پر اصولی و فنی نقطہ نگاہ سے بحث کی ہے اور اس کی روشنی میں بعض مفسرین کی ان اغلاط کی نشاندہی کی ہے جو اس موضوع سے متعلق کی گئی ہیں' اس میں

قادیانی، چکرالوی، بریلوی اور شیعہ حضرات کے مفسرین کے غلط استدلال کی اصلاح کرتے ہوئے بڑی اچھی اور عمدہ تحقیقی بحث کی ہے۔

ان مذکورہ تفاسیر کے علاوہ اس موضوع پر مولانا موصوف نے جو کتب تصنیف کیں، ان کے نام یہ ہیں۔ آیات متشابہات، برہان التفاسیر بجواب سلطان التفاسیر، الہامی کتب، القرآن العظیم، الہام، کتاب الرحمٰن، حق پرکاش وغیرہ۔ (مولانا ثناء اللہ امرتسری مختصر حالات اور تفسیری خدمات صفحہ ۶۰، از عبدالمبین ندوی)

عیسائیت کے رد میں کتب:

برصغیر میں جب انگریز کا تسلط ہوا تو عیسائی مشنری بھی سرگرم ہو گئی اور انہوں نے عیسائیت کی ترویج و اشاعت کے لئے لوگوں میں تبلیغ کرنا شروع کر دی اور بعض عیسائی مصنفوں نے دین اسلام کو بھی ہدف تنقید ٹھہرایا اور کتب تصنیف کیں۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ نے ان کتب کا تنقیدی نظر سے جائزہ لیا اور انہوں نے اسلام کے دفاع اور عیسائیت کے رد میں بڑی تحقیقی کتب لکھیں۔ عیسائیت کے رد میں لکھی گئی ان کی مشہور کتب یہ ہیں:

تقابل ثلاثہ:

یہ کتاب مولانا مرحوم کی مشہور اور بلند پایہ تصنیف ہے۔ اسے انہوں نے پادری ٹھاکر دت کی کتاب ''عدم ضرورت قرآن'' کے جواب میں حوالہ قرطاس کیا تھا، مولانا نے اس کتاب میں قرانا عربیا غیر ذی عوج. کا تقابل توراۃ اور انجیل کے ساتھ آیت بہ آیت سامنے کیا ہے اور تینوں کتابوں کے الہامی مضامین اصل الفاظ میں دکھا کر قرآن حکیم کی برتری اور فضیلت ثابت کی ہے۔ یہ اپنے موضوع کی دلچسپ اور منفرد کتاب ہے۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۹۰۴ء میں طبع ہوئی تھی۔

توحید تثلیث اور راہِ نجات:

اس کتاب میں توحید، تثلیث اور راہ نجات پر تحقیقانہ بحث کر کے عیسائیوں کے اعتراضات کا بڑا عمدہ جواب دیا ہے، یہ کتاب ۱۹۱۴ء میں طبع ہوئی۔

جوابات نصاریٰ:

یہ کتاب مولانا کے ان رسائل و مضامین کا مجموعہ ہے' جو انہوں نے عیسائی پادری عبدالحق اور پادری سلطان پال کے جواب میں لکھے تھے۔ یہ کتاب ۱۹۳۰ء میں پہلی بار طبع ہوئی۔

مناظرہ الٰہ آباد:

یہ اس تحریری مناظرے کی روئداد ہے' جو مولانا ثناء اللہ اور پادری عبدالحق کے درمیان توحید و تثلیث کے مسئلہ پر ہوا تھا' اس مناظرے کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ پادری عبدالحق نے مولانا کے دلائل پر تنگ آ کر برملا کہہ دیا تھا کہ "کون کمبخت الوہیت مسیح کا قائل ہے۔"

اسلام اور مسیحیت:

یہ کتاب عیسائیوں کی تین کتب توضیح البیان فی اصول القرآن' مسیحیت کی عالم گیری اور دین فطرت سلام ہے یا مسیحیت کا نہایت عالمانہ و فاضلانہ تحقیقی جواب ہے۔ عیسائیوں کی طرف سے یہ اسلام پر بہت بڑا حملہ تھا' جس کا مولانا نے اپنی علمی صلاحیتوں سے خوبصورتی سے دفاع کیا۔ اسلام اور مسیحیت کی ابتداء میں مولانا لکھتے ہیں کہ میں اپنے دلی خیال کا ظہار کرتا ہوں کہ اپنی جملہ تصانیف میں سے دو کتابوں کی نسبت مجھے زیادہ یقین ہے کہ اللہ ان کو میری نجات کا ذریعہ بنائے گا' ان میں سے ایک کتاب مقدس رسول ﷺ ہے جو رنگیلا رسول کے جواب میں ہے اور دوسری کتاب یہی اسلام اور مسیحیت ہے۔ پہلی کتاب میں' میں نے بتوفیقہٖ تعالیٰ ذات رسالت مآب ﷺ کا دفاع کیا ہے اور دوسری میں اسلام اور قرآن مجید سے مدافعت کی ہے۔ اس لئے میں کہہ سکتا ہوں ع

روز قیامت ہر کسے در دست گیر و نامہ
من نیز حاضر مے شوم تائید قرآن در بغل

تفسیر سورۃ یوسف اور تحریفات بائبل:

اس کتاب میں دلائل و براہین سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ عیسائی پادریوں نے ہر دور میں بائبل میں تحریفات کی ہیں اور مولانا نے اس کا ثبوت بائبل کے مختلف ایڈیشنوں سے دیا ہے۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۹۴۴ء میں طبع ہوئی۔ (ماخوذ تذکرہ ابوالوفا از عبدالرشید عراقی)

آریہ کے جواب میں لکھی گئی کتب:

یہود ونصاریٰ کی طرح ہندو بھی شروع دن سے اسلام اور پیغمبر اسلام کے درپے آزار رہے ہیں اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے، پہلے بھی وہ اسلام کے خلاف زبان وقلم سے وار کرتے تھے اور اب بھی وہ اپنے خبث باطن کا اظہار کرنے سے نہیں چوکتے۔ جن دنوں مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ عیسائیوں، قادیانیوں اور دیگر مذاہب باطلہ کے خلاف علمی وقلمی میدان میں نبرد آزما تھے تو ایسے میں آریہ سماج کے منہ پھٹ مصنفوں نے اسلام، پیغمبر اسلام اور قرآن سے متعلق زبان وقلم سے حملے کرنا شروع کئے۔

مولانا خم ٹھوک کران کے سامنے آگئے اور انہوں نے آریہ دھرمیوں کو دندان شکن جواب دے کران کی بولتی بند کردی۔ آریہ کے رد میں مولانا محترم نے بڑی وقیع تصنیفی خدمات سرانجام دیں۔ جس سے مولانا کی اسلامی غیرت وحمیت کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ مولانا کے پیش نگاہ اسلام کا دفاع اور پیغمبر اعظم جناب محمد ﷺ کی عزت وناموس کی حفاظت تھا۔

حق پرکاش:

یہ کتاب سوامی دیانند سرسوتی کی کتاب "سیتارتھ پرکاش" کے ۱۶ویں باب کا جواب ہے جس میں سوامی جی نے قرآن مجید پر ۱۵۹۔ اعتراضات کئے تھے، مولانا محترم نے ان اعتراضات کے نہایت عالمانہ جواب دے کر جہاں اسلامی تعلیمات کو اجاگر کیا ہے، وہیں سوامی جی کی غلط بیانیوں اور اسلامی تعلیم سے عدم واقفیت کی بھی قلعی کھول کر رکھ دی ہے، یہ کتاب پہلی بار ۱۹۰۰ء میں طبع ہوئی۔

کتاب الرحمٰن:

اس کتاب میں پنڈت دھرم بکھشو کی کتاب بنام "کتاب اللہ وید ہے یا قرآن" کا مسکت جواب دیا گیا ہے۔

ترکِ اسلام:

غازی محمود دھرم پال بیسویں صدی کی ابتدا میں برصغیر کی تاریخ کا ایک اہم نام تھا، وہ ۱۹۰۳ء

میں آریہ سماج میں چلے گئے تھے اور انہوں نے ایک زہریلی کتاب ''ترک اسلام'' لکھی جس سے مسلم حلقوں میں بے چینی سی پائی جانے لگی' مولانا ثناء اللہ مرحوم نے اس کا جواب ''تُرکِ اسلام'' (اسلام کا سپاہی) دیا جسے پڑھ کر مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور دھرم پال کے دوبارہ مشرف بہ اسلام ہونے میں کسی حد تک اس کتاب کا بھی عمل دخل ہے۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی لکھتے ہیں کہ ''میں سکول میں چھٹے درجے کا طالب علم تھا اور عمر گیارہ سال سے زائد نہ تھی' ایک ہندو لڑکے سے لے کر ترکِ اسلام کی دیکھ لی تھی اور اس پر تن بدن میں آگ لگی ہوئی تھی چنانچہ کچھ ہی دن بعد تُرک اسلام کی زیارت نصیب ہوگئی اور اس نے زخم پر ٹھنڈا مرہم رکھ دیا۔'' (معاصرین: ۱۲۴) یہ کتاب ۱۹۰۳ء میں پہلی بار طبع ہوئی۔

مقدس رسول ﷺ

یہ کتاب ایک گم نام آریہ کے بدنام رسالہ ''رنگیلا رسول'' کا بہت ہی خوبصورت جواب ہے جس میں بڑی متانت اور سنجیدگی سے رنگیلے مہاشہ کی دشنام طرازیوں کو طشت از بام کر کے رسول اکرم ﷺ کی پاکیزہ زندگی کے گوشوں کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اس کے متعلق مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے لکھا تھا کہ ''مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ نے یہ رسالہ لکھ کر مسلمانوں پر احسان عظیم کیا ہے اور اخبار وکیل امرتسر نے ۶ ستمبر ۱۹۲۴ء کی اپنی اشاعت میں لکھا تھا کہ جس قدر رنگیلا رسول اشتعال انگیز' فحش اور دائرہ مذہب سے خارج ہے' اسی قدر مقدس رسول ﷺ علم' انتہائی تحمل' متانت اور شائستگی کو لئے ہوئے ہے۔ مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ بھی اس رسالے کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھنے لگے۔'' تذکرہ ابوالوفاء: ۸۹)

ردقادیانیت:

مرزائیت نے جب اس خطے میں اپنے زہریلے اثرات پھیلانے شروع کئے تو علمائے اہل حدیث نے جلدی اس کا سدباب کیا۔ مولانا محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ کے استفتاء پر شیخ الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ نے مرزا قادیانی پر سب سے پہلا فتویٰ تکفیر جاری کیا اور پھر اس پر برصغیر کے نامور سینکڑوں علماء کے دستخط کروا کر مرزا قادیاں کے کفر پر مہر ثبت کر دی۔ مرزائیت کے رد میں جس مردِ حق آگاہ نے سب سے زیادہ مناظرے کئے' کتب تصنیف کیں اور مرزا غلام

احمد کے چیلنج پر اس کے گھر جا کر اسے مناظرے کے لئے للکارا، اسے دنیا فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے جانتی ہے۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ میری تصانیف جو قادیانیت کے متعلق ہیں، اس کی تفصیل لکھوں تو مناظرین کے ملالِ خاطر کا خطرہ ہے، اس لئے مختصر طور پر بتلاتا ہوں کہ قادیانی تحریک سے متعلق میری کتابیں اتنی ہیں کہ مجھے خود ان کا شمار نہیں، ہاں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ جس شخص کے پاس یہ کتابیں موجود ہوں، قادیانی مباحث میں اسے کافی واقفیت حاصل ہو سکتی ہے، جس کا ثبوت خود مرزا بانی تحریک قادیان کی اس تحریر سے ملتا ہے، جو انہوں نے ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء کو شائع کی تھی اور جس کا عنوان تھا ''مولوی ثناء اللہ کے ساتھ آخری فیصلہ۔''

اس کے شروع میں میری نسبت جو خاص گلہ وشکایت کی گئی ہے، وہ خصوصاً قابل دید و شنید ہے، مرزا صاحب نے لکھا ہے مولوی ثناء اللہ نے مجھے بدنام کیا، میرے قلعہ کو گرانا چاہا وغیرہ، اس لئے میں دعا کرتا ہوں کہ ہم دونوں میں جو جھوٹا ہے، وہ سچے کی زندگی میں مر جائے۔

کوئی خاص وقت تھا جب یہ دعا ان کے منہ اور قلم سے نکلی اور قبولیت اسے لینے آئی۔ آج قادیان کی بستی میں ادھر ادھر دیکھو تو رونق بہت پاؤ گے مگر ایسی کہ دیکھنے والا اہل قادیان کو مخاطب کر کے داغ مرحوم کا یہ شعر سنائے گا ؏

آپ کی بزم میں سب کچھ ہے مگر داغ نہیں
ہم کو وہ خانہ خراب بہت یاد آیا

قادیانی لٹریچر کو جمع کرنے اور واقفیت حاصل کرنے میں میں نے بڑی محنت کی، جس کا اثر یہ ہوا کہ ایک مجلس میں مولانا حبیب الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ مہتمم مدرسہ دیوبند نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ ہم لوگ ۳۰ سال تک محنت کریں تو بھی اس بارے میں آپ کی واقفیت کو نہیں پہنچ سکتے، میں نے کہا غالباً یہ آپ کا حسن ظن ہے۔

مولانا محترم نے قادیانیت کے رد میں جو کتب اور رسائل لکھے ہیں، ان میں چند ایک کے نام یہ ہیں: تاریخ مرزا، فیصلہ مرزا، الہامات مرزا، نکاح مرزا، نکاتِ مرزا، عجائبات مرزا، علم کلام مرزا، شہادت مرزا، چیستان مرزا، محمد قادیانی، بہاء اللہ اور مرزا، فاتح قادیان، فتح ربانی اور مباحثہ قادیانی، شاہ

انگلستان اور مرزا قادیان' مکالمہ احمدیہ' صحیفہ محبوبیہ' تحفہ احمدیہ اور بطش قدیر بر قادیانی تفسیر کبیر وغیرہ۔

دیگر موضوعات پر کتب:

علمائے احناف (بریلوی' دیوبندی) اور شیعہ حضرات سے بھی کبھی کبھار نوک جھونک ہو جاتی تھی' اس سلسلے میں ان کی تصانیف کے نام یہ ہیں' فقہ اور فقیہ' علم اور الفقہ' تنقید تقلید' تقلید شخصی و سلفی' معقولات حنفیہ' حدیث نبوی اور تقلید شخصی' اہل حدیث کا مذہب' آمین' رفع الیدین' فاتحہ خلف الامام' فتوحات اہل حدیث' شمع توحید اور نور توحید وغیرہ۔

ان کتب کے علاوہ مولانا مرحوم نے یہ کتابیں بھی لکھیں۔ خصائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم' اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم' رسالت خلافت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم' حیات مسنونہ' کلمہ طیبہ' قرآنی قاعدہ ثنائیہ' السلام علیکم' ہدایت الزوجین' شریعت و طریقت' رسوم اسلامیہ' اسلام اور برٹش لاء' الفوز العظیم' ادب المفرد' التعریفات النحویہ' ثنائی پاکٹ بک اور اربعین ثنائیہ وغیرہ۔

صحافتی خدمات:

مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ بلند پایہ صحافی' مبصر نقاد اور ایڈیٹر بھی تھے۔ آپ نے مختلف ادوار میں چار رسائل جاری کئے اور صحافتی دنیا میں قابل قدر خدمات سرانجام دیں۔

سب سے پہلے آپ نے ۱۳ نومبر ۱۹۰۳ء کو ہفت روزہ اہل حدیث جاری کیا جو ہر جمعے کو باقاعدگی سے شائع ہوتا تھا' جسے مسلم اور غیر مسلم حلقوں میں بڑی دلچسپی سے پڑھا جاتا تھا' اس رسالے کے موضوع تھے' عیسائی مشن' آریہ مشن' قادیانی مشن' شیعہ مشن' بریلوی مشن اور اس کے علاوہ مختلف مذاہب پر بحث ہوتی تھی' ملکی اور غیر ملکی اہم خبروں پر بھی ہلکا پھلکا تبصرہ کر کے شائع کیا جاتا تھا' رسالے کے بیشتر مضامین اور اداریہ مولانا خود لکھتے تھے جو اپنے موضوع پر بڑا جامع ہوتا۔

غرضیکہ رسالہ متنوع مضامین کا دلچسپ مجموعہ تھا' یکم اگست ۱۹۴۷ء کو اس کا آخری شمارہ شائع ہوا اور اس لحاظ سے یہ رسالہ ۴۴ سال مطلع صحافت پر نمودار رہا۔ اس عرصے میں ایک بار گورنمنٹ نے اخبار اہل حدیث کی ضمانت طلب کی تو مولانا مرحوم نے اس کی جگہ ''مخزن ثنائی'' اور ''گلدستہ ثنائی'' کے نام سے شمارے شائع کیے۔ مئی ۱۹۰۸ء میں انہوں نے ایک رسالہ ''مسلمان'' جاری کیا' جو کچھ عرصہ تک شائع ہوتا رہا جب کہ ایک رسالہ ''مرقع قادیانی'' نکلا جس میں مرزائیت کے

رد میں مضامین شائع ہوتے تھے اور یہ رسالہ مرزا قادیانی کی موت کے بعد ۱۹۰۸ء تک جاری رہا۔
مولانا مرحوم نے ثنائی اخبارات کس جذبے سے جاری کئے تھے اور انہوں نے ان کے ذریعے کس طرح دینی خدمت سرانجام دی' اس لئے مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ کے الفاظ میں ہی سن لیجئے وہ لکھتے ہیں:

''جب مذہبی تبلیغ کی ضرورت روز مرہ بڑھتی نظر آئی اور تصنیف وتالیف کا کام ناکافی ثابت ہوا تو اخبار ''اہل حدیث'' جاری کیا گیا جس میں ہر غلط خیال کی اصلاح کی جاتی ہے اور ہر غیر مسلم کے حملہ کا جواب دیا جاتا ہے۔'' (اخبار اہل حدیث ۲۳ جنوری ۱۹۴۲ء)

فتاویٰ ثنائیہ:

مولانا ثناء اللہ مرحوم کو فقہ اور فقہی مسائل میں بڑا ادراک حاصل تھا' انہوں نے اپنے اخبار اہل حدیث میں فقہ وفتاویٰ کے لئے مستقل صفحات مختص کر رکھے تھے۔ مولانا کے چالیس سالہ فتاویٰ کا انتخاب ہندوستان کے معروف عالم دین مولانا محمد داؤد راز دہلوی رحمہ اللہ (وفات دسمبر ۱۹۸۱ء) نے محنت شاقہ سے مرتب کر کے فتاویٰ ثنائیہ کے نام سے ۲ جلدوں میں ۱۹۵۴ء میں پہلی بار شائع کیا تھا۔ فتاویٰ ثنائیہ میں انسانی زندگی میں پیش آمدہ مسائل کو قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ کا جواب مختصر اور جامع ہوتا تھا' وہ اختصار کے ساتھ مسئلے کی جزئیات تک بیان کر جاتے تھے۔ ان کے فتاویٰ پر مولانا شرف الدین دہلوی رحمہ اللہ (وفات ۱۹۶۱ء) نے بڑے مفید حواشی سپرد قلم کئے ہیں۔ جس سے ان فتاویٰ کی اہمیت وافادیت اور بھی دو چند ہوگئی ہے۔

مناظرے:

مولانا ثناء اللہ امرتسری ذہین وفطین' حاضر جواب اور برجستہ گو مناظر تھے۔ تاریخ شاہد ہے کہ برصغیر میں ان جیسا مناظر پیدا نہیں ہوا۔ انہوں نے اپنی زندگی میں مرزائیوں' عیسائیوں' آریوں' بریلویوں' حنفیوں اور شیعوں سے ایک ہزار سے اوپر کامیاب مناظرے کئے۔ آریہ کے خلاف ان کا مناظرہ دیوریا' مناظرہ نگینہ بجنور' مناظرہ جلبپور' مناظرہ گوشت خوری لاہور' مناظرہ ویلم مظفر نگر یوپی' مناظرہ خورجہ بلند شہر' مناظرہ حیدر آباد سندھ اور مناظرہ دینا گر ضلع گورداسپور وغیرہ۔

عیسائیوں سے مناظرہ لاہور ۱۹۱۰ء' مناظرہ ہوشیار پور ۱۹۱۶ء' مناظرہ گوجرانوالہ فروری

۱۹۲۶ء اور مناظرہ الہ آباد ۱۹۳۵ء وغیرہ۔

جبکہ شیعہ اور منکرین حدیث سے مناظرۂ قادر آباد ضلع گجرات پنجاب اپریل ۱۹۴۱ء، مناظرۂ لاہور ۱۹۲۰ میں مسئلہ وراثت اور باغ فدک، منصور پور ضلع ہوشیار پور میں ۱۹۲۴ء میں مناظرۂ خلافت اصحاب ثلاثہ، ستمبر ۱۹۳۱ء میں بھی مناظرہ بھڑی شاہ رحمان وزیر آباد پنجاب، امرتسر میں مولوی خیر محمد جالندھری حنفی اور مولوی عبدالصمد سے لاہور میں مولوی حشمت علی، مولانا کرم دین سے فاتحہ خلف الامام، حاضر ناظر، علم الغیب اور تقلید شخصی پر کامیاب مناظرے ہوئے۔ ان کے علاوہ بھی بیسوں مناظرے احناف کے دیوبندی اور بریلوی علماء سے مختلف علاقوں میں ہوئے، جن میں مولانا کا پلہ ہمیشہ بھاری رہا۔ اس ضمن میں سب سے زیادہ مناظرے اور بحثیں قادیانیوں کے خلاف ہوئیں۔

اس میدان میں مولانا مرحوم اس قدر پر جوش اور سرگرم تھے کہ وہ مرزا قادیانی کے چیلنج پر ۱۹۰۲ء میں قادیان پہنچ گئے اور مرزے کو زچ کر دیا تھا، اسی باعث مولانا کو قوم نے فاتح قادیان کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔

مولانا ثناء اللہ مناظرے میں خوب چہکتے تھے اور مخالف کو آڑے ہاتھوں لیتے تھے، ان کے دلائل کی گرفت اس قدر مضبوط ہوتی کہ مخالف مناظر لمحوں میں گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جاتا۔

اردو زبان وادب کے نامور ادیب و مصنف اور مفسر قرآن مولانا عبدالماجد دریا آبادی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ایک جگہ معروف نامور آریہ سماجی مناظر نے شروع ہی میں خم ٹھونک کر کہہ دیا کہ ”آپ مسلمان ہی کب ہیں، جو اسلام کی طرف سے وکیل بن کر آئے ہیں، یہ دیکھئے! مسلمان علماء کے فتوے یہ سب آپ کی تکفیر میں ہیں، یہ کہا اور میز پر فتوؤں کا ڈھیر لگا دیا، مولانا صبر کے ساتھ اپنی تکفیر کا ڈھنڈورا سنتے رہے اور جب وہ کہہ چکا تو مولانا کڑک کر بولے اچھا صاحب میں اب مسلمان ہوتا ہوں اور آپ سب مسلمان گواہ رہیں کہ میں سب کے سامنے کلمۂ شہادت پڑھتا ہوں ”اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمد عبدہ ورسولہ.“ فرمائیے اب تو کوئی عذر باقی نہ رہا۔ مسلمان باغ باغ ہو گئے اور آریہ مناظر سے جواب نہ بن پڑا اور مولانا نے اپنا کام چلتا لیا۔ (معاصرین: ۱۵۲)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی حاضری جوابی اور برجستہ گوئی کے چند واقعات نقل کر دیئے جائیں۔

مولانا عبدالمجید خادم سوہدروی رحمۃ اللہ علیہ سیرت ثنائی میں لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ کسی سکھ لیڈر نے آپ سے پوچھا: ''مولانا! بھیڑ اور سور کی شکل و شباہت قریباً ایک جیسی ہے' پھر آپ بھیڑ کیوں کھاتے ہیں اور سور سے کیوں نفرت کرتے ہیں؟''

یہ سنتے ہی حضرت نے قہقہہ لگایا اور فرمایا سردار صاحب آپ نے سوال تو بڑا ٹیڑھا کیا ہے' مگر یہ تو کہیے کہ جب آپ بیوی میں اور بہن یا بہو بیٹی میں پوری مشابہت کرتے ہیں تو پھر بیوی کو کیوں حلال سمجھتے ہیں؟ اور ماں بہن بہو بیٹی کو کیوں حرام جانتے ہیں؟ سنیے! اسلام نے ہمیں بھیڑ کی حلت اور سور کی حرمت کا حکم دے دیا ہے لیکن آپ کے مذہب میں تو یہ صراحت بھی نہیں کہ فلاں کو بیوی بناؤ اور فلاں کو نہ بناؤ' سکھ نے یہ جواب سنا تو عرق ندامت کو پونچھتا ہوا چل دیا۔

ایک بار ایک عیسائی مناظر نے دوران مناظرہ یہ کہا کہ اگر تمہارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم' اللہ کے اتنے ہی مقبول و محبوب تھے تو اپنے لخت جگر حسین رضی اللہ عنہ کو کربلا میں شہید ہوتے دیکھ کر کیوں اللہ سے سفارش نہ کی اور کیوں اسے بچا نہ لیا؟

مولانا مرحوم نے بڑی متانت سے فرمایا بھائی کہا تو تھا مگر اللہ میاں نے جواب دیا کہ میرے حبیب میں کیا کروں میں تو خود اس فکر میں ہوں کہ ظالم عیسائیوں نے میرے اکلوتے بیٹے مسیح کو صلیب پر لٹکا دیا اور میں کچھ نہ کر سکا۔ حسین رضی اللہ عنہ تو پھر بھی تیرا نواسہ ہے۔ یہ جواب سن کر عیسائی مناظر بہت شرمندہ ہوا اور اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔ مولانا مرحوم مزید فرمانے لگے پادری صاحب کچھ علم اور عقل کی باتیں کریں' یہ آپ کیا بچوں کی سی باتیں کر رہے ہیں۔ (صفحہ ۱۵۹)

ایک بار لاہور میں ایک آریہ مناظر نے بحث کرتے ہوئے طنزاً یہ بات کہ گوشت خوری سے شہوت بڑھتی ہے اور مسلمان چونکہ شہوت پرست ہیں' اس لئے گوشت کھاتے ہیں۔

مولانا نے یہ اعتراض سن کر اس مناظر کو آڑے ہاتھوں لیا' فرمانے لگے پنڈت جی! کچھ سوچ سمجھ کر بولو! مسلمان شہوت پرست ہیں یا آپ---؟ گوشت خور شہوت پرست ہوتا ہے یا دال خور؟ دیکھو شیر گوشت خور جانور ہے مگر اپنی مادہ کے پاس صرف ایک ہی بار جاتا ہے لیکن

چڑے چڑیا کو آپ نے دیکھا ہوگا دال خور ہیں مگر کتنے شہوت ران ہیں، مرغ مرغی بھی گوشت خور نہیں ہے، آپ کی طرح دال خور ہیں مگر کتنے شہوت پرست ہیں، ابھی مولانا اس طرح کی کچھ اور مثالیں دینا چاہتے تھے کہ پنڈت جی نادم ہو کر بول اٹھے میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔ (سیرت ثنائی: صفحہ ۱۷۰)

مولانا خادم سوہدری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ کچھ عرصہ ہوا اخبارات میں یہ بحث چھڑ گئی تھی کہ سب علماء کرام نے مرزا قادیانی پر کفر کا فتویٰ لگا رکھا ہے مگر مولانا ثناء اللہ نے کفر کا فتویٰ نہیں دیا، نہ اسے کافر کہا ہے۔ مولانا عبد الغنی صاحب خانپوری کا بیان ہے کہ میں یہی اعتراض ذہن میں لے کر مولانا ثناء اللہ صاحب کے پاس پہنچا اور اس کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا بھئی! میں تو مرزا قادیانی کو کافر کہنا لفظ کفر کی بھی توہین سمجھتا ہوں۔ (سیرت ثنائی صفحہ ۱۷۰)

مولانا ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی حاضر جوابی، برجستہ گوئی، مناظروں کی روئداد اور قادیانیوں کے خلاف تفصیلات کو سیرت ثنائی اور فتنہ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ میں تفصیل سے دیکھا جا سکتا ہے۔ مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ شیریں مقال اور خوش گفتار واعظ تھے، وہ دعوت و تبلیغ کے لیے برصغیر کے دور دراز علاقوں میں بھی جاتے تھے اور اپنی مسجد میں جمعہ کا خطبہ بھی ارشاد فرماتے، اس کے علاوہ اپنی مسجد میں نماز فجر کے بعد درس قرآن ارشاد فرماتے اور دوران درس ان کے ہاتھ میں لمبی سی چھڑی ہوتی تھی۔ اگر کسی کو اونگھ آ جاتی تو وہ اس سے ہلکا سا کچوکا دیتے۔ ان کے دروس اور خطبات جمعہ میں غیر مسلم بھی شریک ہوتے تھے، وہ ایک طرف ہو کر بیٹھ جاتے اور توجہ سے مولانا صاحب کے افکار عالیہ سے مستفید ہونے کی کوشش کرتے۔

انہیں کوئی بات پوچھنا ہوتی تو وہ بلا جھجک درس یا خطبہ جمعہ کے بعد پوچھتے اور مولانا بڑی متانت خلوص اور توجہ سے ان کے سوالات کے جواب دیتے۔

مولانا ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ اونچے مقام و مرتبے کے حامل عالم دین تھے اور برصغیر کے مذہبی اور سیاسی حلقوں میں انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ ۱۸۹۲ء میں کانپور کے جس اجلاس میں ندوۃ العلماء لکھنؤ کا قیام عمل میں آیا تھا، اس میں مولانا ثناء اللہ امرتسری بھی شامل تھے اور انہیں ندوہ کی کمیٹی میں شامل کیا گیا تھا اور اس کمیٹی کے یہ سب سے کم عمر رکن تھے۔

۱۹۱۹ء میں جمعیۃ العلماء ہند کا قیام عمل میں آیا' اس کے محرک اول بھی مولانا ثناء اللہ امرتسری تھے' سیاسی اعتبار سے آپ پہلے کانگرس اور پھر مسلم لیگ کے حامی رہے ۱۹۱۹ء جلیانوالہ باغ کے حادثہ کے بعد مسلم لیگ کا اجلاس مسیح الملک حکیم محمد اجمل خان کی صدارت میں امرتسر میں منعقد ہوا تھا جس کے صدر مجلس استقبالیہ مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ تھے اور انہوں نے اس موقع پر بڑا فصیح وبلیغ اور علمی خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ (چالیس علمائے اہل حدیث: صفحہ ۱۹۲)

جماعتی خدمات:

مولانا مرحوم اس خطہ میں دین اسلام کے بہت بڑے داعی' اسلام کے ترجمان اور جماعت اہل حدیث کے حدی خان تھے' انہوں نے جماعت اہل حدیث کی شیرازہ بندی اور تعمیر وترقی میں کلیدی کردار ادا کیا۔ ۱۹۰۶ء میں آرہ میں علمائے اہل حدیث کا ایک اجلاس ہوا' مولانا مرحوم بھی شریک مجلس تھے اور اس اجلاس میں برہندوستان میں جماعتی صورت حال کا جائزہ لیا گیا اور آخر کافی بحث وتمحیص کے بعد ''آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس'' کا قیام عمل میں آیا۔ مولانا عبداللہ غازی پوری کو کانفرنس کا صدر اور مولانا ثناء اللہ امرتسری کو ناظم اعلیٰ بنایا گیا۔ تشکیل کانفرنس کے بعد حسب قرارداد مولانا ثناء اللہ مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی اور مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ کی سرکردگی میں اس وفد نے ملک کے طول وعرض میں تبلیغی وتنظیمی دورے کیے۔ اہل حدیث احباب کو جماعتی تنظیم کی اہمیت سے آگاہ کیا اور اہل حدیث انجمنوں کے قیام کی تحریک دی پھر دیکھتے ہی دیکھتے میں اہل حدیث انجمنوں کا جال بچھ گیا۔

اخلاق وکردار:

مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ کو اللہ رب العزت نے بے پناہ اوصاف وکمالات سے بہرہ مند فرمایا تھا' وہ شگفتہ تحریریں لکھتے' میٹھی زبان بولتے' بڑے زندہ دل' شگفتہ مزاج' باغ وبہار اور مرنجا مرنج طبیعت کے انسان تھے' مہمان نوازی میں مثالی اور اخلاق وکردار میں عالی تھے' وہ چھوٹوں پر شفقت فرماتے' بڑوں کا ادب کرتے اور ہم عصر علماء کی تکریم بجالاتے یعنی جس قدر ان کا علم وسیع تھا' اسی قدر ان کے ظرف میں بھی وسعت تھی۔

مسٹر عبدالغفور المعروف غازی محمود دھرم پال جو ۱۹۰۲ء میں آریہ سماج میں چلے گئے تھے اور

۱۹۱۳ء کے لگ بھگ قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۹۳۰ء) کے ان جوابات کو پڑھ کر جوانہوں نے غازی صاحب کے سوالات پر ان کو دیئے تھے' دوبارہ مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے' وہ اپنے اخبار ''اندر'' کی دسمبر ۱۹۱۲ء کی اشاعت کے صفحہ ۹۲ پر لکھتے ہیں کہ میری گزشتہ ایک سال کی بے ایذا زندگی نے میرے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں بھی میرے لئے اس قدر محبت پیدا کر دی ہے کہ جب ان کو میری بیماری کا حال معلوم ہوا تو وہ جوق در جوق میرے پاس آنے لگے اور ان میں سے مولوی ثناء اللہ صاحب کا نام خاص کر قابل ذکر ہے۔

مولوی صاحب کے ساتھ تحریری دست پنجہ تو سالہا سال تک ہوتا رہا مگر روبرو ہونے کا غالباً یہ پہلا ہی موقع تھا' جس کو ایک مبارک موقع ہی سمجھنا چاہیے' خواہ وہ بیماری کی شکل میں ہی نمودار ہوا ہو۔ مولوی صاحب فطرتاً خوش مذاق اصحاب میں سے ہیں' اس لئے سمجھ لینا چاہیے کہ جہاں ایک طرف ''ترک اسلام'' اور تہذیب الاسلام'' بلکہ ''نخل اسلام'' کا مصنف بستر مرض پر پڑا ہو اور دوسری طرف ''تُرک اسلام'' اور تغلیب اسلام'' بلکہ ''تبرا اسلام'' کا مصنف اس کے سرہانے بیٹھا' اس کی تیمار داری کر رہا ہو وہاں اگر ملکوت السموت والارض بھی مسرت سے یہ شعر پڑھ رہے ہوں کہ ؏

شکر ایذد کہ میان من واوصلح فتاد
حو ریاں رقص کناں ساغر شکرانہ زدند

تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ اس سے پیشتر میرا یہ خیال تھا کہ مولوی ثناء اللہ جو احمدیہ فرقے کے ساتھ ملانوں (ملاؤں) جیسی فضول چھیڑ چھاڑ کرتا رہتا ہے' وہ ضرور کوئی ''کٹھ ملاں'' ہوگا اور یہی وجہ تھی کہ باوجود ان کے کوشش کرنے کے میں کبھی ان سے ملنا نہیں چاہتا تھا لیکن پہلی ہی ملاقات میں مجھے معلوم ہوا کہ مولوی ثناء اللہ ایک خوش مزاج' خوش مذاق' خوبصورت اور خوب سیرت جنٹل مین ہے اور قدرت نے اس کو ایک دلربا ادا دی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس ابن یعقوب کو دیکھ کر مجھے اپنے دل کو تھامنے میں بڑی دقت پیش آئی' وہ ہر تیسرے روز امرتسر سے میری خبر لینے کے لئے لاہور پہنچتے تھے۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کاروباری لحاظ سے بڑے آسودہ حال تھے۔ ۱۹۳۰ء میں انہوں

نے ثنائی برقی پریس لگایا جہاں ان کے رسائل وکتب بھی شائع ہوتے تھے اور دوسرے لوگوں کی چھپائی کا کام بھی کیا جاتا تھا' وہ بڑے فیاض' ہنس مکھ' خوش مزاج' خوش اطوار اور خوش گفتار تھے اور جس طرح ان کا ظاہر خوبصورت تھا؛ اسی طرح ان کا باطن بھی خوبصورت تھا۔

عبوست و یبوست سے کوسوں دور رہتے' ان کا ادبی ذوق نہایت نکھرا ہوا تھا' اپنی تحریروں' مناظروں مباحثوں اور تقاریر میں برمحل ایسے اشعار پڑھتے اور علمی لطائف بیان کرتے کہ سامعین وفور مسرت سے جھوم اٹھتے۔ مولانا محمد اسحٰق بھٹی صاحب نے ''بزم ارجمنداں'' میں مولانا کے حالات میں لکھا ہے کہ مولانا ثناء اللہ امرتسری بہت ہی خوش مزاج اور خوش طبع بزرگ تھے' ایک دن حاجی محمد اسحٰق حنیف نے بتایا کہ امرتسر میں اہل حدیث کی نماز عید کے امام خلیفہ عبدالرحمٰن تھے' جو زیادہ پڑھے لکھے تو نہ تھے لیکن نہایت پرہیزگار اور متقی بزرگ تھے۔

عید کے موقع پر وہ پنجابی میں تقریر کیا کرتے تھے اور عورتوں کو مخاطب کرتے تو ''او عورتو! سنو او عورتو سنو'' کہا کرتے تھے' ایک دن نماز کے بعد عید گاہ سے نکلتے ہوئے چند جوانوں نے انہیں روک لیا اور کہا آپ او عورتو' او عورتو' کہا کرتے ہیں' اس کے بجائے ماں بہنو کہا کریں' خلیفہ صاحب بقول حاجی محمد اسحٰق حنیف بعض الفاظ دو مرتبہ کہا کرتے تھے' نوجوانوں کی بات سن کر بولے ''سیانے دی گل سیانی' سیانے دی گل سیانی'' میں آئندہ ماؤں بہنو! ہی کہا کروں گا۔ اتنے میں مولانا ثناء اللہ امرتسری تشریف لائے اور نوجوانوں سے پوچھا خلیفہ صاحب سے کیا باتیں ہو رہی ہیں تو جو بات تھی تو وہ انہوں نے بیان کی تو اس پر مولانا ثناء اللہ امرتسری نے بانداز مزاح فرمایا تو تم خلیفہ صاحب کو گمراہ کر رہے ہو' ان عورتوں میں ان کی بیوی بھی موجود ہوتی ہے یہ ان کو ماؤں بہنو کیسے کہیں گے اور اگر کفارہ دینا پڑے تو کون دے گا؟

خلیفہ صاحب فوراً بولے ''عالم دی گل توں میں سمجھ گیا جتھے بیوی ہووے او تھے ماؤں بہنو! نہیں کہنا چاہیدا --- عالم دی گل عالمانہ' عالم دی گل عالمانہ۔'' مولانا امرتسری مسکراتے ہوئے آگے نکل گئے۔

مولانا ثناء امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ چلتے چلتے ہم بہت دور نکل آئے ہیں۔ اب ان کا زندگی کے آخری دور شروع ہوتا ہے' اس مرحلے پر انہیں کئی بڑے صدمات سے دوچار ہونا پڑا' تقسیم ملک

کے وقت ہندوؤں اور سکھوں نے آپس میں ملی بھگت سے مسلمانوں کا کھلے بندوں قتل عام کیا' ان کی املاک کو لوٹا بھی اور برباد بھی کیا اور اس کی زد میں مولانا ثناء اللہ مرحوم بھی آ گئے۔ سب سے پہلے مولانا مرحوم کا بیٹا مولوی عطاء اللہ جو کہ محلے میں ناگفتہ بہ حالات کے باعث حفاظت پر مامور تھا' اس نے سکھوں کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرمایا' بوڑھے والد کے لئے یہ بہت بڑا صدمہ تھا ابھی اس کا زخم تازہ ہی تھا کہ بلوائیوں نے مولانا کے کتب خانے کو نذر آتش کر دیا' اور جب آپ بے سروسامانی کے حالات میں اپنے اہل خانہ کو لے کر پاکستان کو روانہ ہوئے تو اس وقت ان کی جیب میں صرف پچاس روپے تھے۔

قارئین اندازہ کریں اس شخص پر کیا بیت رہی ہوگی جس کا تمام کاروبار تباہ ہو گیا' بیٹا بلوائیوں کے ہاتھوں موت کی آغوش میں جا سویا' ہزاروں روپیہ اور طلائی زیورات امرتسر میں ہی رہ گئے اور جس آدمی کا شمار امرتسر کے رؤسا میں ہوتا تھا' وہ اب تہی دست تھا اور اس سب کے باوجود وہ اللہ کی رضا پر راضی تھے۔

مولانا سب سے پہلے لاہور آئے' پھر گوجرانوالہ چلے گئے' چند ماہ وہاں قیام کر پائے تھے کہ ان کو ضلع سرگودھا میں پریس الاٹ ہو گیا چنانچہ پھر انہوں نے سرگودھا میں سکونت اختیار کر لی۔ ان کی زندگی کی ابتدا بھی نامساعد حالات اور عسرت سے شروع ہوئی تھی اور اس کا اختتام بھی اسی پر ہوا۔

لیکن زندگی کی ان نیرنگیوں کے باوجود نہ تو انہوں نے کسی کے آگے دست سوال دراز کیا اور نہ ہی جھوٹے کلیم داخل کئے' ہمیشہ اپنے مقام ومرتبے کو بلند رکھا' احباب نے اگر مجبور کر کے انہیں کچھ دینے کی کوشش بھی کی تو مولانا نے اسے مستحقین میں تقسیم کر دیا۔ وہ انتہائی متین ومتدین' متقی اور تقویٰ شعار انسان تھے اور مشتبہ چیزوں سے دامن کشاں رہتے تھے۔ مولانا مرحوم نے سرگودھا میں قیام پذیر ہو کر نئے عزم وہمت سے دعوت دین کی شمع کو روشن کرنے کا ارادہ کیا اور اپنے اخبار اہل حدیث کو شائع کرنے کا پروگرام بنایا ہی تھا کہ ان کی زندگی کی شام ہو گئی اور پے در پے صدمات اور عظیم کتب خانے کی تباہی نے ان کو جسمانی طور پر رنجیدہ وکمزور کر دیا تھا۔

فروری ۱۹۴۸ء میں ان پر فالج کا شدید حملہ ہوا' علاج معالجہ کے بعد ان کی صحت کچھ بہتر تو ہو گئی مگر آخر ۱۵ مارچ ۱۹۴۸ء کی صبح فرشتہ اجل پروانہ موت لے کر حاضر ہوا اور مولانا زندگی کی ۸۰

بہاریں بھر پور طریقے سے گزار کر فردوس بریں کو روانہ ہوئے اور اس کے ساتھ ہی برصغیر کی علمی، ادبی اور مذہبی تاریخ کے ایک زریں دور کا خاتمہ ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ان کی وفات پر برصغیر کے اخبارات و رسائل اور مشاہیر نے انہیں خراج تحسین پیش کیا تھا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان سے کچھ اقتباسات نقل کر دیئے جائیں۔

عالم اسلام کی عظیم شخصیت اور جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر نیپال کے مہتمم مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری (رحمہ اللہ) (وفات ۳۰ نومبر ۱۹۹۹ء) لکھتے ہیں اگر پوری دنیا کے اکابر علماء کسی ایک علمی مجلس میں ہوں اور بیک وقت عیسائیوں، آریوں، سناتن دھرمیوں، قادیانیوں، ملحدوں، شیعوں، منکرین حدیث اور بریلویوں غرض ہر فرقہ سے ایک ایک گھنٹہ مسلسل نو گھنٹے بحث و مذاکرہ کی نوبت آئے تو عالم اسلام کی طرف سے کون کون ہستیاں ہوں گی؟ مجھے نہیں معلوم لیکن پاکستان، ہندوستان، برما، لنکا، جزائر جاوا و سماٹرا کی طرف سے صرف ایک ہستی پیش ہوگی اور اسی ہستی کا نام ہے شیخ الاسلام حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ۔ (ندائے مدینہ کانپور شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۱۴، طبع ۱۹۴۹ء)

زمیندار اخبار کے ایڈیٹر مولانا ظفر علی خان نے لکھا مولانا ثناء اللہ کی وفات حسرت آیات سے دنیا سے حاضر جوابی ختم ہو گئی۔

اگر رات کو کوئی فرقہ اسلام کے خلاف پیدا ہو جائے تو مولانا ثناء اللہ صبح اس کا جواب دے سکتے ہیں۔ (امام العصر حافظ ابراہیم میر سیالکوٹی)

وہ عالم تھا محدث تھا زمانے کا
وہ ہر میدان کا غازی مجدد تھا زمانے کا

(مولانا نور حسین گرجاکھی)

آپ کو اگر خاتم المناظرین بھی کہہ دیا جائے تو شاید نامناسب نہ ہوگا۔

مولانا ثناء اللہ برصغیر ہند میں اسلام اور مسلمانوں کے سب سے بڑے وکیل ہیں۔

حضرت ابوالوفاء کی کتاب زندگی کے اوراق ملک کے گوشے گوشے میں بکھرے ہوئے ہیں۔ (امام خان نوشہروی)

اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف جس نے بھی زبان کھولی اور قلم اٹھایا، ان کے حملے کو روکنے

کے لئے ان کا قلم شمشیر بے نیام ہوتا تھا اور اسی مجاہدانہ خدمت میں انہوں نے اپنی عمر بسر کر دی' مرحوم اسلام کے بڑے مجاہد سپاہی تھے' زبان اور قلم سے اسلام پر جس نے بھی حملہ کیا' اس کی مدافعت میں جو سپاہی سب سے آگے بڑھتا وہ وہی (مولانا ثناءاللہ) ہوتے۔ اللہ تعالیٰ اس غازی اسلام کو شہادت کے درجات و مراتب عطا فرمائے۔ آمین (سید سلیمان ندوی یادرفتگاں صفحہ ۳۷۳)

یہ ایک ہلکی سی جھلک ہے۔ مولانا ثناءاللہ امرتسری رحمہ اللہ کے لیل ونہار کی جو انہوں نے اسلام کی نشر و اشاعت اور مسلک اہل حدیث کے فروغ میں بسر کئے' یہی وجہ ہے کہ ان کے نام اور کام سے آج ایک دنیا آگاہ ہے۔ جس طرح ان کی دینی' تبلیغی' تصنیفی اور اسلام کے دفاع کے لئے مناظرانہ سرگرمیوں کا دائرہ وسیع ہے تو اسی طرح ان کی حسنات کی فہرست بھی طویل ہے۔

دعا ہے کہ اللہ رب العزت انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

محمد رمضان سلفی

فتنہ قادیانیت
اور
مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ

فتنۂ قادیانیت
اور
مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سخن اوّلیں

الحمد لله الذی أنزل علی عبده الکتاب ولم یجعل له عوجا ـ فأکمل به دینه وأتم به نعمته وانقذ به من حفرة النار من کان علی شفا ـ والصلاة والسلام علی أفضل الخلیفة محمد الذی بعثه إلی الخلق أجمعین فأنهی به الرسل وختم به الأنبیاء ـ وهدی به من الضلالة وبصربه من العمی وفتح به أعینا عیا وآذانا صما وقلوبا غلفا ـ ثم ورث علیه من کل خلف عدوله ینفون عنه تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتأویل الجاهلین، وأولئك لهم الدرجات العلی ـ وجعل من رواد الدجاله وأشیاعه من ادعی النبوة والرسالة بعده، وأولئك هم الأشقیاء ـ أما بعد:

پیش نظر کتاب کا موضوع مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری رحمہ اللہ کے ان کارناموں اور خدمات کا تعارف ہے جو موجودہ صدی میں ملت اسلامیہ کے خلاف اٹھنے والی خطرناک ترین تحریک، قادیانیت کے ردو ابطال میں آپ نے انجام دی تھیں۔ قادیانی تحریک کیا ہے؟ اس کے ظاہری خدوخال کیا ہے؟ اور پس پردہ حقائق کیا ہیں؟ اس کی بھرپور اور مدلل تفصیلات خود قادیانی حوالوں کے ذریعہ ہم نے ایک علیحدہ تصنیف میں پیش کر دی ہیں۔ یہاں اصل موضوع سے پہلے ان کا صرف ایک اجمالی خاکہ پیش کیا جا رہا ہے۔ تاکہ مولانا کی خدمات کا پس منظر اور ان کی صحیح نوعیت واہمیت سمجھی جا سکے۔

قادیانیت کے باوا آدم مرزا غلام احمد قادیانی ہیں۔ جن کی پیدائش ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء میں ہوئی۔ [1] موصوف بچپن میں چڑیاں پھنسانے کے شوقین تھے۔ [2] دیگر کھیل کود سے بھی دلچسپی

---

[1] کتاب البریہ...... وروحانی خزائن...... [2] سیرۃ المہدی ص ۳۶ ج ۱

رکھتے تھے۔ ضدی مزاج تھے۔ بچپن ہی میں تعلیم کا آغاز ہو گیا تھا۔ تقریباً بیس سال کی عمر تک تحصیل عمر کیا۔ ۱۸۶۴ء میں اپنے والد کی پنشن کی ایک بھاری رقم لے کر فرار ہو گئے (سیرۃ المھدی ص ۴۴، ج ۱) اور پندرہ روپیہ ماہوار پر سیالکوٹ کچہری میں ملازمت اختیار کر لی چار سال بعد ۱۸۶۸ء میں مختاری کے امتحان میں بیٹھے لیکن فیل ہو گئے۔ اس ''حادثہ ناکامی'' سے بددل ہو کر ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ اور وطن واپس آ گئے۔ یہاں زمینداری اور مقدمہ بازی کے شغل میں ایک عرصہ گزارنے کے بعد ۱۸۷۷ء میں مذہبی اسٹیج پر نمودار ہوئے اور ایک مناظر اسلام کے روپ میں اسلام کی پرزور اور جذباتی وکالت کر کے عام مسلمانوں کو بہت جلد اپنی طرف مائل کر لیا۔ اسی دوران آپ نے تصوف کا روپ دھار کر مختلف حکمتوں اور تدبیروں سے خلق اللہ پر اپنی بزرگی و خدا رسیدگی کا سکہ بھی بٹھانا شروع کیا۔ پنجاب کی زمین اس مقصد کے لیے بڑی زرخیز ثابت ہوئی۔ چند برسوں میں آپ کا ایک وسیع حلقہ ارادت تیار ہو گیا۔ اب آپ نے پر پرزے نکالنے شروع کیے۔ اور ۱۸۸۴ء تک اپنے آپ کو مامور من اللہ، مجدد وقت اور اللہ کا الہام یافتہ قرار دیتے ہوئے مختلف نوع کے بہت سارے الہامات شائع کر دیے۔ یہی موقع تھا جب پہلی بار علمائے اسلام چونکے۔ اور انہوں نے محسوس کیا کہ مرزا صاحب اپنی ان کارروائیوں کے ذریعہ نبی بننے کی تیاری کر رہے ہیں۔ مگر مرزا صاحب نے ان کے اس قسم کے اندیشوں کی بڑی سختی کے ساتھ نفی کی۔ موصوف نے ختم نبوت کے عقیدہ پر بڑی پختگی کے ساتھ اپنے اٹل یقین کا اظہار کیا۔ اور اسے تسلیم نہ کرنے کو کفر قرار دے کر لوگوں کو تقریباً مطمئن کر دیا۔

اس کے بعد مارچ ۱۸۸۹ء میں مرزا صاحب نے اپنے دام افتادگان سے ایک دس نکاتی شرائط نامہ پر بیعت لے کر ایک باقاعدہ تنظیم کی داغ بیل ڈالی۔ اور اس تنظیم کو محکم بنیادوں پر استوار کر لینے کے بعد جنوری ۱۸۹۱ء میں اپنے مسیح موعود ہونے کا اعلان کر دیا اور ساتھ ہی ایک پانچ نکاتی منصوبہ بھی شائع کیا جس کا مقصد تنظیم کے افراد کے درمیان باہمی ربط والی نظام اور ''تبلیغی کوششوں'' کو مزید وسعت اور استحکام دینا تھا۔ پھر ۱۸۹۴ء میں آپ نے اپنے مہدی موعود ہونے کا بھی باقاعدہ اعلان کر دیا۔ اور آخرکار ۱۹۰۱ء میں نبوت و رسالت کا دعویٰ کر بیٹھے جس پر مرتے دم تک قائم رہے۔

مرزا صاحب کے دعوے ان ہی دائروں میں محدود نہ تھے۔ بلکہ آپ نے مختلف اوقات میں مختلف خدائی صفات کے بھی دعوے کیے۔ کبھی دعویٰ کیا کہ مجھے مارنے اور جلانے کی قدرت دی گئی ہے۔ کبھی کہا کہ میں نے آسمان وزمین پیدا کیے ہیں۔ کبھی ارشاد ہوا کہ میں تقدیر کا لکھنے والا ہوں۔ اور کبھی دوٹوک لفظوں میں فرمایا کہ میں بعینہٖ خدا ہوں۔ حد یہ ہے کہ اپنے آپ کو ابن مریم ثابت کرنے کے لیے ارشاد فرمایا کہ دو سال تک آپ پر نسوانی کیفیت یعنی صفت مریمیت طاری رہی۔ اس دوران آپ کو حیض بھی آیا۔ پردے میں نشو ونما ہوئی۔ اللہ سے ایک نہانی تعلق قائم ہوا۔ یعنی اللہ نے آپ کے ساتھ رجولیت کا اظہار فرمایا۔ اس تصرف سے آپ حاملہ ہوئے۔ اور پھر اپنے حمل سے آپ خود ہی پیدا ہو کر ابن مریم ہو گئے۔

ان دعوؤں کے ساتھ ساتھ مرزا صاحب اپنے پیروکاروں کو مسلمانوں سے بالکل الگ تھلگ اور جداگانہ امت بنانے کی تیاریاں بھی کرتے رہے۔ چنانچہ رفتہ رفتہ انہوں نے اور ان کی امت کے اکابر نے اپنا اللہ، رسول، کتاب، شریعت، عبادات، قانون، مناکحت، دین اور شعائر دین، مقامات مقدسہ تاریخی شخصیتیں، تقویم وکلنڈر، جنت ودوزخ اور سزا و جزا کا معیار سب کچھ مسلمانوں سے الگ کرلیا۔ اور وہ ہر حیثیت سے ایک جداگانہ امت بن گئے۔

اس پورے عرصہ میں علماء اسلام کے ساتھ تصادم کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ تاہم مرزا صاحب اپنے شعبدوں اور چلتر بازیوں کی بنیاد پر اپنے دام افتادوں کو اپنے پنجہ حیلہ وفن کے اندر جکڑے رہنے میں خاصے کامیاب رہے۔ مخالفین میں سے مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کا وار مرزا صاحب کے لیے سب سے زیادہ پر خطر اور صبر آزما ہوا کرتا تھا۔ اس لیے مرزا صاحب نے ۱۵/ اپریل ۱۹۰۷ء کو ایک طولانی اشتہار شائع کیا۔ جس کا خلاصہ یہ تھا کہ مرزا صاحب اور مولانا ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ میں سے جو جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی ہی میں ہلاک ہو جائے گا۔ اس اشتہار کے مطابق مرزا صاحب ۲۶/ مئی ۱۹۰۸ء کو انتقال کر گئے اور مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ اس کے بعد کوئی چالیس برس (مارچ ۱۹۴۸ء) تک زندہ رہے۔

مرزا صاحب کی تحریک جہاں اپنے ظاہری رخ کے لحاظ سے محض ایک مذہبی تحریک تھی۔ وہیں اپنی خفیہ سرگرمیوں اور بنیادی مقاصد کے لحاظ سے ایک خطرناک سیاسی تحریک تھی۔ یہ وہ

دور تھا جب برطانوی استعمار، عالم اسلام کے ایک بہت بڑے حصے پر مضبوطی کے ساتھ اپنا پنجہ گاڑ چکا تھا۔ اور بچے کھچے عالم اسلام کو اپنا پنجہ اقتدار میں جکڑنے کے لیے طرح طرح کی سازشوں کے تانے بانے تیار کر رہا تھا۔ لیکن ابھی مسلم حلقوں سے جہاد کے نعرے سنائی دے رہے تھے۔ یورپ کا ''مرد بیمار'' ترکی نئی طاقت وتوانائی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ سامراج کے زیر اقتدار مسلم ریاستوں میں آئے دن بغاوت کے لاوے پھوٹ رہے تھے، اور نہتے باغیوں کی مثالی جرأت وشجاعت اور بے نظیر فوجی کارناموں پر بڑے بڑے جرنیل اور کرنل انگشت بدنداں رہ جاتے تھے۔ ان کے جوش جہاد اور شوق شہادت کے لیے یہ تصور آگ پر تیل کا کام دے رہا تھا کہ ظہور مہدی اور نزول مسیح کا زمانہ قریب آچکا ہے۔ ان حالات کے پیش نظر انگریزوں کو اپنی جرأت وشجاعت اور فوجی حکمت عملی کے بجائے اپنی عیاری ومکاری اور روباہی وچالبازی پر زیادہ بھروسہ کرنا پڑ رہا تھا اور اس مقصد کے لیے انہیں مختلف قوموں کے مقابلے میں خود انہیں قوموں کے افراد آلہ کار کی حیثیت سے مطلوب تھے۔

ہندوستانی مسلمانوں کے مقابل میں انہوں نے اپنے لیے جس آلۂ کار کا انتخاب کیا تھا وہ تھے مرزا قادیانی اور احمد رضا خاں صاحب بریلوی۔ مرزا صاحب نے انگریزوں کے خلاف جہاد کو زبردست حرامکاری اور گناہ کبیرہ بتلایا۔ کسی جنگجو اور فاتح مہدی اور مسیح کی آمد کے تصور اور انتظار کو دماغی فتور قرار دیا۔ انگریزوں کی وفاداری وحمایت کو فریضہ شرعی ٹھہرایا اور ان مقاصد کی اشاعت کے لیے اس قدر لٹریچر شائع کیے جن سے ...... بقول ان کے ...... پچاس الماریاں پر ہوسکتی تھیں۔ پھر اپنی ان مساعی کو ہندوستان کی حدود تک محدود رکھنے کے بجائے عراق وعرب اور روم ومصر وشام تک پہنچا دیا اور اس طرح مسلمانوں کی ایک بہت بڑی جماعت کو انگریزوں کے لیے ہموار کر دیا اور اسی دوران اپنے پیروکاروں کو انگریزی گورنمنٹ کی ایسی جاں نثار فوج بنا دیا جس کا ظاہر وباطن جذبہ خیر خواہی ووفاداری سے ابھرا ہوا تھا۔

مرزا صاحب نے مسلمانوں کے خلاف جاسوسیاں کیں اور جذبہ ''بغاوت'' رکھنے والوں کی تفصیلات، رازہائے سربستہ کی طرح گورنمنٹ کی خدمت میں پیش کیں، دیگر مسلم ممالک میں بھی ان کے جاسوس سرگرم رہے۔ اسی جرم میں کابل کے اندر مرزا صاحب کی زندگی میں اور ان

کے بعد متعدد قادیانی سنگسار کیے گئے۔ ماریشیش کے مسلمانوں کے خلاف بھی ان کی ریشہ دوانیاں چلتی رہیں۔ جنگ عظیم اول کے دوران انگریزوں کو قادیانی امت مالی اور فوجی امداد دیتی رہی۔ پھر ان کی فتح اور عالم اسلام کے سقوط پر قادیان میں مثالی جشن منایا گیا۔ ہندوستان کی ہر سیاسی تحریک میں قادیانیوں نے مسلم دشمن موقف اختیار کیا۔ آزادی کے بعد پاکستان میں قادیانیوں نے فوج کے اندر اور باہر اپنا تسلط قائم رکھ کر وہاں کے عوام کو مسلسل اذیت پہنچائی۔ انہیں کچلنے اور ان کی حق تلفی کرتے رہے اور اپنے سامراجی آقاؤں کے اشارے پر ہمیشہ ایسے حالات برپا کرنے کے لیے کوشاں رہے جس سے ملک میں عدم استحکام بلکہ تباہی و بربادی اور شکست وریخت کی صورت رونما ہو۔ اور اس میں انہیں ایک حد تک کامیابی بھی ہوئی۔ ان کی سازش سے پاکستان کے دو ٹکڑے ہوئے پھر بچے ہوئے پاکستان پر قادیانی اقتدار مسلط کرنے کے لیے انہوں نے طرح طرح کی گھناؤنی سازشیں کیں۔ ہوائی فوج پر چھا گئے۔ بری اور بحری فوج کے کلیدی مناصب پر اپنے پنجے گاڑنے کی بھرپور کوشش کی۔ اور اس کے ساتھ ہی توڑ پھوڑ کا آغاز کر دیا۔ مسلمان چونکے اور ان کے عام مطالبے کے بعد پاکستانی پارلیمنٹ نے قادیانی عقائد کی مکمل تحقیق کر کے انہیں ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔

اسرائیل میں قادیانیوں کا ایک اہم مشن ہے جو ۱۹۵۶ء اور ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگوں میں اسرائیل کی حمایت اور عربوں کی مخالفت میں متعدد اہم اقدامات کر چکا ہے۔ عالم اسلام کو ہر ممکن طریق سے نقصان پہنچانا اور کمزور کرنا قادیانیوں کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے۔

یہ ہے قادیانیوں کی اصل تصویر، جس پر پردہ ڈال کر وہ بڑے معصومانہ انداز میں ناواقف مسلمانوں سے ملتے ہیں اور بہ سہولت شکار کر لیتے ہیں۔

چونکہ اپنی مستقل تصنیف میں ہم قادیانیت کی اس تصویر سے نقاب کشائی کر چکے ہیں اس لیے یہاں ان ہی چند اشارات پر اکتفا کر رہے ہیں۔ وباللہ التوفیق

صفی الرحمٰن الاعظمی یوم دوشنبہ

جامعہ سلفیہ۔ ریوڑی تالاب بنارس (یوپی)

۸ ربیع الآخر ۱۳۹۷ھ ۱۸ اپریل ۱۹۷۷ء

انتساب!

ملت اسلامیہ کی ان قد آور ہستیوں کے نام جنہوں نے ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین کہتے ہوئے رزم گاہ حیات میں قدم رکھا۔ اور اپنے خون جگر سے کشت اسلام کی آبیاری کرتے ہوئے اس نغمہ لازوال کے ساتھ اپنا نقوش جاوداں ثبت کر گئے کہ۔

حاصل عمر نثارے سر یارے کردم
خوشم از زندگی خویش کہ کارے کردم

شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ

حیات اور نقوش حیات

عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تاز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

شیخ الاسلام مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ ماضی قریب کی ایک ایسی عظیم اور عبقری شخصیت تھے جن کی نظیر خال خال ہی منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوتی ہے۔ آپ کو اللہ ذوالجلال نے علوم وفنون کے اندر گہری بصیرت، ژرف نگاہی، حزم وتدبر، مومنانہ فراست، دوراندیشی، معاملہ فہمی، جفاکشی، صبر وحلم، نرم گفتاری، شیریں کلامی، زورِ خطابت اور جولانی قلم کی بے پایاں خوبیوں کے ساتھ ساتھ ایک ایسے جوہر بے بہا سے بھی نہایت فیاضی کے ساتھ نوازا تھا جو آپ کو تمام ہمعصروں سے ممتاز کرتا تھا۔ اور یہ جوہر تھا شریعت مطہرہ کے حفظ ودفاع کے لیے اہل باطل کے پرفریب دلائل، دجل آمیز تحریفات اور جھوٹی اور غلط دعاوی کا ابطال واستیصال۔

پیدائش

آپ جون ۱۸۶۸ء (۱۲۸۷ھ) میں امرتسر کے اندر پیدا ہوئے آپ کا آبائی وطن ریاست کشمیر کے ضلع اسلام آباد (اننت ناگ) کا علاقہ ڈور تھا۔ آپ کے والد کا نام محمد خضر [1] تھا۔ وہ پشمینہ کے تاجر تھے۔ اور غالباً ۱۸۶۰ء سے امرتسر میں متوطن ہو گئے تھے۔

---

[1] الحدیث امرتسر ۱۴/ جون ۱۹۱۸ء ص ۱۳ پر مولانا کے والد کا نام محمد خضر ہی لکھا ہے۔ لیکن دیگر ماخذ ومقامات میں خضر جو لکھا ہوا ہے۔

خاندان

آپ کا خاندان کشمیری نسل برہمنوں کی ایک مشہور شاخ ''منٹو'' سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ شاخ کشمیری پنڈتوں کی دوسری مشہور شاخ ''نہرو'' کی طرح عزت واحترام سے دیکھی جاتی تھی۔ کسی ذریعہ سے یقینی طور پر یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ آپ کے آباء اجداد میں سب سے پہلے کس شخص نے اسلام قبول کیا۔ اور کب کیا؟

یتیمی اور رفو گری

مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ ابھی اپنی عمر کی ساتویں ہی منزل میں تھے کہ والد محترم کا سایۂ عاطفت اٹھ گیا۔ تھوڑے دنوں بعد تایا محمد اکرم بھی گزر گئے۔ جو کسی حد تک والد مرحوم کی وفات سے پیدا شدہ خلا پر کر رہے تھے۔ اب غربت وافلاس اور مسکینی وتنگدستی کی جو فضا پیدا ہوئی اس میں اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار ہی نہ رہا کہ آپ کو کسی نہ کسی کاروبار سے منسلک کر کے نان شبینہ کا انتظام کیا جائے۔ خیر سے آپ کے بڑے بھائی محمد ابراہیم [1] رفو گری کے فن سے واقف تھے انہوں نے آپ کو بھی اس فن سے روشناس کرادیا۔ اور پھر آپ ہمہ طور اسی کام میں مصروف ہوگئے۔

والدہ کی وفات

مولانا اپنی حیات مستعار کی چودھویں منزل سے گزر رہے تھے کہ امیدوں اور آرزؤوں اور رحمتوں اور شفقتوں کا آخری سہارا بھی ٹوٹ گیا۔ یعنی آپ کی والدہ محترمہ کی وفات حسرت آیات کا دلفگار حادثہ پیش آیا۔ [2]

---

[1] مولانا فرماتے ہیں: والد مرحوم کی اولاد ہم (تین بھائی ...... ابراہیم، صدیق، ثناء اللہ ...... ایک بہن) چار کس تھے۔ دونوں بھائی بے اولاد فوت ہوگئے۔ بہن کی اولاد لڑکی ہے جو اب تک (یعنی اگست ۱۹۳۸ء تک جبکہ مولانا نے یہ تحریر لکھی تھی۔ ص) زندہ ہے اور اولاد در اولاد بھی کافی رکھتی ہے۔

[2] یہ معلومات مولانا کی خودنوشت سوانح حیات مسلکہ اسلام و برٹش ''مطبوعہ مکتبہ ثنائیہ سرگودھا ص ۷۵ اور سیرت ثنائی ص: ۶۹، ۷۰، ۷۶، ۷۷ سے ماخوذ ہیں۔

سبب تعلیم

اسی سال آپ حسب معمول اپنے کام میں مصروف تھے کہ ایک عالم صاحب اپنا ایک گرم قیمتی چوغہ رفو کرانے لائے۔ آپ نے جب حسب وعدہ اسے رفو کر کے واپس دیا تو وہ صاحب آپ کی حسن کارکردگی سے بہت زیادہ متاثر اور مسرور ہوئے اور دیر تک تعریف کرتے رہے۔ اسی اثناء میں کچھ باتیں چھڑ گئیں۔ انہوں نے آپ سے کچھ سوالات کیے۔ آپ نے بالکل برجستہ اور نہایت معقول جوابات دیئے۔ وہ صاحب ششدر رہ گئے۔ اور دریافت کیا: صاحبزادے! تمہاری تعلیم کتنی ہے؟ یہ سوال سن کر آپ کے دل پر شوق میں ہنگامہ محشر بپا ہو گیا۔ بے مائگی اور مجبوری کے احساس کی شدت سے آنکھوں میں حسرت والم کے آنسو امنڈ آئے۔ اور آپ نے بڑی بے کسی کے ساتھ جواب دیا کہ میری تعلیم کچھ بھی نہیں ہے۔ ان صاحب نے ایک قدرداں جوہر شناس کی طرح آپ کو مشورہ دیا کہ کوشش کرو! کامیاب رہو گے۔

اس گفتگو نے مولانا کے سمند شوق فراواں اور ذوق جستجوئے بے پایاں کے لیے مہمیز کا کام دیا۔ اور آپ گردو پیش کی زنجیریں توڑ کر منزل مقصود کی طرف رواں دواں ہو گئے یعنی آپ نے رفوگری کے ساتھ ساتھ تعلیم کا سلسلہ بھی شروع کر دیا۔ گویا

ہے مشق سخن جاری ، چکی کی مصیبت بھی

درحقیقت قدرت کو یہ منظور نہ تھا کہ مولانا کا گراں مایہ وجود لوگوں کے پھٹے ہوئے کپڑے رفو کرنے کے لیے وقف ہو کر رہ جائے۔ بلکہ قدرت یہ چاہتی تھی کہ آپ کے سوزن حکمت سے ملت اسلامیہ کے دریدہ وچاک کردہ دامن رفو کرایا جائے۔ اس لیے فہم ودانائی کی منزل میں قدم رکھتے ہی علم وحکمت سے آراستہ ہونے کے اسباب بھی فراہم کر دیئے۔ ولما بلغ اشده اتینه حکما وعلما وکذالک نجزی المحسنین ٥

تعلیم اور رہ نوردی

آیئے! مولانا کے تحصیل علم کی روداد خود انہیں کی زبانی سنیں۔

آپ اپنی خودنوشت سوانح حیات میں لکھتے ہیں:

''چودھویں سال میں مجھے پڑھنے کا شوق ہوا۔ ابتدائی کتب فارسی پڑھ کر مولانا مولوی احمد اللہ صاحب مرحوم رئیس امرتسر کے پاس پہنچا۔ دستکاری (رفوگری) کا کام بھی کرتا رہا۔ اور مرحوم سے سبق بھی پڑھا کرتا۔ ''شرح جامی'' اور ''قطبی'' تک مولوی صاحب مرحوم سے پڑھیں۔ اس کے بعد بغرض تحصیل علم حدیث، استاد پنجاب مولانا حافظ عبدالمنان صاحب وزیر آبادی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہاں کتب درسیہ پڑھ کر سند حاصل کی۔ یہ واقعہ ۱۳۰۷ھ مطابق ۱۸۸۹ء کا ہے۔ اس کے بعد شمس العلماء مولانا سید نذیر حسین صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سند مذکور دکھا کر آپ سے اجازت تدریس حاصل کی۔ ❶ پھر سہارنپور چند روز قیام کر کے (۱۳۰۷ھ ہی میں) دیوبند پہنچا۔ وہاں کتب درسیہ معقول ومنقول ہر قسم کی پڑھیں۔ کتب معقول میں قاضی مبارک، میر زاہد، امور عامہ صدرا، شمس بازغہ وغیرہ، اور منقولات میں ہدایہ، توضیح، مسلم الثبوت وغیرہ، ریاضی میں شرح چغمینی وغیرہ بھی پڑھیں۔ اور دورۂ حدیث میں شریک ہوا۔ استاد پنجاب کا درس حدیث اور اساتذہ دیوبند کا درس حدیث ان دونوں میں جو فرق ہے۔ اس سے فائدہ اٹھایا دیوبند کی سند امتحان میرے لیے باعث فخر میرے پاس موجود ہے۔'' ❷

مسرت آمیز واقعہ

ایک واقعہ ایسا مسرت آمیز ہے کہ میں اپنی عمر کی کسی حالت میں نہیں بھولا۔ اور نہ بھول سکتا ہوں۔ بلکہ جب معاصرین کے نرغے میں دل تنگ ہوتا ہوں تو وہ واقعہ مجھے فوراً دل شاد کر دیتا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔

---

❶ اہلحدیث ۲۳ رجنوری ۱۹۴۲ء کے شمارے میں مولانا نے لکھا ہے ''اثنائے قیام دیوبند ہی میں میں نے حضرت میاں صاحب دہلوی مرحوم ومغفور کی خدمت میں حاضر ہو کر سند اجازت حاصل کر لی تھی۔'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میاں صاحب سے سند حاصل کرنے کا واقعہ پنجاب سے فراغت کے فوراً بعد کا نہیں ہے۔

❷ خودنوشت سوانح حیات ص: ۵۔۷، اہلحدیث امرتسر ۲۳ رجنوری ۱۹۴۲ء نور توحید ص: ۳۹، ۴۰۔

مدرسہ دیوبند میں ان دنوں حضرت مولانا محمود الحسن اعلی اللہ مقامہ مدرس اعلیٰ تھے۔ درس کی ہر کتاب پڑھتے ہوئے میں بے باکانہ جرأت سے اعتراض کرتا۔ مولانا مرحوم کا بہت وقت خاص مجھ پر خرچ ہوتا۔ جب میں نے آخری [1] ملاقات کر کے رخصت چاہی تو فرمایا:

''طلبا تمہاری شکایتیں بہت کرتے تھے کہ پوچھنے میں وقت بہت ضائع کرتا ہے۔ ہم کہتے تھے کوئی طالب علم پوچھنے والا ہو تو پوچھے۔ اس کے سوالوں میں صحیح سوال ہوں یا غلط، کچھ پوچھے تو سہی۔ تمہیں بھی خوش ہونا چاہیے جسے اللہ کچھ دیتا ہے اس کا حسد ہوتا ہے۔''

یہ سن کر میری آنکھیں آبدیدہ ہو گئیں اور اس شعر کا مضمون زبان پر جاری ہوا ؎

دیدہ ام در غنچگی چندیں جفائے باغباں
بعد گل گشتن نمیدانم چہ گل خواہد شگفت [2]

اللہ جانے یہ فقرہ اپنے اندر کیا صداقت رکھتا تھا کہ طالب علمی کے بعد زمانہ بلوغت علمی میں اس کا وہ اثر دیکھا کہ صاحب در مختار کا یہ شعر ہمیشہ ورد زبان رہا ؎

هم يحسدوني وشر الناس كلهم
من عاش في الناس يوما غير محسود [3]

آخری درسگاہ کانپور میں

دیوبند سے مدرسہ فیض عام کانپور گیا۔ کیونکہ ان دنوں مولانا احمد حسن مرحوم کے منطقی درس کا شہرہ بہت زیادہ تھا اور مجھے بھی علوم معقول اور منقول سے خاص شغف تھا۔ اس لیے میں مدرسہ

---

[1] مولانا امرتسریؒ نے یہ ملاقات فراغت کے بعد دیوبند سے رخصت ہوتے ہوئے ۱۱۔۱۲ بجے دوپہر کے درمیان کی تھی۔ اس وقت مولانا محمود الحسن صاحب اپنی مسجد کی جنوبی دیوار کے ساتھ تنہا بیٹھے ہوئے تھے۔ اور اسی موقع پر انہوں نے مولانا امرتسریؒ کی صلاحیت کی بابت اپنا وہ تاریخی تبصرہ ارشاد فرمایا تھا جسے مولانا نے نقل فرمایا ہے۔ دیکھیے اہلحدیث ۷ر نومبر ۱۹۲۴ء

[2] نور توحید، ص: ۴۰

[3] اہلحدیث امرتسر ۷ر نومبر ۱۹۲۴ء

فیض عام کانپور میں جا کر داخل ہو گیا۔ (کچھ شک نہیں مولانا مرحوم کا تبحر علمی واقعی قابل تعریف تھا) وہاں جا کر میں کتب مقروہ میں شریک ہوا اور قند مکرر کا لطف پایا۔ (مولانا احمد حسن مرحوم تھے تو بریلوی عقیدہ کے، مگر طلباء کے حق میں کوئی تقید پسند نہ کرتے تھے) انہی دنوں مولانا مرحوم کو حدیث پڑھانے کا تازہ تازہ شوق ہوا تھا۔ میں ان کے درس حدیث میں بھی شریک ہوا (وہاں کی تعلیم حدیث تیسری قسم کی پائی۔ غرض علم حدیث میں میں نے تین مختلف درسگاہوں سے فائدہ اٹھایا۔ خالص اہلحدیث، خالص حنفی، بریلوی عقیدہ) پنجاب میں مولانا حافظ عبدالمنان صاحب مرحوم (اہلحدیث مشرب) میرے شیخ الحدیث تھے، دیو بند میں مولانا محمود الحسن صاحب اور کانپور میں مولانا احمد حسن صاحب (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) استاد العلوم والحدیث میرے شیخ الحدیث تھے۔ اس لیے میں نے حدیث کے تینوں استادوں سے جو طرز تعلیم سیکھا وہ بالکل ایک دوسرے سے مختلف ہے جس کے ذکر کا یہ موقع نہیں۔ شعبان ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء میں فیض عام کانپور کا جلسہ ہوا۔ جس میں آٹھ طلبہ کو دستار فضیلت اور سند تکمیل دی گئی ان آٹھ میں سے ایک میں گمنام بھی تھا۔ [1]

نوٹ: اکابرین ملت نے فیض عام کانپور کے اسی جلسہ (۱۳۱۰ھ بمطابق ۱۸۹۲ء) میں مولانا لطف اللہ علی گڑھی کے زیر صدارت پہلی بار تحریک ندوۃ العلماء کی بنیاد رکھی تھی اور مولانا امرتسری رحمہ اللہ بھی اس تحریک کے ایک بنیادی رکن رکین کی حیثیت سے اس میں شریک ہوئے تھے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مولانا کو اپنے دور طالب علمی ہی میں علمی دنیا کے اندر کتنا بلند اور اہم مقام حاصل ہو چکا تھا۔

اس جلسۂ عام میں مولانا احمد حسن کانپوری نے آپ کو جو سند اجازت دی تھی اس میں آپ کی بابت جو الفاظ درج ہیں وہ بھی قابل دید ہیں۔ الفاظ یہ ہیں:

الماهر الكامل، والعالم الفاضل الذكى اللوذعى، اليهوف اليلمعى المولوى محمد ثناء الله قد غاص على فرائد اللألى فى ذالك اليم.

---

[1] خودنوشت سوانح حیات، ص: ۵۸۔ اہل حدیث ۲۳ رجنوری ۱۹۴۲ء، نور توحید، ص: ۴۱۔

وقد خاض للطب فوائد الجواهر في ذلك الخضم . ❶

(یعنی علمائے کرام کی لڑی میں جو لوگ منسلک ہوئے انہیں میں سے) ماہر کامل، عالم فاضل، زیرک وصاحب فہم رسا، روشن دل وبالغ نظر مولوی محمد ثناء اللہ بھی ہیں جنہوں نے انمول موتیوں کے لیے اس (علم) کے بحر بے پایاں میں غوطہ زنی کی اور فوائد علمی کے جواہر کی تلاش میں اس کی تہیں ٹٹولیں۔

فن طب کی تحصیل

درس نظامیہ کے علاوہ آپ نے علم طب بھی حاصل کیا تھا۔ اور اس میں خاصی مہارت رکھتے تھے لیکن چونکہ آپ نے اسے بحیثیت پیشہ اختیار نہ کیا اس لیے اس وصف کے ساتھ معروف نہ ہو سکے۔ فن طب میں آپ کے استاد حکیم فضل اللہ کانپوری تھے۔ ❷

اگرچہ فن طب کی تعلیم کا زمانہ کسی مستند ذریعہ سے متعین نہ ہو سکا۔ لیکن اس فن میں آپ کے استاد چونکہ کانپوری تھے، اس لیے اغلب یہی ہے کہ آپ نے یہ فن کانپور کے زمانۂ طالب علمی کے دوران حاصل کیا ہوگا۔

مشغلۂ تدریس

فراغت کے بعد پہلے پہل مولانا نے تدریس کا شغل اختیار فرمایا۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

"میری فراغت کا علم جب میرے استاد اوّل مولانا مولوی احمد اللہ صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کو ہوا تو انہوں نے از راہ شفقت مدرسہ تائید الاسلام امرتسر میں بعہدہ اول مدرس بلا لیا۔ یہاں پہنچ کر میں کتب عربیہ پڑھاتا رہا۔"

واضح رہے کہ مولانا احمد اللہ صاحب مدرسہ تائید الاسلام کی مجلس منتظمہ کے صدر تھے۔ موصوف نے مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی فراغت کے بعد براہ راست کانپور سے بلا کر صدر مدرسی کا منصب سونپا تھا۔ اور پہلا سبق جو ممبران مجلس منتظمہ کی موجودگی میں آپ کے

---

❶ نور توحید، ص: ۴۲۔ اس رسالہ کے ص ۴۱ تا ص ۴۳ پر پوری سند نقل ہے۔

❷ اہلحدیث ۲۳ر اکتوبر ۱۹۴۲ء ❸ نور توحید، ص: ۴۳

سامنے رکھا گیا وہ صحیح بخاری شریف کا تھا۔ ❶ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مولانا امرتسری رحمہ اللہ دور طالب علمی ہی میں علمی لیاقت کے کس مقام بلند تک رسائی حاصل کر چکے تھے اور آپ کے اساتذہ آپ کو کس قدر عزت و وقعت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

کوئی چھ برس بعد آپ مدرسہ تائید الاسلام امرتسر سے علیحدہ ہو کر مالیر کوٹلہ چلے گئے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

''اس کے بعد چند دنوں کے لیے ۱۸۹۸ء میں مالیر کوٹلہ کے مدرسہ اسلامیہ میں بعہدہ اول مدرس بلایا گیا۔ آخر وہاں سے پھر امرتسر چلا آیا۔'' ❷

مولانا عبدالمجید صاحب خادم سوہدروی مرحوم مصنف سیرت ثنائی کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ۱۹۰۰ء میں مالیر کوٹلہ سے علیحدگی اختیار کی تھی۔ ❸

مولوی فاضل

مالیر کوٹلہ سے امرتسر واپسی کے بعد آپ پر تصنیف و تالیف اور اسلام کے حفظ و دفاع کا شغل غالب آ گیا۔ اور اسی میں آپ نے اپنی عمر بسر کر دی۔ اسی دوران ۱۹۰۲ء میں آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان بھی پاس کیا۔ اور ایک مزید تمغۂ علم سے سرفراز ہوئے۔ ❹

اسلامی تبلیغ اور دینی دفاع کی ہمہ گیر جدوجہد

آغاز عمر ہی سے مختلف مذاہب اور مکاتب فکر کے عقائد و خیالات کا علم حاصل کرنا اور اسے فطرت کے اصول اور عقل و خرد کی کسوٹی پر پرکھنا آپ کا محبوب مشغلہ تھا اس لیے آپ نے اپنی تدریسی مصروفیات کے باوجود اہل باطل کی تردید کا بیڑہ اٹھالیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ملک کی بڑی بڑی علمی شخصیتوں سے آگے نکل گئے۔ آپ نے جس فضا میں آنکھ کھولی تھی اس میں اسلام کے تین دشمن اپنی پوری قوت کے ساتھ اسلام پر حملہ آور نظر آ رہے تھے۔

---

❶ ہفت روزہ اہلحدیث امرتسر ۹/ اکتوبر ۱۹۳۶ء ص: ۴
❷ نور توحید، ص: ۴۴
❸ دیکھیے سیرت ثنائی، ص: ۱۰۵
❹ نور توحید، ص: ۴۴

① آریہ: جو ماضی قریب کی پیداوار تھے، اور سرزمین ہند سے اسلام کا نام ونشان مٹا دینے کا حوصلہ رکھتے تھے۔

② عیسائی: جنہوں نے ۱۸۵۷ء میں مکمل سیاسی غلبہ حاصل کر لینے کے بعد اسلامی افکار وعقائد اور تمدن وثقافت کے خلاف انتہائی جارحانہ رویہ اختیار کر رکھا تھا۔ ان کے پادری ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک دندناتے پھر رہے تھے۔ اور ان کی تحریری اور تقریری جارحیت سے مسلم قوم بلبلا رہی تھی۔

③ قادیانی: جو سامراج کا خود کاشتہ پودا تھے اور جن کے سربراہ اکبر مرزا غلام احمد قادیانی کے تازہ بتازہ دعوائے مسیحیت سے اسلامی حلقوں میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ اور اس کے مریدوں نے اپنے انگریز آقاؤں کی شہ پر پورے ہندوستان میں طوفان برپا کر رکھا تھا۔

ان تین طبقوں کے علاوہ شیعہ، بدعتی اور اسلام سے نسبت رکھنے والے دوسرے چھوٹے بڑے متعدد فرقے تھے جنہوں نے اسلام کے دفاعی مورچے میں خانہ جنگی کی کیفیت برپا کر رکھی تھی۔

مولانا نے تحصیل علم سے فارغ ہوتے ہی میدان جہاد میں قدم رکھ دیا۔ اور زندگی بھر نہایت کامیابی کے ساتھ چومکھی لڑائی لڑتے رہے۔ چنانچہ سید سلیمان ندوی مرحوم رقم طراز ہیں۔

> ''اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف جس نے بھی زبان کھولی اور قلم اٹھایا ان کے حملے کو روکنے کے لیے ان کا (یعنی مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کا) قلم شمشیر بے نیام ہوتا تھا۔ اور اسی مجاہدانہ خدمت میں انہوں نے عمر بسر کر دی۔ فجزاہ اللہ عن الاسلام خیر الجزاء۔''

> ''مرحوم اسلام کے بڑے مجاہد سپاہی تھے۔ زبان اور قلم سے اسلام پر جس نے بھی حملہ کیا اس کی مدافعت میں جو سپاہی سب سے آگے بڑھتا وہ وہی ہوتے۔ اللہ تعالیٰ اس غازی اسلام کو شہادت کے درجات ومراتب عطا فرمائے۔''

> ''موجودہ سیاسی تحریکات سے پہلے جب شہروں میں اسلامی انجمنیں قائم تھیں، اور

مسلمانوں اور قادیانیوں اور آریوں اور عیسائیوں میں مناظرے ہوا کرتے تھے تو مرحوم مسلمانوں کی طرف سے عموماً نمائندہ ہوتے تھے۔ اور اس سلسلہ میں وہ ہمالیہ سے لے کر خلیج بنگال تک رواں اور دواں رہتے تھے۔" ❶

مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔

"میرے نزدیک اسلام کی صداقت وحقانیت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ثناء اللہ ایسا زیرک، معاملہ فہم، ذہین وفطین انسان اسلام کا علمبردار ہے اور یہ صداقت اسلام کا جیتا جاگتا، چلتا پھرتا معجزہ ہے۔" ❷

اسلامی دفاع کے سلسلے میں مولانا نے زبان وقلم کا سب سے زیادہ زور قادیانیوں، عیسائیوں اور آریوں کے خلاف صرف کیا۔ اس سلسلے میں آپ کی تگ ودو متعدد خانوں میں تقسیم کی جاسکتی ہے۔

① ...... جلسۂ عام میں آپ کی تقریریں ② ...... مناظرے

③ ...... کتابیں، رسالے، مجلات اور جرائد

④ ...... مختلف اداروں، انجمنوں اور تنظیمات کی تشکیل، رہنمائی اور نگرانی۔

جلسے اور تقریریں

جن جلسہ ہائے عام سے آپ نے خطاب فرمایا ان کی روداد تو درکنار صرف ان کی فہرست پیش کرنی بھی سخت دشوار ہے۔ ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے جس سے ان کی تعداد کا اندازہ لگایا جاسکے۔ مختصر طور پر اتنا کہا جاسکتا ہے کہ جماعت اہلحدیث کا کوئی بھی قابل ذکر جلسہ آپ کی شرکت کے بغیر ناقص سمجھا جاتا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اس وقت جماعت اہلحدیث کی تبلیغی سرگرمیاں شباب پر تھیں۔ کم از کم آپ کے پبلک خطابات کی تعداد آپ کے مناظروں کی تعداد سے یقیناً زیادہ رہی ہوگی۔ اور آپ کے مناظروں کی تعداد

---

❶ یادرفتگاں، ص: ۴۱۸۔۴۲۱ ❷ المنبر لائل پور ۱۴ر شعبان ۱۳۸۷ھ، ص: ۴۰

ایک ہزار سے متجاوز ہے۔ ❶

آپ ان پبلک خطابات میں جہاں اہل اسلام کو ہدایت ونصیحت فرماتے اور انہیں اسلام کی شاہراہ مستقیم پر پوری گرمجوشی کے ساتھ گامزن ہونے کی تلقین کرتے وہیں دشمنان اسلام کے باطل افکار وخیالات اور دعاوی ودلائل کی قلعی بھی کھولتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ایک طرف مسلمانوں کے دل سے مخالفین کے پیدا کیے ہوئے بہت سے شکوک ووسوسے دور ہوتے تو دوسری طرف خود بہت سے مخالفین اسلام بھی حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے۔

ان عام جلسوں کے علاوہ آپ اپنی مسجد میں روزانہ صبح کو درس قرآن دیا کرتے تھے۔ اور خطبہ جمعہ تو آپ کے فرائض منصبی میں داخل تھا۔ ان خطبوں، تقریروں اور درسوں میں آپ اسلامی تعلیمات کا ایسا مرقع پیش فرماتے تھے کہ پورا اسلام اپنی تمام تر رعنائی وزیبائی کے ساتھ جلوہ گر ہو کر سامنے آ جاتا تھا۔

مناظرے

تبلیغ حق اور ابطال باطل کی دوسری راہ مناظرے کی تھی۔ اور مناظرہ کی طرف مولانا کا رجحان ابتدائے عمر ہی سے تھا۔ مولانا عبداللہ ثانی، مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے ان ایام کی بابت لکھتے ہیں جب کہ انہوں نے رفوگری کے ساتھ ساتھ مولانا احمد اللہ صاحب کے یہاں تعلیم حاصل کرنے کا سلسلہ شروع کیا تھا۔

> ”مولانا محمد جمال مرحوم امرتسری رحمہ اللہ جو میرے استاد حدیث ہیں فرمایا کرتے تھے کہ ان دنوں میں قرآن مجید حفظ کیا کرتا تھا۔ اور مولوی ثناء اللہ (جو ابھی طالب علم تھے) گرجا گھر، بیرون دروازہ رام باغ میں جا کر پادری کی تقریر پر اعتراض کیا کرتے تھے۔ اور عوام دلچسپی سے سنا کرتے تھے۔“ ❷

جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں۔ آپ کے مناظروں کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے۔ تنہا

---

❶ سیرت ثنائی، ص: ۳۱۰ ❷ نور توحید، ص: ۳۹ (حاشیہ)

امرتسر میں آپ نے دوسو سے زیادہ مناظرے کیے۔ [1] لاہور کے مناظروں کی تعداد بھی سیکڑوں سے کم نہیں۔ [2] ظاہر ہے کہ اس سرسری تذکرے میں سرے سے اس طویل فہرست ہی کی گنجائش نہیں۔ چہ جائیکہ ان کی روداد قلمبند کی جائے۔ تاہم چند خاص خاص اور اہم مناظروں کا ایک اجمالی تذکرہ ہدیۂ قارئین ہے۔

آریوں سے مناظرے

① مناظرۂ دیوریا...... دیوریا، نیپال اور بہار سے متصل شمال مشرقی یوپی کا آخری ضلع ہے۔ یہاں ۱۹۰۳ء میں ایک ہفتہ تک مولانا نے آریوں سے بڑی دھوم دھام کے ساتھ مناظرہ کیا۔ آریہ فریق کو بڑی ذلت آمیز شکست ہوئی۔ مفصل روداد شائع شدہ ہے۔

② مناظرۂ نگینہ ضلع بجنور...... یہ مناظرہ ۵/جون سے ۱۴/جون (۱۹۰۴ء) تک دس روز کے لیے ہونا طے پایا تھا۔ اس کا اہتمام دیوبندی مکتب فکر کی طرف سے کیا گیا تھا اور اس میں مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے استاد مولانا محمود الحسن صاحب (شیخ الہند) سمیت وقت کے اکابر علمائے دیوبند موجود تھے لیکن بحکم۔

قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

بالاتفاق مولانا امرتسری رحمہ اللہ کو اہل اسلام کی طرف سے مناظر مقرر کیا گیا۔ دو آریہ مناظر تیسرے ہی دن بھاگ کھڑے ہوئے۔ پانچویں دن آخری آریہ مناظر نے بھی ہتھیار ڈال دیا۔ اور اہل اسلام کو فتح مبین حاصل ہوئی۔ متعدد آریہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

③ ۱۹۱۲ء میں ڈی۔ اے، دی کالج لاہور کے اندر ایک مناظرہ ہوا۔ آریوں کے صدر نے مولانا کی کامیابی اور اپنے فریق کی ناکامی کا اعتراف خود کیا۔

④ مناظرہ جلپور...... یہ مناظرہ ۳۱/مئی تا ۲/جون ۱۹۱۵ء ہوتا رہا۔ بڑا زبردست مناظرہ تھا۔ آریوں نے مولانا کی آمد کی خبر سنتے ہی آبرومندانہ طور پر مناظرہ سے بھاگنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن مسلمانوں نے انہیں گھیر کر میدان مناظرہ میں کھڑا کر ہی دیا۔ آریوں کو ایسی شکست فاش ہوئی کہ انہوں نے دوبارہ اس علاقہ میں سر نہیں اٹھایا۔

---

[1] سیرت ثنائی ... [2] ... ثنائی ...

⑤ ۱۹۱۷ء میں وچھوالی (لاہور) کے اندر مسئلہ طلاق پر ایک مناظرہ ہوا۔ آریہ مناظر نے استہزاء کی راہ اختیار کرنی چاہی مگر مولانا نے اسے ایسا آڑے ہاتھوں لیا کہ بیچارے کو جائے پناہ نہ مل سکی۔

⑥ لاہور ہی میں ایک دفعہ ایک اور مہاشے دھرمپال (آریہ) آپ کے مقابل آیا۔ مسئلہ زیر بحث گوشت خوری سے متعلق تھا۔ بیچارے کو ایسی شکست فاش ہوئی کہ اپنی غلطی کا اعتراف بھی کرنا پڑا۔ اور لوگوں کے بے مہابا قہقہوں کی دلخراش ضرب بھی سہنی پڑی۔

⑦ مناظرۂ ویلم ضلع مظفر نگر یوپی ...... ۱۵ر تا ۱۷ر مارچ ۱۹۱۸ء

⑧ مناظرۂ خورجہ ضلع بلند شہر یوپی ...... ۱۹ر تا ۲۱ر مارچ ۱۹۱۸ء

ان دونوں مناظروں میں آریوں کو شکست فاش ہوئی۔ خورجہ کے مناظرہ میں اکابر علمائے دیوبند مولانا انور شاہ کشمیری وغیرہ شریک تھے۔ لیکن سب نے بالاتفاق مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ ہی کو مناظر منتخب کیا۔

⑨، ⑩ ۱۹۲۰ء میں پنڈت دھرم بھکشو (آریہ) سے امرتسر میں دو دن مناظرہ ہوا۔ اور اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد اسی امرتسر میں ماسٹر آتما رام (آریہ) سے مناظرہ ہوا۔ ہر دو مناظروں میں آریوں کو بری طرح زک اٹھانی پڑی۔

⑪ ۱۹۲۱ء میں لاہور کے اندر پنڈت رام چندر مقابل آئے۔ اور منہ کی کھائی۔

⑫ مناظرۂ حیدر آباد سندھ ...... ۱۲ر تا ۱۷ر جنوری ۱۹۲۷ء۔ یہ نہایت ہی اہم اور عظیم الشان مناظرہ تھا۔ اس میں اہل اسلام کو ایسی شاندار کامیابی نصیب ہوئی کہ اس علاقے میں اس کی نظیر نہیں دیکھی جا سکی۔ (یاد رہے کہ سندھ میں مولانا نے متعدد مناظرے کیے تھے۔ یہ مناظرہ ان میں سے ایک تھا۔)

⑬ مناظرۂ وینا نگر ضلع گورداسپور پنجاب ...... بتاریخ ۳ر اگست ۱۹۳۶ء یہ مناظرہ نہایت دلچسپ اور بیک کرشمہ دو کار کا مصداق تھا۔ قادیانیوں نے شور مچا رکھا تھا کہ آریوں کو ہمارے علاوہ کوئی شکست نہیں دے سکتا۔ لیکن قادیانی حضرات انہیں شکست نہ دے سکے۔ مولانا امرتسریؒ نے انہیں شکست دی۔ اور اس طرح آریوں کی تردید بھی ہوئی اور قادیانیوں کی رسوائی بھی۔

⑭ مناظرۂ امرتسر ...... ۲۴ر مئی ۱۹۴۴ء۔ مولانا نے امرتسر میں مختلف فرقوں کے بالمقابل جو دو سو سے زیادہ مناظرے کیے یہ ان میں سے آخری مناظرہ تھا۔ اس مناظرہ میں خود آریہ مناظر نے مولانا کا غلبہ اور برتری تسلیم کی۔

عیسائیوں سے مناظرے

① مناظرۂ لاہور ......۱۹۱۰ء، اس میں فریق مقابل پادری جوالا سنگھ عیسائی تھا۔ اس نے اپنی ناکامی کا اعتراف خود کیا اور ایک پورا عیسائی خاندان مسلمان ہو گیا۔

② مناظرۂ ہوشیار پور......۶ رستمبر ۱۹۱۶ء، یہ مناظرہ خاصا دلچسپ تھا۔ عیسائیوں کے شیخ المنطق پادری جوالا سنگھ صاحب مناظر تھے۔ اور انہوں نے اپنا پورا سرمایۂ منطق داؤ پر لگا دیا تھا۔ لیکن نتیجہ حسرت و یاس کے سوا کچھ نہ رہا۔

③ مناظرۂ گوجرانوالہ......۲۷۔۲۸ رفروری ۱۹۲۶ء کو انجمن اہلحدیث گوجرانوالہ کا سالانہ جلسہ تھا اسی جلسہ میں پادری محمد سلطان پال سے مسئلہ توحید پر مناظرہ ہوا۔ پادری صاحب کی شکست فاش سے متاثر ہو کر عین جلسہ عام میں ایک عیسائی نے مسلمان ہونے کا اعلان کیا۔

④ مناظرۂ حافظ آباد ......۲۔۳ رستمبر ۱۹۲۸ء میں اس میں عیسائیوں کو اس بری طرح منہ کی کھانی پڑی کہ عرصہ دراز تک تلملاتے رہے۔

⑤ عیسائی مناظرین میں پادری عبدالخالق خاصا مشہور تھا۔ مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے متعدد مناظرے ہوئے۔ اور ہر مناظرے میں اسے منہ کی کھانی پڑی۔ ایک بار لاہور میں اس شخص کو مولانا کے بالمقابل ایسی شکست وندامت سے دوچار ہونا پڑا کہ اس نے عرصہ تک سر نہیں اٹھایا۔

⑥ مناظرۂ الہ آباد......۴۔۵ راگست ۱۹۳۵ء، اس میں عیسائی مناظر پادری عبدالحق تھا۔ وہ مولانا کی گرفتوں سے اس قدر بوکھلایا کہ اس نے خود کہہ دیا ”ہم الوہیت مسیح کے قائل نہیں۔“ نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائی صفوں میں کھلبلی مچ گئی۔ اور مسلمان اپنی شاندار فتح پر شاداں وفرحاں واپس ہوئے۔ یہ مناظرہ بڑا معرکہ خیز تھا۔ اور اس کے اثرات بہت دور دور تک ہوئے۔

شیعوں اور منکرین حدیث سے مناظرے

① مناظرۂ قادر آباد ضلع گجرات پنجاب (موجودہ پاکستان)......۲۸ راپریل ۱۹۱۴ء، یہ مناظرہ شیعوں کے بالمقابل تھا۔ اور نہایت دلچسپ تھا۔ شیعوں کو ایسی شکست فاش ہوئی کہ انہوں نے اس علاقے میں دوبارہ سر نہیں اٹھایا۔

② ۱۹۲۰ء میں لاہور کے اندر مسئلہ وراثت اور باغ فدک پر شیعوں سے مناظرہ ہوا۔

③ ۱۰؍ مارچ ۱۹۲۴ء کو منصور پور ضلع ہوشیار پور میں ''خلافت اصحاب ثلاثہ'' کے موضوع پر مناظرہ ہوا۔ ہر دو مناظروں میں شیعوں کو خاصی زک اٹھانی پڑی۔

④ تھوڑے دنوں بعد ۱۸؍ مئی ۱۹۲۴ء کو وار برٹن میں حنفیوں اور شیعوں کے درمیان مناظرہ ہونا طے پایا۔ حنفیوں نے مولانا امرتسری رحمہ اللہ کو اپنی طرف سے مناظرہ کرنے کے لیے مدعو کر لیا۔ شیعوں پر مولانا کی آمد کی خبر ہی سے بدحواسی طاری ہوگئی۔ اور بالآخر وہ اس بری طرح ناکام ہوئے، اور مولانا کے علم وفضل اور ورع وتقدس کا ایسا زبردست اثر ہوا کہ صرف شیعہ ہی نہیں بلکہ متعدد حنفی بھی اہلحدیث ہوگئے۔

⑤ ستمبر ۱۹۳۱ء میں مقام بھڑی شاہ رحمان، تحصیل وزیر آباد [1] پنجاب میں شیعوں سے ایک اور مناظرہ ہوا۔ اس میں شیعوں کے لیے مسئلہ ''تقیہ'' کا ایسا پردہ چاک ہوا کہ بیچارے پانی پانی ہوگئے۔

⑥ امرتسر میں منکرین حدیث سے متعدد مناظرے ہوئے اور ہر بار انہیں منہ کی کھانی پڑی۔ لاہوری منکرین حدیث کے سربراہ مولوی حشمت علی نامی ایک صاحب تھے۔ پہلے وہ الجھتے رہے لیکن بار بار ذلت وناکامی سے نادم ومایوس ہوکر خاموش ہو رہے۔ پھر امرتسری رحمہ اللہ منکرین حدیث کے پیشوا مولوی احمد الدین میدان میں آئے۔ کئی بار شکست کی خفت اٹھانے کے بعد جب سامنے آنے کی جرأت نہ رہی تو اخبارات ورسائل کے ذریعہ تحریری مباحثہ شروع کر دیا۔ لیکن مولانا کی گرفتوں سے زچ ہوکر بہت جلد قلم رکھ دینا پڑا۔ مولانا نے ہر چند کوشش کی کہ کسی طرح مباحثہ مکمل ہو جائے لیکن مولوی احمد الدین صاحب کی مہر سکوت نہ ٹوٹ سکی۔

---

[1] یہ مناظرہ بھڑی شاہ رحمان (حال تحصیل وضلع حافظ آباد) میں نہیں ہوا تھا بلکہ جتنی شاہ رحمان میں ہوا تھا۔ جو ضلع گوجرانوالہ کی تحصیل وزیر آباد کے حلقہ علی پور چٹھہ کے نواح میں ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ یہاں کے مستری فیملی کے ایک صاحب خادم محمد مناظرہ سوہدرہ سے متاثر ہوکر اہل حدیث ہوئے اور انہوں نے ہی یہ مناظرہ کروایا تھا۔ دراصل مولانا عبدالمجید سوہدری کی کتاب سیرۃ ثنائی ص ۴۳۸ میں کتابت کی غلطی سے جتی شاہ رحمان کی بجائے بھڑی شاہ رحمان شائع ہوگیا اور بعد کے سوانح نگاروں کو یہاں سے ہی غلطی لگی ہے۔ کتابت کی غلطی کی دلیل یہ ہے کہ مولانا سوہدری نے لکھا ہے، بھڑی شاہ رحمان متصل پنڈوریاں، حالانکہ بھڑی شاہ رحمان کے متصل کوئی گاؤں پنڈوریاں نہیں بلکہ جتی شاہ رحمان کے متصل پنڈوریاں گاؤں ہے، مزید برآں یہ کہ ہمارے والد صاحب اس مناظرے میں موجود تھے، وہ بھی جتی شاہ رحمان ہی بیان کرتے تھے، ابوصہیب محمد داؤد ارشد)

حنفیوں سے مناظرے

① حنفیوں سے خود امرتسر میں کئی مناظرے ہوئے۔ ایک مناظرہ مولوی خیر شاہ صاحب سے ہوا۔ جس میں دونوں فریق کے ججوں نے متفقہ طور پر مولانا امرتسری رحمہ اللہ کو فاتح قرار دیا۔

② ۱۸۹۹ء میں امرتسر ہی کے اندر ایک مناظرہ مولوی عبدالصمد صاحب حنفی (بریلوی) سے مسئلہ تقلید پر ہوا۔ احناف نے اپنی شکست کا رنگ دیکھا تو فساد شروع کر دیا۔ کچھ بااثر لوگوں نے شورش روک کر دوبارہ مناظرہ کرانے کی کوشش کی تو حنفی مناظر مولوی عبدالصمد صاحب بھاگ کھڑے ہوئے۔

③ انہی مولوی عبدالصمد صاحب حنفی سے ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۹۰۳ء میں امرتسر کے اندر مسئلہ علم غیب پر ایک مناظرہ ہوا۔ مولانا عبدالخالق حقانی حنفی فریقین کے مسلمہ جج تھے۔ انہوں نے اپنے فیصلہ میں نہایت صفائی کے ساتھ مولانا امرتسری رحمہ اللہ کو فاتح قرار دیا۔

④ اسی طرح لاہور کے اندر ایک بار انجمن نعمانیہ کے جلسے میں دیوبندی اور بریلوی علماء مناظرہ کے لیے تشریف لائے۔ شرائط مناظرہ پر بات طول اختیار کر گئی تو پولیس انسپکٹر نے مجمع منتشر کرنے کا حکم دے دیا۔ عین اسی وقت مولانا امرتسری رحمہ اللہ نمودار ہوئے۔ اور پولیس انسپکٹر سے اجازت لے کر بریلویوں کو للکارا۔ مگر انہیں مقابلے کی جرأت نہ ہوئی۔

⑤ ایک اور دفعہ اسی لاہور ہی میں مولوی حشمت علی بریلوی اور مولوی محمد منظور دیوبندی کے درمیان شرائط مناظرہ پر لے دے ہو رہی تھی کہ مولانا امرتسری رحمہ اللہ جا دھمکے۔ اور بریلویوں سے بلاشرط مناظرہ کے لیے کھڑے ہو گئے۔ مگر بیچاروں کو سامنا کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

⑥ ایک مناظرہ ۳؍مئی ۱۹۲۰ء کو فرقہ ناجیہ کے موضوع پر ہوا۔ بریلوی مناظر مولوی کرم دین کو شکست فاش اٹھانی پڑی۔

⑦ ۵؍اکتوبر ۱۹۲۰ء کو مقام بدھوآنہ ضلع جھنگ میں تقلید شخصی کے موضوع پر ایک بڑا ہی زبردست اور اعلیٰ پیمانے کا مناظرہ ہوا۔ جس کے نتیجہ میں [illegible]ر دور تک تقلید کی ساکھ اکھڑ گئی۔

⑧ ۲۸۔ ۲۹؍مارچ ۱۹۲۲ء کو انجمن اہلحدیث سوہدرہ کے سالانہ اجلاس کے موقع پر حنفی حضرات نے مناظرہ ٹھان دیا۔ لیکن ایک گھنٹہ بھی نہ گزرا تھا کہ بیچارے بھاگ کھڑے ہوئے۔ نتیجہ یہ

ہوا کہ سیکڑوں آدمی قراءۃ فاتحہ خلف الامام کے وجوب کے قائل ہو گئے اور مولوی سردار محمد واعظ پنڈوریاں اپنے رفقاء سمیت اہلحدیث ہو گئے۔

⑨ ۱۳۔۱۴۔۱۵ر نومبر ۱۹۲۲ء کو میر پور (ریاست جموں وکشمیر) کی انجمن اہلحدیث کے سالانہ جلسے میں ایک دلچسپ لطیفہ پیش آیا۔ بریلویوں نے اہلحدیثوں کو اس شرط کے ساتھ مناظرہ کا چیلنج دے رکھا تھا کہ اہلحدیث حضرات اپنا کوئی سند یافتہ عالم لائیں۔ عین مناظرہ کے وقت مبادیات طے ہو جانے کے بعد فریقین کو وکلاء کے سامنے سندیں پیش کرنی تھیں۔ مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے پنجاب، دہلی، سہارنپور، دیوبند، کانپور اور پنجاب یونیورسٹی کی سندیں پیش کر دیں۔ لیکن دوسرا فریق خود اپنی ہی پیش کردہ تجویز کے برخلاف کوئی سند نہ پیش کر سکا۔ اور یہ کہتا ہوا واپس ہوا کہ

بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے

⑩ ۳۔۴ر اپریل ۱۹۲۳ء کو چک رجاوی میں تقلید شخصی کے موضوع پر ایک مناظرہ ہوا۔ احناف کے صدر نے خود اپنی شکست کا اعتراف کیا۔

⑪ ۲۱۔۲۲ر دسمبر ۱۹۲۵ء کو پادرہ (ریاست بڑودہ، صوبہ گجرات) میں مولوی حشمت علی بریلوی سے تکفیر اہلحدیث کے موضوع پر مناظرہ ہوا۔ بیچارے مدعی تھے۔ ادھر دلیل لاتے، ادھر مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ اسے ہباءً منثوراً کر دیتے۔ آخر حشمت علی صاحب کو سخت ناکامی ونامرادی سے دوچار ہونا پڑا۔

⑫ ۵ر اکتوبر ۱۹۲۸ء کو جلال پور پیر والا ضلع ملتان میں جامعہ عباسیہ بہاولپور کے شیخ الجامعہ مولانا غلام محمد صاحب گھوٹوی سے رفع الیدین کے مسئلہ پر مناظرہ ہوا۔ مولانا مرتضیٰ حسن دیوبندی شیخ الجامعہ کے معاون تھے۔ خود حنفی جج نے مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کو فاتح قرار دیا۔

⑬ ۲۳۔۲۴ر ستمبر ۱۹۳۴ء کو انہیں شیخ الجامعہ صاحب سے تاندلیانوالہ (ضلع لائل پور) میں تقلید شخصی کے موضوع پر پھر ایک مناظرہ ہوا۔ اور شیخ الجامعہ کو اپنے موقف کی غلطی خود تسلیم کرنی پڑی۔ جس کے نہایت اچھے اثرات مرتب ہوئے۔

⑭ ۱۹۳۰ء میں لاہور کے اندر ایک مناظرہ مولوی ولی محمد جالندھری سے علم غیب کے موضوع پر

ہوا۔ مناظرہ کا رنگ دیکھ کر خود بریلوی طبقہ پکار اٹھا کہ اس مسئلہ میں وہابی سچے ہیں۔ [1]

یہ مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ہزار سے زائد مناظرات میں سے چند مناظروں کا اجمالی اور سرسری تذکرہ ہے۔ اس میں ہم نے قادیانیوں کے ساتھ ہونے والے مناظرات کا ذکر قصداً نہیں کیا ہے کیونکہ ان کا تعلق کتاب کے اصل موضوع سے ہے۔ لہٰذا ان کا ذکر کسی قدر تفصیل سے آئندہ صفحات میں کیا جائے گا۔

مناظرے کے باب میں آپ کو یہ خصوصی امتیاز حاصل رہا کہ ہر محاذ پر کامیابی آپ کی ہمرکاب رہی۔ اور آپ کا پرچم استدلال کبھی بھی اور کہیں بھی سرنگوں نہیں ہوا۔

تصانیف

مولانا کی تصانیف کے موضوع اور مقاصد بھی عموماً وہی تھے جو آپ کی تقریروں اور مناظرات کے تھے۔ آیئے آپ کی تصنیفات اور ان کے اسباب ومحرکات کا ذکر آپ ہی کی زبانی سنیں۔ ۲۳؍جنوری ۱۹۴۲ء کی خودنوشت سوانح حیات میں آپ رقم طراز ہیں:

> ''کانپور سے فارغ ہوتے ہی میں اپنے وطن پنجاب میں پہنچا۔ مدرسہ تائید الاسلام امرتسر میں کتب درسیہ نظامیہ کی تعلیم پر مامور ہوا۔ طبیعت میں تجسس زیادہ تھا۔ اس لیے ادھر ادھر سے ماحول کے مذہبی حالات دریافت کرنے میں زیادہ مشغول رہتا۔ میں نے دیکھا کہ اسلام کے سخت مخالف بلکہ سخت ترین مخالف عیسائی اور آریہ دو گروہ ہیں۔ انہیں دنوں قریب ہی قادیانی تحریک بھی پیدا ہو چکی تھی۔ جس کا شہرہ ملک میں پھیل چکا تھا۔ مسلمانوں کی طرف سے اس کے دفاع کے علمبردار مولانا ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی مرحوم تھے۔ میری طبیعت طالب علمی ہی کے زمانہ میں مناظرات کی طرف بہت راغب تھی اس لیے درس تدریس کے علاوہ میں

---

[1] مولانا کے اکثر مناظروں کا ذکر اخبار ''اہلحدیث'' امرتسر میں آ گیا ہے۔ بعض کتابی شکل میں چھپے ہیں۔ ہم نے اکثر کی کیفیت سیرت ثنائی ص ۳۱۲ تا ۳۶۵ سے اخذ کی ہے۔

ان تینوں گروہ (عیسائی، آریہ اور قادیانیوں) کے علم کلام اور کتب مذہبی کی طرف متوجہ رہا۔ بفضلہ تعالیٰ میں نے کافی واقفیت حاصل کر لی۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ ان تینوں مخاطبوں میں سے قادیانی مخاطب کا نمبر اول رہا۔ شاید اس لیے کہ قدرت کو منظور تھا کہ مولانا بٹالوی مرحوم کے بعد یہ خدمت میرے لیے سپرد ہوگی۔ جس کی بابت مولانا مرحوم کو علم ہوا ہو تو شاید یہ شعر پڑھتے ہوں گے۔

آ کے سجادہ نشیں قیس ہوا میرے بعد
رہی خالی نہ کوئی دشت میں جا میرے بعد

اس شغل میں میں نے چند علمائے سلف کی تصنیف سے خاص فوائد حاصل کیے۔ حدیث شریف میں قاضی شوکانی، حافظ ابن حجر اور ابن قیم وغیرہم کی تصانیف سے، علم کلام میں امام بیہقی، امام غزالی، اور حافظ ابن حزم علامہ عبدالکریم شہرستانی، حافظ ابن تیمیہ، شاہ ولی اللہ، امام رازی وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم کی تصانیف سے فائدہ اٹھایا۔

تصانیف کی پہلی شاخ، ردعیسائیت

دوران تلاش میں سب سے پہلی قابل توجہ کتاب پادری ٹھاکر دت کی تصنیف ''عدم ضرورت قرآن'' نظر آئی۔ جس کے جواب میں میں نے کتاب ''تقابل ثلاثہ'' (تورات، انجیل، قرآن کا مقابلہ) لکھی۔

عیسائیوں کی کتاب ''عدم ضرورت قرآن'' کے جواب کے علاوہ میں نے متعدد کتابیں ان کے جواب میں لکھیں۔ جن کے مجموعے کا نام جوابات نصاریٰ ہے۔ سب سے اخیر عیسائیوں کے جواب میں وہ کتاب ہے جس کا نام ہے ''اسلام اور مسیحیت'' عیسائیوں کی طرف سے اسلام کے خلاف تین کتابیں بطرز جدید شائع ہوئی تھیں۔ جن کے نام یہ ہیں۔

① ...... عالمگیر مذہب اسلام ہے یا مسیحیت؟

② ...... دین فطرت اسلام ہے یا مسیحیت؟

③ ...... اصول البیان فی توضیح القرآن۔

ان تینوں کے جواب میں ''اسلام اور مسیحیت'' لکھی گئی جو شائع شدہ ہے۔ جس نے شائع

ہونے کے بعد اسلامی جرائد سے خراج تحسین وصول کیا۔

دوسری شاخ، ردآریت

اسی اثناء میں آریوں نے کتاب ''ستیارتھ پرکاش'' کا اردو ترجمہ شائع کیا۔ جس کے چودھویں باب میں قرآن مجید پر ایک سوانسٹھ اعتراض ہیں۔ اور ہر ایک اعتراض کے ضمن میں کئی اعتراض ہیں، کتاب ستیارتھ کے شائع ہونے پر مسلمانوں کو ضرورت محسوس ہوئی کہ اس کا مکمل جواب دیا جائے۔ حسب قول حافظ شیرازی۔

قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

میں نے اس کے جواب میں کتاب ''حق پرکاش'' لکھی جو بفضلہ تعالیٰ ایسی مقبول ہوئی کہ اس کے بعد کسی فرقہ کسی عالم نے ''ستیارتھ پرکاش'' کے جواب کے لیے قلم نہیں اٹھایا۔ ذلک من فضل اللّٰہ۔ اس کے بعد ایک مسلم عبدالغفور نامی (نو آریہ دھرمپال) نے رسالہ ''ترک اسلام'' لکھا۔ اس کے شائع ہونے پر مسلمانوں کو بڑی بے چینی ہوئی۔ میں نے فوراً اس کا جواب بنام ''تُرک اسلام بر ترک اسلام'' شائع کر دیا۔ [1] جس سے مسلمانوں کو اسی قدر قلبی راحت حاصل ہوئی۔ جتنی مئی جون میں افطاری کے وقت روزہ دار کو ہوتی ہے۔ (اللہ قبول کرے۔)

اس کے بعد آریہ کی طرف سے ایک کتاب شائع ہوئی جس کا نام تھا۔ کتاب اللہ وید ہے یا قرآن؟'' اس کے جواب میں میں نے ''کتاب الرحمٰن'' لکھی۔

ابھی تھوڑا ہی زمانہ گزرا ہے۔ کہ آریوں نے ''رنگیلا رسول'' کے نام سے ایک کتاب شائع کی۔ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر سخت ناپاک حملے کیے۔ جس کی وجہ سے ملک میں اس سرے سے اس سرے تک آگ لگ گئی۔ مسلمان گویا متوالے پھرتے تھے کہ یہ کیا اندھیر ہے کہ ذات قدسی صفات پر ایسے حملے ہو رہے ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ کوئی عالم جواب نہیں

---

[1] یہ سلسلۂ بحث آگے بڑھا۔ دھرمپال نے ''تہذیب الاسلام'' لکھی۔ جس کا جواب مولانا نے ''تغلیب الاسلام'' کے نام سے چار جلدوں میں لکھا۔ پھر دھرمپال نے ''نخل اسلام'' لکھی۔ جس کا جواب مولانا نے ''تبر اسلام'' کے نام سے دیا آخر دھرمپال مسلمان ہو گیا۔

دیتا؟ بقول ۔

بلائیں زلف جاناں کی اگر لیں گے تو ہم لیں گے

اس کے جواب میں میں نے ''مقدس رسول'' لکھا۔ بفضلہ تعالیٰ یہ بھی ایسا مقبول ہوا کہ اس کے بعد کسی عالم نے ''رنگیلا'' کے جواب میں قلم نہیں اٹھایا۔ کیونکہ اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھی۔ نہ آریوں نے اس کا جواب الجواب دیا۔ ملک گجرات کے مسلمانوں نے گجراتی زبان میں اس کا ترجمہ شائع کیا ہے۔

اس ضمن میں آریوں کی طرف سے کئی ایک رسالے نکلے جن کے جوابات خاکسار کی طرف سے دیئے گئے، جو ملک میں شائع شدہ ہیں۔

(ان میں سے کچھ تصانیف کے نام یہ ہیں: حضرت محمد رشی، نماز اربعہ، سوامی دیانند کا علم وعقل، رجم الشیاطین بجواب اساطیر الاولین، شادی بیوگان اور نیوگ، الہامی کتاب، بحث تناسخ، ثمرات تناسخ، حدوث وید، جہاد وید، الہام، اصول آریہ، القرآن العظیم، نکاح آریہ)

تیسری شاخ، ردّ مرزائیت

تیسری شاخ میری تصانیف کی قادیان کے متعلق ہے اس کی تفصیل لکھوں تو ناظرین کے ملال خاطر کا خطرہ ہے۔ اس لیے مختصر طور پر بتلاتا ہوں کہ قادیانی تحریک کے متعلق میری کتابیں اتنی ہیں کہ مجھے خود ان کا شمار یاد نہیں۔ ہاں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ جس شخص کے پاس یہ کتابیں موجود ہوں قادیانی مباحث میں اسے کافی واقفیت حاصل ہو سکتی ہے۔ جس کا ثبوت خود مرزا صاحب بانئے تحریک قادیان کی اس تحریر سے ملتا ہے جو انہوں نے ۱۵/اپریل ۱۹۰۷ء کو شائع کی تھی۔ جس کا عنوان تھا۔ ''مولوی ثناء اللہ کے ساتھ آخری فیصلہ'' اس کے شروع ہی میں میری نسبت جو خاص گلہ وشکایت کی گئی ہے وہ خصوصاً قابل دید وشنید ہے۔ مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ

''مولوی ثناء اللہ نے مجھے بہت بدنام کیا۔ میرے قلعہ کو گرانا چاہا وغیرہ اس لیے میں دعا کرتا ہوں کہ ہم دونوں میں جو جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی میں مر جائے۔''

کوئی خاص وقت تھا جب یہ دعا ان کے منہ سے نکلی اور قبولیت اسے لینے آئی۔ آج قادیان کی بستی میں ادھر ادھر دیکھو رونق تو بہت پاؤ گے مگر ایسی کہ دیکھنے والا اہل قادیان کو مخاطب

کر کے داغ مرحوم کا یہ شعر سنائے گا۔

آپ کی بزم میں سب کچھ ہے مگر داغ نہیں
آج وہ خانہ خراب ہم کو بہت یاد آیا

نوٹ: قادیانی لٹریچر کے جمع کرنے اور واقفیت حاصل کرنے میں میں نے بڑی محنت کی۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ ایک مجلس میں مولانا حبیب الرحمٰن مرحوم مہتمم مدرسہ دیو بند نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ ہم لوگ تیس سال تک محنت کریں تو بھی اس بارے میں آپ کی واقفیت تک نہیں پہنچ سکتے۔ میں نے کہا: غالباً آپ کے حسن ظن اور تواضع ہے۔

(آپ کی تصانیف کی اس شاخ کا مفصل تعارف اگلے ابواب میں آ رہا ہے۔)

چوتھی شاخ، تفسیر نویسی

چوتھی شاخ میری تصنیفات کی تفسیر نویسی ہے۔ یوں تو میری سب تصنیفات قرآن ہی کی خدمت میں ہیں مگر خاص تفسیر نویسی سے بھی میں غافل نہیں رہا۔ روزانہ درس قرآن کے علاوہ پہلے میں نے ''تفسیر ثنائی'' غیر مسبوق طرز پر اردو میں لکھی۔ جو آٹھ جلدوں میں ختم ہو کر ملک میں شائع ہو چکی ہے اس کے تھوڑا عرصہ بعد، بلکہ ساتھ ساتھ ''تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن'' خاص طرز پر عربی میں لکھی۔ جس کی ملک میں خاص شہرت ہے۔

تیسری تفسیر موسومہ ''بیان الفرقان علی علم البیان'' عربی میں لکھنی شروع کی۔ جس کا ایک حصہ (سورہ بقرہ تک) شائع ہو چکا ہے۔ باقی زیر غور ہے۔

تفسیر کے متعلق چوتھی کتاب موسومہ ''تفسیر بالرای'' لکھی۔ اس میں تفسیر بالرای کے معنی بتا کر مروجہ تفاسیر وتراجم قرآن (قادیانی، چکڑالوی، بریلوی اور شیعہ وغیرہ) کی اغلاط پیش کر کے ان کی اصلاح کی گئی۔ اس کا بھی ایک حصہ چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔ باقی زیر غور ہے۔

افسوس مولانا کی دونوں آخر الذکر تفسیروں کے زیر غور حصے کثرت مشاغل کے سبب پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکے۔

پانچویں تفسیر آپ نے ''برہان التفاسیر'' کے نام سے لکھی۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے ایک رکوع کی صحیح اور جامع تفسیر رقم فرما دیتے۔ اس کے بعد دوسرے اصحاب تفسیر ...... خصوصاً

عیسائی اور کسی حد تک منکرین حدیث اور قادیانی حضرات ...... کی تفاسیر پر ...... جو درحقیقت قرآن کی تحریف ہوتیں نقد وتبصرہ فرماتے ...... یہ تفسیر کتابی شکل میں شائع نہیں ہوئی۔ البتہ ہفت روزہ اہلحدیث (امرتسر) میں ایک طویل عرصے تک اس کے اجزاء بالاقساط شائع ہوتے رہے۔

پانچویں شاخ، ردفرقہائے اسلامیہ

مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے اپنی تصانیف کی مذکورہ بالا چار شاخوں کے علاوہ مزید کسی شاخ کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ حالانکہ اسلام سے صحیح یا غلط نسبت رکھنے والے متعدد فرقوں (دیوبندی، بریلوی، شیعہ، رافضی، نیچری، منکرین حدیث وغیرہ) کی تردید میں آپ کی متعدد تصانیف موجود ہیں۔ جنہیں پانچویں شاخ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ بطور مثال چند کتابوں کے نام یہ ہیں۔ اہلحدیث کا مذہب، تقلید شخصی وسلفی، حدیث نبوی اور تقلید شخصی، علم الفقہ، آمین رفع یدین، فتوحات اہل حدیث، اجتہاد وتقلید، فقہ اور فقیہ، دلیل الفرقان، خلافت محمدیہ، عصمت النبی، رسوم اسلامیہ، اتباع الرسول۔

چھٹی شاخ، علمی وادبی تصانیف

اس شاخ میں مولانا کی خالص علمی، ادبی، اصلاحی، تبلیغی اور فنی تصانیف آتی ہیں۔ جنہیں آپ نے شبانہ روز کے مناظروں کی ہماہمی اور مباحثات کی گرما گرمی کے باوجود قلمبند فرمایا تھا۔ مثلاً: تعلیم القرآن، ادب العرب، التعریفات النحویہ، شریعت اور طریقت، السلام علیکم، ہدایت الزوجین، کلمہ طیبہ، عزت کی زندگی، خصائل النبی، حیات مسنونہ، اسلامی تاریخ، اسلام اور برٹش لاء، مائتہ ثنائیہ وغیرہ۔

جرائد ومجلّات

اسلام کی تبلیغی ضروریات اور اس کے حفظ ودفاع کے تقاضوں کی تکمیل کے لیے آپ نے دوسرا تحریری ذریعہ جرائد ومجلّات کے اجراء کی شکل میں اختیار فرمایا تھا۔ درسیات سے علیحدگی کے بعد جب آپ نے تصنیفی شغل اختیار کیا تو بہت جلد محسوس کیا کہ تنہا تصنیف کا کام بھی حالات کے تقاضوں کے مقابلہ میں ناکافی ہے اس لیے آپ نے اخبار جاری کرنے کا فیصلہ کیا اور مختلف اوقات میں تین پرچے جاری کیے۔

ہفت روزہ اہلحدیث امرتسر

یہ پرچہ ۲۳/شعبان ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۳/نومبر ۱۹۰۳ء کو ہفت روزہ کی شکل میں جاری ہوا۔ اور کوئی ۴۴ سال تک پوری باقاعدگی کے ساتھ شائع ہوتا رہا۔ درمیان میں ایک بار ایک مضمون کی وجہ سے حکومت پنجاب نے اس کی ضمانت ضبط کر لی۔ ضبطی کی اطلاع ۱۰/دسمبر ۱۹۱۳ء کو دی گئی اور آئندہ کے لیے دو ہزار کی ضمانت کا مطالبہ کیا گیا۔ اس لیے ۱۹/دسمبر سنہ مذکورہ کے شمارے کے بعد اس کی اشاعت ملتوی کر دینی پڑی۔ ۲/اپریل ۱۹۱۴ء کو مولانا نے دو ہزار روپے کی ضمانت داخل کی اور ۱۰/اپریل ۱۹۱۴ء سے اہلحدیث دوبارہ جاری ہو گیا۔ اس اثناء میں مولانا نے اس کی اشاعت بالکلیہ بند نہیں کی۔ بلکہ درمیان کے تین مہینوں میں سے جنوری ۱۹۱۴ء کے مہینے میں ''مخزن ثنائی'' کے نام سے دو شمارے اور فروری، مارچ کے دو مہینوں میں ''گلدستہ ثنائی'' کے نام سے چار شمارے پندرہ روزہ کی شکل میں شائع کیے۔ یہ شمارے ہر حیثیت سے اہلحدیث ہی کے شمارے تھے۔ صرف قانونی مجبوری کے تحت نام بدلا ہوا تھا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ چونکہ یہ بندش جابرانہ اور ظالمانہ تھی اس لیے مولانا کی کسی قسم کی تحریک کے بغیر اس معاملے کی آواز پارلیمنٹ آف لندن تک گونجی۔ اور تقریباً تمام اسلامی جرائد نے مولانا سے اظہار ہمدردی اور حکومت کے طرز عمل پر نفریں کیا۔

۱۹۱۹ء کے آغاز میں بھی پریس کی تبدیلی کے سبب چونکہ نیا ڈیکلریشن داخل کرنا پڑا۔ اور

اجازت نامہ کے حصول میں تاخیر ہوئی اس لیے ۷ اور ۱۵ر فروری ۱۹۱۹ء کے شماروں کی جگہ ''گلدستہ ثنائی'' کے نام سے دو ہفتوں کا ایک مشترک شمارہ شائع ہوا۔ پھر پریس ہی کی تبدیلی کے سلسلے میں ایک بار ۱۰ر اور ۱۷ر اگست ۱۹۲۳ء کے دو شمارے ''گلدستہ ثنائی'' کے نام سے یکجائی شکل میں شائع ہوئے۔

یہ ہفت روزہ (اہلحدیث) مدت العمر نہایت پابندی اور باقاعدگی کے ساتھ شائع ہوتا رہا۔ حتی کہ اگر کسی اہم ترین ضرورت کی بنا پر کسی ہفتے کی اشاعت کا ناغہ ہو جاتا تو اگلے ہفتے اس کی ضخامت دوگنا کر دی جاتی۔ وقت کی پابندی کا یہ عالم تھا کہ مشکل ہی سے ایک آدھ دفعہ ایک دن کے لیے موخر ہوا ہے۔ ورنہ عموماً تعطیلات وغیرہ کے مواقع پر ایک دن پہلے ہی پوسٹ ہو جاتا تھا۔ ہاں آزادیٔ ملک سے کچھ دنوں پہلے جب ۱۹۴۷ء کی سیاسی اتھل پتھل کے نتیجے میں ملک کے بیشتر صوبوں میں عموماً اور پنجاب میں خصوصاً فرقہ وارانہ فسادات نے نازک صورت اختیار کر لی۔ اور ۵ر مارچ ۱۹۴۷ء سے خود امرتسر میں بھی رہ رہ کر کشت وخون کا بازار گرم ہونے لگا تو جون وجولائی ۱۹۴۷ء کے شماروں کی اشاعت میں خاصا خلل پڑا۔ اور بالآخر یکم اگست ۱۹۴۷ء، مطابق ۱۳ر رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ کے شمارے کے بعد اس کی اشاعت بند کر دینی پڑی۔ اس کے بعد امرتسر اور پنجاب کے مسلمانوں کی طرح مولانا بھی تقسیم ہند کے مسئلہ سے پیدا ہونے والی مسلسل افتاد سے دوچار ہو کر ابھی اپنی ہجرت گاہ (سرگودھا پاکستان) میں قدم بھی نہ جما سکے تھے کہ وقت موعود آ پہنچا۔ اس لیے مزید کوئی اشاعت نہ ہو سکی۔

مولانا نے اس ہفت روزہ کی ادارت کے فرائض تاحیات انجام دیئے۔ صرف آپ کے سفر حج کے دوران ۳۰ر اپریل ۱۹۲۶ء سے ۲۷ر اگست ۱۹۲۶ء تک کے شماروں کی ادارت آپ کے صاحبزادے مولوی ابورضا عطاء اللہ صاحب نے کی۔ اور مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی اس مدت تک اس کے نگراں رہے۔

یہ ہفت روزہ کس جذبے کے تحت جاری کیا گیا تھا۔ اور اس نے کس قسم کی خدمات انجام دیں؟ اس کا ذکر بھی دو جملوں کے اندر مولانا ہی کے الفاظ میں سن لیجیے۔ لکھتے ہیں:

''جب مذہبی تبلیغ کی ضرورت روز مرہ بڑھتی نظر آئی، اور تصنیف کتب کا کام ناکافی

ثابت ہوا تو اخبار ''اہلحدیث'' جاری کیا گیا۔ جس میں ہر غلط خیال کی اصلاح کی جاتی ہے۔ ہر غیر مسلم کے حملہ کا جواب دیا جاتا ہے۔'' ❶

''یہ اخبار کیا ہے؟ مجمع البحرین ہے۔ یعنی دین و دنیا کا مجموعہ، جس میں ملکی، مذہبی، اخلاقی اور تاریخی مضامین کے علاوہ متفرق سوال و جواب، دینی فتاوے اور مخالفین کے اعتراضات کے جوابات درج ہوتے ہیں۔ غرض یہ اخبار توحید وسنت کا حامی، شرک وبدعت کا دشمن، مخالفین کے سامنے ڈھال کا کام دینے والا اور دنیا بھر کی چیدہ چیدہ خبریں بتانے والا ہے۔'' ❷

درحقیقت یہ ہفت روزہ اسلامی تعلیمات کی اشاعت اور باطل کی تردید وبیخ کنی کے سلسلے میں پورے ملک کے اندر اپنی مثال آپ تھا۔

ماہنامہ وہفت روزہ ''مسلمان'' امرتسر

جب اسلام دشمن فرقوں (عیسائی، ہندو، آریہ اور دیگر قوموں کے حملے اور اعتراضات اسلام اور اہل اسلام کے خلاف بہت زیادہ تیز ہو گئے۔ تو مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے خاص ان کی تردید اور جواب کے لیے یہ رسالہ ''مسلمان'' جاری کیا۔ یہ مئی ۱۹۰۸ء سے جاری ہوا۔ پہلے ماہنامہ تھا۔ اور رسالہ سائز پر چھپتا تھا۔ دو سال بعد ۷ رجون ۱۹۱۰ء کے شمارے سے ہفت روزہ ہو گیا۔ اور بڑے سائز (اخباری سائز) پر شائع ہونے لگا۔ مزید تین سال بعد جولائی ۱۹۱۳ء سے آپ نے اس کی ادارت اور ملکیت کے حقوق منشی علم الدین صاحب امرتسری رحمہ اللہ کی طرف منتقل کر دیئے۔ مگر منشی صاحب اسے زیادہ عرصے تک نہ سنبھال سکے۔ اور اس کی اشاعت بند کر دی۔

ماہنامہ مرقع قادیانی

۱۵ راپریل ۱۹۰۷ء کو مرزا صاحب قادیانی نے جب اپنے اور مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے درمیان آخری فیصلہ والا اشتہار شائع کیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ کاذب، صادق کی زندگی ہی میں مر جائے گا۔ تو مولانا امرتسری رحمہ اللہ کا جوش جہاد اور بڑھ گیا۔ اور آپ نے خاص قادیانیت کی

---

❶ اہلحدیث ۲۳ رجنوری ۱۹۴۲ء ص: ۵ ❷ عام اشتہارات متعلقہ ''اہلحدیث''

تردید کے لیے جون ۱۹۰۷ء سے ''مرقع قادیانی'' نام کا ایک مستقل ماہنامہ رسالہ شائع کرنا شروع کر دیا۔ خدائی فیصلے کے مطابق سال بھر بعد ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو جب مرزا صاحب (کاذب) مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ (صادق) کے جیتے جی وفات پا گئے تو اس رسالے کی چنداں حاجت نہ رہی۔ اس لیے اکتوبر ۱۹۰۸ء تک کے شمارے شائع کرنے کے بعد اس کی اشاعت بند کر دی گئی۔

۲۲۔۲۳ برس بعد جب قادیانیوں میں پھر تیزی آئی تو مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے اپریل ۱۹۳۱ء سے ''مرقع قادیانی'' کی اشاعت دوبارہ شروع کر دی۔ لیکن اپریل ۱۹۳۳ء کا شمارہ شائع کر کے اس ماہانہ کی اشاعت پھر بند کر دی۔ کیونکہ قادیان سے شائع ہونے والے مواد کی تردید کے لیے اہلحدیث کے صفحات کافی تھے۔

ملی اور اجتماعی کارنامے

ملی حفظ و دفاع اور دینی خدمات کے سلسلے کی ایک کڑی مولانا کے وہ کارنامے بھی ہیں جنہیں آپ نے مختلف اداروں اور تنظیمات کی تشکیل کی شکل میں، یا تشکیل شدہ اداروں میں سرگرم حصہ لینے کی شکل میں انجام دیئے تھے۔ ذیل میں ہم اس قسم کے اداروں اور تنظیمات کی سرسری نشان دہی کر رہے ہیں۔

آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس

جیسا کہ معلوم ہے جماعت اہل حدیث کے مجاہدین چمرقند اور اسمس کے مراکز میں اگرچہ ایک خاص نظم کے ساتھ اپنی بساط کے مطابق اپنی مجاہدانہ سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے تھے۔ لیکن اندرون ملک جماعتی تنظیم کی کڑیاں رفتہ رفتہ بکھرتی جا رہی تھیں۔ بہت سارے شعبوں میں جماعتی سرگرمیاں ختم ہو چکی تھیں۔ یا چھوٹے چھوٹے دائروں میں بٹ گئی تھیں۔ اس صورت حال کے مدنظر جماعت کے اکابر علماء نے آرہ کے ایک اجلاس منعقدہ ۶ ذی قعدہ ۱۳۲۴ھ، ۲۲ دسمبر ۱۹۰۶ء میں اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر بڑے سوز کے ساتھ غور و فکر کیا۔ مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف یہ کہ شریک مجلس تھے۔ بلکہ اس غور و فکر کے داعیوں اور محرکوں میں سے

تھے۔آخر کار کافی بحث وتمحیص کے بعد اس عظیم الشان ادارہ کی تشکیل عمل میں آئی جو ماضی قریب تک ''آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس'' کے نام سے معروف تھا۔ اور اب ''مرکزی جمعیۃ اہلحدیث ہند'' کہلاتا ہے۔

اس ادارے کے پہلے صدر آیۃ من آیات اللہ حضرت مولانا حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری رحمۃ اللہ علیہ قرار پائے۔ اور نظامت کے لیے مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کا انتخاب عمل میں آیا۔ تشکیل کانفرنس کے بعد حسب قرار داد مولانا امرتسری نے، مولانا عبدالعزیز صاحب محدث رحیم آبادی کی سرکردگی اور مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں ملک کے طول وعرض کا دورہ کیا۔ کانفرنس کے مقاصد کی تبلیغ وتوضیح کی۔ جماعتی تنظیم کی دعوت دی۔ اور انجمنوں کے قیام کی تحریک کی۔ جس کے نتیجہ میں ملک کے اندر دیکھتے ہی دیکھتے انجمنوں کا جال بچھ گیا۔ اور یہی انجمنیں اس وقت دینی واجتماعی سرگرمیوں کا سب سے اہم ترین مقامی مرکز تھیں۔

مولانا کے ہفت روزہ اخبار اہلحدیث امرتسر کی فائلوں کی ورق گردانی سے اندازہ ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ اہلحدیث انجمنوں کا قیام پنجاب کے اندر عمل میں آیا تھا۔ اور وہی سب سے زیادہ سرگرم وفعال بھی تھیں۔ قرب مکانی کی وجہ سے مولانا کو بار بار حاضر ہونے اور بالمشافہ گفتگو کرنے کے بھی مواقع زیادہ مہیا تھے۔ شاید یہ ایک چیز بھی مؤثر رہی ہو۔ ویسے ملک کے دیگر حصوں کی انجمنیں بھی کچھ کم فعال نہ تھیں۔ یہ انجمنیں آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس سے منسلک تھیں۔ صوبہ پنجاب میں مولانا نے صوبائی پیمانے پر ان انجمنوں کو ایک نظم میں منسلک کرنے کے لیے ایک ''صدر انجمن اہلحدیث پنجاب'' بھی قائم کی تھی۔

آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کے زیر اہتمام بالعموم ہر سال کل ہند پیمانے پر سہ روزہ اجلاس عام ہوا کرتا تھا۔ جسے اس وقت کی ملکی فضا میں تبلیغی حیثیت سے بہت ہی زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ اس قسم کے اجلاس کی روح رواں کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کل ہند پیمانے کے اجلاس کے علاوہ صوبائی، ضلعی، علاقائی اور مقامی جلسوں کی بھی ہماہمی رہتی تھی۔ نشر واشاعت کا کام بھی اچھے پیمانے پر ہو رہا تھا۔ اور کانفرنس کے ماتحت مبلغین ودعاۃ کی پوری ایک ٹیم تھی جو دین اسلام کی سربلندی کے لیے گردش پیہم میں مبتلا رہتی تھی۔

اس کانفرنس کی بدولت پورے ملک کی جماعت ایک محور پر گردش کر رہی تھی، اور مولانا کا ذاتی ہفت روزہ ''اہلحدیث'' اس کے ترجمان بلکہ سرکاری آرگن کا رول ادا کر رہا تھا۔

ملک کے بدلے ہوئے سیاسی اور اجتماعی حالات کے مدنظر جماعت اہلحدیث کے لیے ایک امیر کے انتخاب کا مسئلہ پیش آیا۔ اور ''اہلحدیث'' کے ذریعہ مسلسل تبادلہ خیال اور بحث وتمحیص کے بعد ۱۷ ربیع الاول ۱۳۴۰ھ مطابق ۲۰/ اکتوبر ۱۹۲۱ء کو مسجد مبارک اہلحدیث متصل اسلامیہ کالج لاہور میں ایک نمائندہ جماعتی اجتماع ہوا۔ جس میں آپ کو امیر جماعت منتخب کر لیا گیا اور آپ کانفرنس کی نظامت کے ساتھ ساتھ جماعت کی امارت کے اس منصب پر بھی تاحیات قائم رہے۔

تحریک ندوۃ العلماء میں شرکت

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے تحریک ندوۃ العلماء جو ملت کا شعور خفتہ بیدار کرنے اور علمی جمود توڑنے کے لیے آپ کی فراغت کے سال (۱۸۹۲ء میں) کانپور کے اسی اجلاس کے اندر وجود پذیر ہوئی تھی، جس میں آپ کی دستار بندی ہوئی تھی۔ اس تحریک کے آٹھ بنیادی اراکین میں سے ایک آپ بھی تھے اور صغر سنی کے باوجود اپنی خوبیوں اور کمالات کی وجہ سے نہ صرف نمایاں مقام رکھتے تھے بلکہ کچھ عرصہ بعد جب اس تحریک کے حاملین میں شدید ترین اختلاف پھوٹ پڑا اور دو متحارب دھڑے وجود میں آ گئے تو صرف مولانا امرتسری رحمہ اللہ ہی کی شخصیت ایسی تھی جس کی قیادت پر دونوں فریق متفق ہو سکے۔ ۱۰/ مئی ۱۹۱۴ء کی صبح ۸/ بجے ندوہ کے اختلافات کے حل اور بگڑے ہوئے احوال کی اصلاح کے لیے دہلی میں ایک مخصوص جلسہ تھا۔ وقت سے ذرا پہلے حاذق الملک حکیم اجمل خاں نے مولانا کو یہ اطلاع دی کہ جلسہ کی صدارت کے لیے آپ کا نام منتخب ہوا ہے۔ مولانا نے صدارت کی مشکلات کا احساس کرتے ہوئے کہا۔ ''کیا میں اس کا اہل ہوں'' حکیم صاحب نے فرمایا ''ہاں'' دوران جلسہ بیشتر اراکین تحریک نے توقع سے زیادہ شور وہنگامہ برپا کرنے کی کوشش کی۔ لیکن مولانا کی کمال دور اندیشی اور حزم ودانائی کی وجہ سے نظم وضبط اچھی طرح برقرار رہا۔ اس صورت حال سے حکیم اجمل خاں صاحب نے متاثر ہو کر ایک مخصوص مجلس میں فرمایا تھا۔

''ہمیں آپ سے (انتظام کی) توقع تھی مگر اتنی نہ تھی جتنی کہ ظہور پذیر ہوئی۔ ایسا ہی فساد کی بھی اتنی توقع نہ تھی جتنی کہ ہوئی۔''

اس جلسہ میں اندوہ کے اصلاح احوال کے لیے عمائدین قوم کی ایک گیارہ رکنی اصلاحی کمیٹی کی تشکیل بھی عمل میں آئی جس کے ایک رکن رکین خود مولانا امرتسری رحمہ اللہ بھی تھے۔ [1]

جمعیۃ العلماء کی تشکیل

جنگ عظیم اول (۱۹۱۴ء/ ۱۹۱۸ء) کے نتیجہ میں جب ملک نے کئی سیاسی کروٹیں لیں اور طرح طرح کی اتھل پتھل شروع ہوئی تو مولانا نے محسوس کیا کہ اس وقت ہندوستان کی ملت اسلامیہ کو ایسی متحدہ اور اجتماعی قیادت کی سخت ترین ضرورت ہے جو دینی وسیاسی بلکہ ہر شعبۂ زندگی میں مکمل رہنمائی کر سکتی ہو اور اگر اس میں لیت ولعل سے کام لیا گیا تو اندیشہ ہے کہ ''یک لحظہ غافل بودم وصد سالہ راہم دور شد'' کا معاملہ پیش آ جائے گا۔

اس احساس کے تحت آپ نے ۱۹۱۷ء میں ہر فرقے کے علماء کی ایک جمعیۃ تشکیل دیئے جانے کی تحریک کی۔ آپ کی تحریک پر مجلس منعقد ہوئی۔ لوگوں نے اپنے اپنے نقطۂ نظر پیش کیے۔ ووٹنگ ہوئی لیکن ایک دورائے کی کثرت کے سبب یہ تجویز رد کر دی گئی۔ مگر مولانا اس صورت حال سے نہ مایوس ہوئے۔ نہ بددل، تگ ودو جاری رکھی۔ اپنا نقطۂ نظر واضح کرتے رہے اور لوگوں سے رابطہ قائم رکھا۔ یہاں تک کہ آپ کی تحریک پر ۱۹۱۹ء میں پھر ایک مجلس منعقد ہوئی۔ جس کا مقام انعقاد شہر دہلی تھا۔ اس مجلس میں کثرت رائے سے جمعیۃ العلماء کی تشکیل عمل میں آ گئی۔ آپ نے اپنے شہر امرتسر میں اس کا پہلا اجلاس مدعو کیا۔ چنانچہ دسمبر ۱۹۱۹ء میں مفتی کفایت اللہ صاحب کے زیر صدارت جمعیۃ العلماء کی مجلس شوریٰ کا پہلا اجلاس امرتسر میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں مولانا کا جو حصہ تھا، اس کا اندازہ مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کے اس فقرے سے کیا جا سکتا ہے کہ

''اب (مجلس میں داخلے کے بعد۔ ص) کیا دیکھتا ہوں کہ مفتی (کفایت اللہ)

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے اہل حدیث امرتسری ۲۲ رمئی ۱۹۱۳ء، ۲۹ رمئی ۱۹۱۴ء، ۵ رجون ۱۹۱۴ء

صاحب کے پہلو میں مولانا ثناء اللہ تشریف فرما ہیں اور صدارت کے فرائض زبردستی خود ہی انجام دے رہے ہیں۔"

"اور مولانا ثناء اللہ، مفتی صاحب کو بولنے ہی نہیں دیتے تھے اور مداخلت کا گویا ٹھیکہ لیے بیٹھے تھے۔ [1]

بات اگرچہ کسی قدر طویل ہو جائے گی۔ لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لگے ہاتھوں اس مقصد کی بھی توضیح کر دی جائے۔ جو مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے نزدیک جمعیۃ العلماء کے قیام سے مطلوب تھا۔ مولانا مودودی نے جب یہ بات پوری قوت کے ساتھ پیش کرنی شروع کی کہ مسلمانوں کو اپنا مذہب اخلاقی اور سیاسی نظام قانونِ الٰہی کی بالاتری کی بنیاد پر قائم کرنا چاہیے تو انہوں نے اس وقت کی مسلم تحریکات کا جائزہ لیتے ہوئے جمعیۃ العلماء کے بارے میں یہ فرمایا کہ اس نے اپنی کوششوں کا مقصود بدل دیا ہے۔ جس سے لازماً راستہ بھی بدل گیا ہے۔ اور یہ راستہ اپنے تمام اجزاء میں اسلام کی راہ راست کے تمام اجزاء سے مختلف ہے۔ [2] مولانا مودودی کے اس جائزے کا جائزہ لیتے ہوئے مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے لکھا۔

"ہمارے خیال میں یہ اشارہ صحیح نہیں ہے۔ میں ابتدا ہی سے جمعیۃ العلماء کا ممبر رہا ہوں بلکہ اگر کہا جائے کہ میں اس جماعت کا محرک اول ہوں تو بے جا نہیں ہے۔ میں نے جمعیۃ العلماء کی تحریک کو مدیر صاحب ترجمان (مولانا مودودی) کی تحریک کے بالکل موافق پایا ہے۔ لفظی ہیر پھیر کو جانے دیجئے۔ اصل مقصود میں دونوں متفق ہیں۔ میں زبانی دعویٰ نہیں کرتا بلکہ واقعات پیش کرتا ہوں۔"

جمعیۃ العلماء کے جلسۂ دہلی میں (جن دنوں کانگریس کا اجلاس بھی وہیں ہوا تھا) میں نے سب جیکٹ کمیٹی میں یہ تجویز پیش کی تھی کہ آئندہ سوراج کے زمانہ میں مسلمانوں کو اپنا علیحدہ نظام شرعی قائم کرنے کا اختیار ہونا چاہیے۔ دہلی میں بعض ممبروں کی مخالفت کی وجہ سے یہ ریزولیشن پاس نہ ہو سکا۔ انہوں نے کہا کہ ہم اصل تجویز کے مخالف نہیں۔ بلکہ ہمارا اختلاف اس بنا پر ہے کہ غیر مسلم اس تجویز

---

[1] ذکر آزاد، ص: ۱۷۶، ۱۷۷۔ [2] دیکھیے ضمیمہ سیاسی کشمکش حصہ سوم، ص: ۱۹۔۲۰۔

سے بدک جائیں گے۔ اس کے بعد جب لاہور میں مولانا ابولا کلام آزاد کے زیر صدارت جمعیۃ العلماء کا اجلاس ہوا تو میں نے پھر یہ تجویز پیش کی۔ حسن اتفاق سے اس جلسہ میں مولانا (محمد میر ابراہیم سیالکوٹی) سیالکوٹی بھی شریک تھے۔ انہوں نے میری پرزور تائید کی۔ اور مولانا آزاد کی صدارت نے اس میں مزید قوت پیدا کر دی۔ بہرحال یہ ریزولیوشن کافی اکثریت کی تائید سے پاس ہو کر اخبار الجمعیۃ وغیرہ میں شائع بھی ہو گیا تھا۔ اسی اثناء میں میں نے گاندھی جی کو خط لکھا کہ سوراج کے زمانہ میں اگر مسلمان اپنا الگ نظام بنانا چاہیں اس پر آپ کو کچھ اعتراض تو نہیں ہوگا۔ انہوں نے فوراً جواب دیا کہ ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہر ایک قوم اپنا جداگانہ نظام بنا سکے گی۔

اس لیے کہہ سکتے ہیں کہ جمعیۃ العلماء کو اس مقصد کے مخالف سمجھنا میرے خیال میں اپنوں کو بیگانہ سمجھنے کے مترادف ہے پس مدیر صاحب ترجمان (مولانا مودودی صاحب) مطلع رہیں کہ کوئی کلمہ گو مسلمان ان کے اس مقصد کے مخالف نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ [1]

اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ جمعیۃ العلماء کے قیام کی تحریک سے مولانا امرتسری رحمہ اللہ کا مقصود کیا تھا۔ اور آپ نے اس جمعیۃ سے کیا کیا توقعات وابستہ کر رکھی تھیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ ابتداءً قیام نظام شرعی اور پھر آزادی ہند کے سلسلہ میں جمعیۃ العلماء کی مساعی قابل قدر رہیں۔ اور اسی لیے مولانا اس سے وابستہ رہے لیکن رفتہ رفتہ اس جمعیۃ کے قدم اپنے اصل مقاصد سے ہٹ گئے اس لیے اسے مسلمانوں کی نمائندہ قیادت کی اہلیت اور حیثیت سے بھی محروم ہونا پڑا۔ اور خود مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے سیاسی رجحانات اور پالیسیاں اس جمعیۃ کے سیاسی رجحانات اور پالیسیوں سے علیحدہ ہو گئیں۔

---

[1] اہلحدیث امرتسر ۳۰/جنوری ۱۹۴۲ء ص:۱۱

سیاسی مسلک ورجحان

مولانا کا سیاسی مسلک ورجحان اس اقتباس سے واضح ہے جو ہم نے ابھی پیش کیا ہے۔ مولانا صرف نظریاتی طور پر اس مسلک کے قائل نہ تھے بلکہ عملاً بھی اس کے حصول کی سعی وجہد میں حصہ لیتے تھے۔ اس مقصد کے حصول کی دو بنیادیں تھیں۔

ایک یہ کہ اجنبی اقتدار کا ملک سے خاتمہ ہو اور اقتدار وحکومت کی باگ دوڑ مکمل طور پر ملک کے باشندوں کے ہاتھ میں آجائے۔

دوسرے یہ کہ حصول آزادی کے بعد مسلمان اپنے سیاسی اور اجتماعی وانفرادی حقوق کے پورے طور پر خود مالک ومختار اور حاکم ونگراں ہوں۔

مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں بنیادوں پر بیک وقت کام کرنے کے قائل وعامل تھے۔ پہلی بنیاد پر کام کرنے کے لیے چونکہ ایک متحدہ سیاسی تحریک ضروری تھی اور اس کے لیے انڈین نیشنل کانگریس وہ واحد پارٹی تھی جس سے تقریباً تمام ہندو اور مسلم لیڈر اور سیاست دان ابتداءً وابستہ تھے اس لیے مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ بھی ابتداءً کانگریس کی جدوجہد میں شریک رہے۔

دوسری بنیاد پر کام کرنے کے لیے مسلم لیگ موزوں ترین پارٹی ہوسکتی تھی جس کی تشکیل ۱۹۰۶ء میں زیر عمل آئی تھی۔ تقریباً وہ تمام بڑے بڑے مسلم لیڈر جو حصول آزادی کی غرض سے کانگریس کے ساتھ وابستہ تھے۔ مسلم حقوق کی نگہداشت کے تعلق سے مسلم لیگ کے ساتھ وابستہ تھے اور معلوم ہے کہ ان دونوں پارٹیوں میں ابتداءً تصادم کی بجائے تعاون کی فضا پائی جاتی تھی۔ خود مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ بھی اس دوسرے بنیادی مقصد کے حصول کے لیے مسلم لیگ کے سرگرم رکن تھے۔ چنانچہ ۱۹۱۹ء کے اخیر میں شہر امرتسر کے اندر حکیم اجمل خاں صاحب کے زیر صدارت آل انڈیا مسلم لیگ کا جو اجلاس ہوا اس کی استقبالیہ کمیٹی کے صدر مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے۔

چونکہ حصول آزادی کے ساتھ ساتھ اور مقصدی حیثیت سے اس سے کہیں بڑھ کر اسلامی اقتدار اور نظام شریعت کا قیام مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے مطمح نظر تھا اس لیے آپ مولانا محمود الحسن صاحب کی سرگرمیوں سے خصوصی تعلق رکھتے تھے۔ مجاہدین سرحد کے ساتھ بھی آپ کے خاصے روابط تھے۔ جمعیۃ العلماء کی تشکیل بھی اسی غرض کے لیے کی تھی۔ اور تحریک خلافت کے ساتھ بھی

اسی مقصد سے وابستہ ہوئے تھے۔

سیاسی سلسلے میں آپ کا رویہ ہمیشہ معتدل، متوازن لیکن جرأت مندانہ رہا۔ جنگ عظیم اول کے خاتمے کے بعد جب خلافت اور آزادی کی تحریکوں نے زور پکڑا تو اخبار اہلحدیث کے دو صفحات سیاسی تبصروں کے لیے وقف ہو گئے۔ اس دوران ہونے والے بڑے بڑے اجتماعات میں بھی آپ نے شرکت کی۔ اور فضاؤں کا سکوت ایسے ایسے مواقع پر توڑا جب کہ بڑے بڑے سورما لرزہ براندام اور مہر بلب تھے۔ چنانچہ اخبار سیاست لاہور، پنجاب کے ارباب سیاست علماء کی جرأت کردار و گفتار کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"ابوالوفاء ثناء اللہ مدیر اخبار اہلحدیث امرتسر کے سوا کوئی خاص نام مشکل ہی سے بتایا جا سکتا ہے۔ جلسوں میں وقتاً فوقتاً آپ ہی نے (آزادی ملک اور انگریزی حکومت کے غیر عادلانہ رویہ سے متعلق) مختلف مسائل پر اظہار خیالات کیا۔"❶

آپ کے معتدل اور جرأت مندانہ سیاسی رویہ کی وجہ سے آپ کی شخصیت علمی میدان کی طرح سیاسی میدان میں بھی پروقار تھی۔ اور ملک کے چوٹی کے لیڈر آپ پر اعتماد کرتے تھے۔ جنگ عظیم اول کے بعد عالم اسلام کی دردناک سیاسی صورت حال کے مدنظر جب ہندوستانی مسلمانوں کی شاہراہ عمل متعین کرنے کے لیے ملک کے تمام مسلم سیاسی اکابرین کا اجتماع ہوا تو اس میں آپ بھی ایک مؤثر ترین سیاسی رکن کی حیثیت سے مدعو اور شریک ہوئے۔

آپ کی پروقار شخصیت جہاں مسلم اکابر کے نزدیک لائق قدر اور باعث کشش تھی وہیں کانگریس کے لیے بھی آپ کی شخصیت میں سیاسی فوائد کے بہت سے پہلو نظر آ رہے تھے اور چونکہ آپ حصول آزادی کے مقصد میں ان کے ساتھ ہم آہنگ تھے اس لیے ضلع امرتسر کی کانگریس پارٹی نے آپ کو اپنی کمیٹی کی صدارت کی پیش کش کی۔ لیکن آپ کو کانگریسی لیڈروں کے رویہ کی بابت کوئی غلط فہمی نہ تھی اس لیے آپ نے نہایت صفائی کے ساتھ فرمایا کہ

"برادران وطن! آپ مجھے ضلع کانگریس کا صدر بنا کر عامۃ المسلمین کی آنکھوں میں دھول جھونکنا اور میری پریذیڈنٹی سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ہم نے جس

---

❶ اہلحدیث ۲/دسمبر ۱۹۲۱ء۔

سیاسی جماعت کی صدارت ایک مسلمان کو سونپ دی ہے وہ مسلم حقوق ومفاد کی ترجمان ونگران ہے۔ حالانکہ یہ بات قطعاً غلط ہے میں دیگر بزرگان ملت کی طرح آپ کے جھانسے میں نہیں آ سکتا۔'' ❶

حقیقت یہ ہے کہ ۱۹۱۴ء کی نہرو رپورٹ، ۱۹۳۰ء کی گول میز کانفرنس، ۱۹۳۵ء، ۱۹۳۶ء کی انتخابی مہموں اور وزارت سازی کے مواقع پر کانگریسی لیڈروں کے جو عزائم کھل کر سامنے آئے تھے انہوں نے مسلم سیاست دانوں کو چونکا دیا تھا اور وہ کانگریس سے خاصے بدگمان اور دل برداشتہ ہو گئے تھے۔ جسے کانگریس نے دور کرنے کے بجائے اپنی بعد کی روش سے اور پختہ ہی کیا۔ مولانا ان حالات سے بے خبر نہ تھے تاہم کوشاں تھے کہ فریقین میں اعتدال پسندی کی فضا عود کر آئے۔

۱۹۳۷ء میں جب علامہ اقبال رحمہ اللہ نے مسٹر محمد علی جناح کو قائد اعظم کی حیثیت سے مسلم لیگ کی باگ ڈور سنبھالنے کی دعوت دی اور جناح صاحب مرحوم نے اس دعوت کو قبول کرتے ہوئے مسلم لیگ میں ایک نئی روح پھونکنی شروع کی تو مولانا امرتسری رحمہ اللہ کا میلان بھی مسلم لیگ کی طرف بڑھتا گیا۔ ۱۹۳۸ء میں جب کہ مسلم لیگی حلقوں سے تشکیل پاکستان کے نعرے بار بار اٹھ رہے تھے مگر ابھی مسلم لیگ کے پروگرام میں پاکستان کی تشکیل باقاعدہ شامل نہیں ہوئی تھی۔ ایک آریہ اخبار ''آریہ مسافر'' نے ایک پرزور آرٹیکل میں اس نعرہ کو ایک انہونا خواب قرار دیا۔ اس پر مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے لکھا۔

''دین اسلام نے ہمیں سکھایا ہے کہ اللہ کی رحمت سے ناامید ہونا کفر ہے اس لیے ہم اس خواب کے حقیقت ہو جانے سے ناامید نہیں ہو سکتے۔ اللہ کرے یہ خواب سچا ہو جائے۔'' ❷

---

❶ سیرت ثنائی، ص: ۲۹۶، ۲۹۷۔ مصنف سیرت ثنائی نے ان الفاظ کے لیے کوئی حوالہ نہیں دیا ہے مجھے مولانا کی معتدل شخصیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے یقین نہیں آتا کہ آپ نے انکار کے لیے یہ تند الفاظ استعمال کیے ہوں گے۔

❷ اہلحدیث امرتسر، ۹ر ستمبر ۱۹۳۸ء۔

اس سے مولانا کا سیاسی نقطۂ نظر بآسانی سمجھا جا سکتا ہے۔ تاہم ۲۳/ مارچ ۱۹۴۰ء کو جب مسلم لیگ نے اپنے لاہور کے اجلاس میں باقاعدہ قرارداد پاکستان منظور کی تو مولانا نے اسے ایک سنجیدہ قرارداد سمجھنے کے بجائے محض سیاسی حکمت عملی سمجھا۔ اور ابتداءً اس کی طرف متوجہ ہوئے لیکن بہت جلد اس کی واقعیت محسوس کر لی۔ اور اس کی حمایت میں لکھنا شروع کر دیا۔ اس طرح مولانا کا سیاسی نقطۂ نظر مسلم لیگ اور پاکستان کے نظریہ سے ہم آہنگ ہو گیا۔

ہاں! جوش و خروش کے اس دور میں بھی آپ نے اعتدال پسندی ہاتھ سے جانے نہ دی۔ ملکی سیاسیات پر آپ کے تبصرے نہایت ہی متوازن، سنجیدہ اور باریک بینی و دوراندیشی پر مبنی ہوتے۔ آپ اس بات کا ہمیشہ لحاظ رکھتے کہ سیاسی بکھیڑے جماعت میں تفرقہ اور انتشار کا سبب نہ بن جائیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ملکی سیاست کے تمام نشیب و فراز میں حصہ لینے کے باوجود آپ پر احیائے دین کا جذبہ اور عمل اس طرح غالب رہا کہ آپ ایک سیاسی لیڈر کے بجائے ایک دینی رہنما کی حیثیت ہی سے متعارف اور مشہور ہوئے۔

بقیہ تگ و دَو

ان ملک گیر تحریکات میں حصہ لینے کے علاوہ آپ نے متعدد چھوٹی بڑی انجمنیں، بزمیں اور جمعیتیں تشکیل کیں یا ان میں بنیادی اہمیت کا کردار ادا کیا۔ اور ان کے ذریعہ اسلام، اہل اسلام اور مسلم معاشرے کی مختلف النوع خدمات انجام دیں۔ اس سلسلے میں ''محمدیہ کمپنی، انجمن صادقین، جمعیۃ اتحاد العلماء یا جمعیۃ اتحاد المسلمین، نماز کمیٹی، اہلحدیث تجارتی کمپنی، جمعیۃ اشاعت اسلام پنجاب، جمعیۃ تبلیغ اہلحدیث پنجاب، بزم توحید وغیرہ'' خصوصی اہمیت رکھتی ہیں۔

داخلی فتنہ

تمام بڑے بڑے مصلحین امت کی طرح آپ کو بھی کچھ شدید داخلی فتنوں سے دوچار ہونا پڑا اس کی تفصیل یہ ہے کہ آپ چونکہ ابتداء ہی سے فن مناظرہ کی طرف فطری میلان رکھتے تھے۔ اور مناظرے میں اپنے مذہبی مسلمات بھی مخالف کے سامنے معقول رنگ میں اور عقلی دلائل کے ساتھ ہی پیش کیے جا سکتے ہیں اس لیے آپ نے اپنی معرکۃ الآراء تصنیف ''تفسیر

القرآن بکلام الرحمٰن" میں متعدد آیات صفات کی تفسیر سلف صالحین کی عام روش "تفویض" سے ہٹ کر مؤولین کے طریق پر عقلی انداز سے کی۔ ۱۹۰۳ء میں جب یہ تفسیر شائع ہوئی تو مولانا عبد الجبار صاحب غزنوی رحمہ اللہ نے اس کے چالیس مقامات پر تعاقب کرتے ہوئے ایک رسالہ "الاربعین فی ان ثناء اللہ لیس علی مذھب المحدثین" لکھا۔ اور اس پر چیدہ چیدہ علماء سے دستخط حاصل کر کے اسے شائع کر دیا۔ اس رسالہ میں مذکورہ اغلاط کی بنیاد پر مولانا امرتسری رحمہ اللہ کو جماعت اہلحدیث سے خارج قرار دیا گیا تھا۔ مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے اس کے جواب میں "الکلام المبین" نامی ایک رسالہ لکھا۔ اور "الاربعین" کی بھرپور تردید کی۔ لیکن یہ نزاع بہت جلد آگے بڑھ گئی اور علماء کا ایک طبقہ آپ کے خلاف ہو گیا۔

ایک سال بعد ۱۹۰۴ء میں آرہ (صوبہ بہار) کے اندر جماعت اہلحدیث کا بہت بڑے پیمانے پر جلسہ ہوا اس میں اس گتھی کو بھی سلجھانے کی کوشش کی گئی۔ فریقین نے ہندوستان کے اطراف واکناف سے جمع شدہ اکابر علمائے اہلحدیث کو حکم مانا۔ حافظ عبداللہ صاحب غازیپوری، مولانا شمس الحق صاحب ڈیانوی صاحب عون المعبود، وغایۃ المقصود، مولانا شاہ محمد عین الحق صاحب ساکن چھپرہ (بہار) ان تین بزرگوں پر مشتمل ایک بورڈ جملہ مسائل کے فیصلے کے لیے بالاتفاق مقرر کر دیا گیا۔ ان تینوں بزرگوں نے کافی بحث وتمحیص کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ

"اربعین کی چالیس اغلاط میں سے صرف چودہ تعاقب صحیح ہیں اور ان چودہ اغلاط کی وجہ سے مولوی ثناء اللہ اہلحدیث جماعت سے خارج نہیں۔"

حج بیت اللہ

۱۳۴۴ھ (۱۹۲۶ء) میں آپ نے فریضہ حج ادا کیا۔ اس سے ایک سال پہلے ہی آپ نے حج کا عزم بالجزم کر رکھا تھا۔ لیکن نجدی شریفی جنگ کے نتیجے میں حجاز کے مخدوش حالات کے سبب سفر کرنا تقریباً ناممکن تھا اس لیے ایک سال کی تاخیر کرنی پڑی۔ ۱۹۲۶ء میں آپ نے روانگی سے کوئی ساڑھے تین ماہ پہلے ۸ رجنوری ۱۹۲۶ء کے ہفت روزہ اہلحدیث میں اپنے ارادۂ حج کا اعلان کر دیا۔ تاکہ جن لوگوں کو آپ کی رفاقت مطلوب یا منظور ہو تیار ہو جائیں

اور ایک منظم قافلہ کی شکل میں روانگی ہو۔ اور اگر تعداد زیادہ ہو تو پورا جہاز ہی ریزرو کرا لیں۔ اس اعلان کے نتیجے میں ۳۸۳ر افراد کا قافلہ تیار ہو گیا۔ جو دو حصوں میں تقسیم ہو کر بمبئی اور کراچی دو الگ الگ جگہوں سے دو الگ الگ جہازوں میں روانہ ہو سکا۔ مولانا امرتسری رحمہ اللہ ۲۶ر اپریل ۱۹۲۶ء کو امرتسر سے رخصت ہوئے اور ۳۰ر اپریل کو کراچی سے آپ کا جہاز سوئے حجاز روانہ ہوا۔

حجاز ابھی تازہ بتازہ فتح ہوا تھا۔ یہ عالم اسلام کا مقدس خطہ اور دنیا بھر کے مسلمانوں کی میراث تھا جو بطور امانت ملک عبدالعزیز کے دست تصرف میں آیا تھا۔ اس لیے ملک عبدالعزیز نے اس کے انتظامات کی نوعیت کو آخری شکل دینے کے لیے اسی سال حج کے موقع پر ایک اسلامی موتمر منعقد کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ جس میں عالم اسلام کے تقریباً ۶۰ر نمائندے مدعو تھے۔ ہندوستان کی تین جماعتوں کو نمائندگی دی گئی تھی۔ ① آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس، ② جمعیۃ العلماء ہند، ③ خلافت کمیٹی۔ مولانا امرتسری رحمہ اللہ آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کے نمائندے کی حیثیت سے مدعو تھے۔ اس لیے حجاز پہنچتے ہی آپ کو شاہی مہمان بنا لیا گیا اور ملک عبدالعزیز نے کئی بار آپ سے خصوصیت کے ساتھ ملاقاتیں کیں۔ مولانا محمد صاحب جوناگڑھی رحمہ اللہ اور مولانا ابوالقاسم صاحب سیف بنارسی رحمہ اللہ بھی آپ کے ہمرکاب تھے۔ موتمر اسلامی میں حج کے لیے ایک باضابطہ محکمہ بنانے کا فیصلہ آپ ہی کی تجویز پر ہوا تھا۔

فرائض حج کی ادائیگی اور زیارت حرمین سے شرف یاب ہو کر آپ ۸ر اگست ۱۹۲۶ء کو جدہ سے عازم وطن ہوئے۔ ۸ر اگست کو کراچی کی بندرگاہ پر جہاز لنگر انداز ہوا۔ اور آپ ۲۰ر اگست کو امرتسر وارد ہوئے۔ روانگی اور واپسی دونوں موقعوں پر آپ کو آپ کے شایان شان مبارکباد دی گئی اور الوداعیہ واستقبالیہ پیش کیا گیا۔

قاتلانہ حملہ

۴ر نومبر ۱۹۳۷ء کو آپ پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ۱۹۳۷ء میں امرتسر کے بریلوی احناف نے ایک نومبر سے ۳ر نومبر تک ''عرس امام ابوحنیفہ'' کے نام سے سالانہ جلسہ کیا

یہ جلسہ ہر سال ہوا کرتا تھا۔ مگر ۱۹۳۷ء کے جلسے میں بریلوی مقررین نے جماعت اہلحدیث کے خلاف عموماً اور مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف خصوصاً بڑی زہرناک اور اشتعال انگیز تقریریں کیں۔ یہاں تک فرمایا کہ "وہابی کو مارنے والا سو شہیدوں کا ثواب پاتا ہے۔" اور "جو وہابی کے سر پر ایک جوتا مارے اسے ایک حور ملے گی۔"

اس کے جواب میں جماعت اہلحدیث امرتسر نے ۴ر نومبر ۱۹۳۷ کو مسجد مبارک کٹرہ مہمان سنگھ امرتسر میں ایک جلسہ منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ شام کو چار بجے مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ اپنے پوتے مولوی رضاء اللہ اور دو اور رفیقوں کے ساتھ جلسہ میں شرکت کے لیے بذریعہ تانگہ مسجد مبارک کو روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر ابھی آپ مسجد کے دروازہ کے سامنے اترے ہی تھے کہ قمر بیگ نامی ایک بریلوی نوجوان نے "یارسول اللہ" کا نعرہ لگا کر تلوار جیسے تیز تبر (گنڈاسے) سے آپ کے سر کے پچھلے حصہ پر دائیں جانب پوری قوت سے حملہ کر دیا۔ جس سے آپ کی پگڑی اور سخت کلاہ کٹ کر تقریباً چار انچ لمبا اور ہڈی کی جڑ تک گہرا زخم آیا۔ زخم لگتے ہی آپ حملہ آور کی جانب مڑے۔ اتنے میں بابو عبدالمجید صاحب سیکرٹری انجمن اہلحدیث امرتسر نے (جو آپ کے ہمراہ تھے) حملہ آور کا ہاتھ پکڑ لیا لیکن اسی حالت میں اس نے ایک اور وار سامنے چہرے پر کر دیا۔ گرفت میں ہونے کی وجہ سے یہ وار کمزور پڑا۔ تاہم پیشانی سے ناک تک بائیں جانب ۳ر انچ لمبا زخم آیا۔ اس صدمہ سے مولانا زمین پر گر پڑے۔ لیکن فوراً ہی سنبھل کر ایک دوکان پر کھڑے ہو گئے۔

اس اثناء میں بابو عبدالمجید صاحب حملہ آور سے ہتھیار چھین کر خود حملہ آور کو بھی اچھی طرح گرفت میں لے چکے تھے۔ لیکن اس کے چند ساتھیوں نے (جو پہلے ہی سے پلان کے مطابق وہاں سامعین کی شکل میں موجود تھے) اسے چھڑا کر بھگا دیا۔

زخمی ہونے کے بعد مولانا کو سول ہسپتال لے جایا گیا۔ معائنہ ہوا، ٹانکے لگے، اور مناسب جگہ خالی نہ ہونے کی وجہ سے گھر لائے گئے اس اثناء میں پولیس نے بھی اپنے اندراجات مکمل کر لیے۔

معائنہ اور رپورٹ کی کارروائیوں میں چار گھنٹے لگے اور اس دوران زخموں سے مسلسل

خون بہتا اور رستا رہا۔ چہرہ اور کپڑا لہولہان تھا۔ لیکن ستر سال کے بڑھاپے کے باوجود اتنے شدید زخم کا جو اثر آپ پر ہوا تھا وہ آپ ہی کے الفاظ میں یہ تھا۔

''باوجود سخت زخم لگنے کے بتصرف الٰہی مجھے کانٹا چبھنے جتنی بھی تکلیف محسوس نہیں ہوئی۔ ہاں جسمانی ضعف اس قدر تھا کہ بول نہیں سکتا تھا۔'' ❶

حملہ کے فوراً بعد سے آپ حدیث شریف کا یہ فقرہ بار بار دہراتے۔ "وفی سبیل الله ما لقیت" دریافت احوال پر فرماتے۔ ''اللہ انہیں ہدایت کرے۔ فانهم لا يعلمون" احباب زندگی کی سلامتی پر مبارکباد دیتے تو فرماتے:

''شہادت کے سارے سامان مہیا ہو گئے تھے۔ میری کم نصیبی تھی کہ مجھے شہادت میسر نہ ہوئی۔''

اور یہ شعر پڑھتے تھے۔

یہ تو قسمت میں کہاں تھا کہ کروں کسب کمال
بے کمالی میں بھی افسوس میں کامل نہ ہوا ❷

حملہ کے بعد رات بھر آپ سو نہ سکے تھے تاہم دل میں نہ کسی قسم کی گھبراہٹ تھی نہ پریشانی، علی الصبح دم مولانا سیالکوٹی وارد ہوئے، مولانا امرتسری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

صبح سویرے چند احباب عیادت کو بیٹھے تھے۔ آواز آئی کہ مولوی ابراہیم آ گئے۔ میں نے جو دیکھا تو بے ساختہ منہ سے نکلا۔

دیکھ لو خستہ جان کی صورت

مولانا چشم پرنم مجھ سے لپٹ گئے۔ ان کے لپٹنے سے مجھے وہی راحت ہوئی جو حضرت یعقوب علیہ السلام کو یوسفی کرتے سے ہوئی تھی۔ ❸

بہر حال مولانا سیالکوٹی نے احباب وزائرین کو رخصت کیا۔ اور مولانا کو ایک علیحدہ کمرہ میں نیند آور دوا پلا کر سلا دیا۔ اور اس جگہ خود نگراں بن رہے۔ مولانا خوب سوئے۔ اور عصر کے قریب بیدار ہوئے اس طرح افاقے کا آغاز ہو گیا۔ کوئی ایک ماہ بعد زخم مندمل ہو گئے اور آپ

---

❶ شمع توحید، ص:۵۸۔ ❷ اہلحدیث امرتسر ۱۹ رنومبر ۱۹۳۷ء ❸ شمع توحید، ص:۵۸

نے حسب معمول اپنا کام سنبھال لیا۔

حملے کی خبر آناً فاناً پورے ملک میں پھیل گئی۔ اور ملک کے گوشہ گوشہ سے حملے کی مذمت اور حکومت سے مناسب کارروائی کے مطالبے کی قراردادوں کا تانتا بندھ گیا۔ ❶

تقریباً تین ماہ بعد حملہ آور کلکتہ سے گرفتار ہوا۔ اور ۲۷/جنوری ۱۹۳۸ء کو امرتسر لایا گیا۔ حکومت نے مقدمہ چلایا۔ اور ۶/اپریل ۲۹۳۸ء کو عدالت نے چار سال قید بامشقت کی سزا کا فیصلہ سنایا۔ ❷ جس کے مطابق مجرم، محبوس زندان کردیا گیا۔ مولانا کی انسانیت نوازی کا یہ عالم تھا کہ آپ مجرم کی اس کیفیت پر مسرت وشادمانی کے بجائے اذیت والم محسوس کر رہے تھے۔ چنانچہ آپ نے ایک دفعہ لکھا۔

"میں سچ کہتا ہوں میں ٹھنڈے مکان میں بجلی کے پنکھے کی ہوا لیتا ہوں۔ ٹھنڈا پانی پیتا ہوں تو مجھے مجرم کی حالت پر رحم آتا ہے وہ جیل میں کس طرح وقت گزارتا ہو گا۔ اللہ اسے توبہ کی توفیق بخشے۔" ❸

مولانا کا یہ بیان کسی تصنع پر مبنی نہ تھا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ اپنے حملہ آور کے ساتھ اس سے کہیں بڑھ کر بے پایاں حسن سلوک سے پیش آئے تھے۔ چنانچہ لاہور کے ایک بزرگ حکیم محمد عبداللہ صاحب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ انہیں کسی قیدی کے ذریعہ قمر بیگ کا یہ پیغام ملا کہ میں نے جذباتی تقریروں سے متاثر ہو کر ایک نیک اور باخدا عالم پر حملہ کردیا۔ اب اللہ کے غضب کا ڈر ہے۔ لہٰذا کوئی صاحب مولانا ثناء اللہ سے مجھے معافی دلوا دیں تو مجھے طمانیت وسکون حاصل ہو جائے گا۔ حکیم صاحب قمر بیگ کی خواہش پر مولانا سے اس کا قصور معاف کرانے گئے۔ لیکن مولانا کے ہونٹوں پر ان کی معروضات سن کر ایک خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ خاموش ہو رہے۔ حکیم صاحب کو مولانا جیسے وسیع الظرف اور کشادہ دل انسان کی خاموشی پر حیرت ہوئی۔ اور کوئی تیس برس بعد اس کا عقدہ حل ہوا۔ حکیم صاحب کے اپنے الفاظ یہ ہیں۔

---

❶ تفصیلات اہلحدیث امرتسر ۱۲/نومبر ۱۹۳۷ء اور اس کے بعد شماروں میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

❷ یہ فیصلہ رسالہ شمع توحید کے صفحات پر مکمل درج ہے۔

❸ اہلحدیث امرتسر ۳/جون ۱۹۳۸ء، ص:۱۴۔

"میری اس حیرانی کو گزشتہ دنوں اللہ تعالیٰ نے برادرم مولانا عبدالرشید صدیقی (ملتان) کے ذریعہ دور فرمایا............

واقع یہ ہے کہ جب قمر بیگ قید ہو گیا تو حضرت مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے علم میں کسی طرح یہ بات آ گئی کہ قمر بیگ کے بعد ان کے گھر میں کوئی کمانے والا نہیں ہے۔ اور ان کی معاشی حالت بالکل خراب ہے تو آپ نے نہایت خاموشی سے ان کی ماہانہ وظیفہ کی شکل میں امداد کرنا شروع کر دی۔ اور زندگی بھر اپنے اس نیک عمل کو چھپائے رکھا۔ مگر قمر بیگ کو جیل ہی میں اس احسان کا علم ہو گیا اور وہ بے حد نادم ہوا۔

صدیقی صاحب کا بیان ہے کہ قمر بیگ مولانا کی تربت پر اکثر جاتا ہے۔ اور ان کے حق میں دعائیں مانگ کر آتا ہے۔ [1]

آخری ایام

مولانا کو اپنی زندگی کے آخری ایام میں ایسے حوادث پیش آئے جنہوں نے آپ کی عظیم الشان خوبیوں اور مخفی کمالات کے منور اور تابناک چہرے سے پردہ ہٹا دیا۔ یعنی صبر و قناعت، رضا بالقضا، انابت الی اللہ، توکل علی اللہ، تفویض الی اللہ اور خلق اللہ کے ساتھ بے پایاں، ہمدردی و محبت، مشتبہات سے اجتناب وغیرہ میں آپ کی یکتائی وانفرادیت کے عجیب عجیب مناظر سامنے آئے۔

تقسیم ہند کے یقینی ہو جانے کے بعد مارچ ۱۹۴۷ء سے مشرقی پنجاب میں فسادات کی جو لہر چل پڑی تھی اور ۳ رمئی ۱۹۴۷ء کے فیصلہ، تقسیم کے بعد اگست و ستمبر ۱۹۴۷ء تک مسلم کشی کو جو قیامت خیز ہنگامہ بپا رہا اسے قلمبند کرنے کی ضرورت نہیں، امرتسر بھی تمام فرقوں کے سربراہوں کی طرف سے بقائے امن کی جان توڑ کوششوں کے باوجود فساد کی ان طوفانی لہروں کی زد میں آ چکا تھا۔ مولانا نے اس سے پہلے کئی بار فسادات کی روک تھام اور قیام امن کی موثر کوششیں کی تھیں اور اپنی پر وقار و قابل احترام شخصیت کی وجہ سے کامیاب بھی رہے تھے۔ اب کی دفعہ (۱۹۴۷ء) بھی آپ نے فسادات روکنے کی ہر چند کوشش کی۔ لیکن قطعی ناکامی دیکھی تو عازمین

---

[1] المنبر لائل پور ۲۷ ستمبر و ۴ اکتوبر ۱۹۶۸ء، ص ۶ بحوالہ نقیب ۱۳ جنوری ۱۹۶۸ء، ص: ۱۰۔

ہجرت کے ساتھ سرزمین پاکستان کی طرف ہجرت کرنے کا ایک پروگرام مرتب کیا۔ اور اس کی عملی تدابیر میں مصروف ہو گئے۔ جس گلی میں آپ کا مکان تھا ۱۳؍اگست (۱۹۴۷ء) کو اس گلی کے قریب سے ہندو اور سکھ بلوائیوں کا ایک جتھا گذرا۔ آغاز فساد ہی سے اس گلی کے حفظ و دفاع کا انتظام آپ کے اکلوتے فرزند مولوی عطاء اللہ نے اپنے ذمہ لے رکھا تھا۔ بلوائیوں میں سے کسی نے دستی بم پھینکا۔ جو مولوی عطاء اللہ کے بالکل قریب پھٹا۔ وہ شدید طور پر زخمی ہو گئے۔ موصوف روزہ سے تھے۔ اور اسی حالت میں تھوڑی دیر بعد عصر کے وقت شہید ہو گئے۔ مولانا نے اسی وقت مسجد اہلحدیث میں نماز جنازہ پڑھائی۔ شہر میں ہر سو قتل و غارت کا ہنگامہ بپا تھا۔ اس لیے بمشکل تمام میت قبرستان تک لے جائی جا سکی۔ اور تدفین عمل میں آسکی۔ مولانا کے صرف یہی ایک صاحبزادے تھے جو اس نازک ترین مرحلے میں داغ مفارقت دے گئے۔

مولانا کا مکان چونکہ نہایت پر خطر مقام پر واقع تھا اس لیے احباب کے حسب مشورہ آپ اسی روز اوائل شب میں مکان اور سارا اثاثہ چھوڑ کر اہل و عیال سمیت قدرے محفوظ جگہ منتقل ہو گئے۔ آپ اور آپ کے عیال نے جو معمولی سا لباس زیب تن کر رکھا تھا اس کے علاوہ صرف پچاس روپے نقدی آپ نے جیب میں رکھ لیے تھے۔ لاکھوں روپے کی مالیت کے سامان یعنی پریس، انمول کتب خانہ، زیورات، نقد و جنس اور گھریلو اسباب وغیرہ سب کچھ اپنی جگہ پڑا رہا۔ رات کی تاریکی میں بلوائیوں نے حملہ کیا۔ اور دیکھتے دیکھتے سب کچھ لوٹ لیا۔ کتب خانہ اور مکان نذر آتش کر دیا۔

۱۴؍اگست کو آپ بمشکل تمام لاہور پہنچے۔ چند دن بعد جماعت اہلحدیث گوجرانوالہ کی گذارش پر وہاں منتقل ہو گئے۔ یہاں آپ کے ورع کا یہ حال تھا کہ لوٹ مار کے مال کو ہاتھ لگانا تو در کنار اگر کسی کے پاس سے کوئی ہدیہ، تحفہ یا عطیہ آتا تو اس بات کے کامل اطمینان کر لینے کے بعد ہی اسے قبول فرماتے کہ غیر مسلموں کا مال نہیں ہے بلکہ جائز کمائی سے دیا جانے والا دوستانہ ہدیہ ہے۔ زکوٰۃ، عسرت و مصیبت کی اس مشکل ترین گھڑی میں بھی لینی گوارا نہ کی۔ اور ہدایا و تحائف کا بڑا حصہ بھی اپنے بجائے دوسرے ضرورت مندوں پر صرف کیا۔ اور خود خوراک و پوشاک کی نہایت ہی معمولی اور خستہ حالت پر قناعت کی۔

کوئی ساڑھے تین ماہ بعد وسط جنوری میں مستقل قیام کے ارادے سے سرگودھا تشریف لے گئے۔ وہاں آپ کو رہائشی مکان اور ایک پریس فراہم کر دیا گیا تھا۔

پے در پے مصائب ومشکلات کے بعد کسی قدر اطمینان کا سانس لینے کی مہلت ملی تو آپ نے پھر تبلیغ دین اور اصلاح امت کی پچھلی سرگرمیوں کو زندہ کرنے اور اخبار اہلحدیث کو دوبارہ جاری کرنے کا قصد فرمایا۔ لیکن اب حالات بدل چکے تھے۔ عیسائیوں کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ قادیانی جماعت علمی میدان سے مکمل طور پر پسپا ہو چکی تھی۔ اور اب زیر زمین تحریک کی شکل اختیار کرنے کی تیاری کر رہی تھی۔ جس سے نمٹنا آپ کا کام نہ تھا۔ آریوں کے ہنگامے خاموش ہو چکے تھے اور پاکستان میں ان کے سر اٹھانے کا سوال نہیں ہو سکتا تھا۔ غرض آپ کا مشن پورا ہو چکا تھا۔ اور آپ خود بھی عمر طبعی کی آخری منازل سے گذر رہے تھے۔ قدرت نے آپ کو ۸۰ رسال کی بابرکت اور جہد وعمل سے بھرپور زندگی عطا فرمائی تھی۔ اب اس کی طرف سے بلاوا آ گیا۔

سرگودھا منتقل ہوئے بمشکل ایک ماہ گذرا ہوگا کہ ۱۲؍فروری ۱۹۴۸ء کو آپ پر فالج کا حملہ ہوا۔ اور ایک ماہ تین دن بعد ۱۵؍مارچ ۱۹۴۸ء (مطابق ۳؍جمادی الاولیٰ ۱۳۶۷ھ یوم دو شنبہ) کو آپ اس دار فانی سے ہمیشہ کے لیے رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مولانا نے ایک بار ایک خاص مناسبت سے ۱۸؍اکتوبر ۱۹۴۰ء کے اہلحدیث میں اپنی یہ دعا اور آرزو سپرد قلم کی تھی۔

مرا جنازہ جو نکلے تو اس طرح نکلے
کہ ہوں جنازے پہ سارے موحد و مومن

آج آپ کی یہ آرزو پوری ہوئی سرگودھا کے اہل توحید اور اہل ایمان نے آپ کو سپرد خاک کیا۔ آپ اپنی زندگی میں ایک اور شعر بکثرت پڑھا کرتے تھے کہ

مارا دیارِ غیر میں لاکر وطن سے دور
رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم

آج یہ شعر بھی اپنی پوری صداقت کے ساتھ جلوہ گر تھا۔

اللھم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه، واکرم نزله، ووسع مدخله، وادخله الجنة، واعذه من عذاب القبر ومن عذاب النار.

پس ماندگان میں سے آپ کی اہلیہ بھی آپ کے تین ماہ بعد رحلت فرما گئیں۔ غفر اللہ لها والحقها بفقیدها

سراپا ❶

متوسط جسم، اٹھتا ہوا قد، گوراچٹا رنگ، گولائی لیے ہوئے کتابی چہرہ، جس پر ایمانی شرف و وجاہت کی جگمگاتی ہوئی شعاعیں، خوبصورت ناک نقشہ، تجربات زمانہ کی امین آنکھیں، کشادہ پیشانی، بھرپور اور خوبصورت داڑھی، بڑھاپے کے سبب کسی قدر لٹکتی ہوئی بھویں، ہاتھ میں چھڑی، لمبا کرتا جس کے اوپر کبھی کبھی زیب دیتی ہوئی عبایا کوٹ، سر پر کلاہ و عمامہ، پاؤں میں پنجابی جوتا آواز میں بے پناہ تاثیر، کلام میں حلاوت و شیرینی اور نرمی، حرف ش کی ادائیگی اتنی عمدہ کہ گویا زبان سے پھول جھڑ رہے ہیں۔ شفقت و محبت کا مصدر اور لطافت و ظرافت کا پیکر، یہ تھا اس مجاہد جلیل کا سراپا جو اعلائے کلمۃ اللہ کی مسلسل تگ و تاز میں اپنی پوری زندگی گذار کر ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین کا نقش جاوداں ثبت کر گیا۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است برجریدۂ عالم دوام

اولاد و احفاد

مولانا کے صاحبزادگان کی صحیح تعداد کا علم نہ ہو سکا۔ ایک بچہ ۵/ جولائی ۱۹۱۱ء کو پیدا ہو کر گیارہویں دن ۱۵/ جولائی ۱۹۱۱ء کو فوت ہو گیا۔ ❷ ایک اور بچہ ۱۲/ اپریل ۱۹۱۹ء کو پیدا ہو کر ۲۸/ اپریل سنہ مذکورہ کو فوت ہو گیا۔ ❸ مولانا کے ایک اور بیان سے مزید دو صاحبزادگان کی پیدائش کا علم ہوتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

میرے والد کی اولاد تین لڑکے ابراہیم، صدیق، ثناءاللہ اور ایک لڑکی رہی تھیں دونوں بڑے بھائی تو بے اولاد فوت ہو گئے۔ بہن کی اولاد اور اولاد کی اولاد زندہ ہے۔ بھائی ابراہیم بڑا موحد پکا اہلحدیث تھا شاید اسی کے عوض مجھے ابراہیم دیا۔ اور صدیق کے عوض دوسرا صدیق عنایت کیا۔ ❹

لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا آپ کے صرف ایک ہی صاحبزادے مولوی عطاءاللہ حیات رہے جنہیں ۱۳/ اگست ۱۹۴۷ء کو شہید کر دیا گیا۔

---

❶ اس عنوان کی تفصیلات کچھ ہفت روزہ اہلحدیث امرتسر ۲۳/ اکتوبر ۱۹۴۲ء کے شمارے سے ماخوذ ہیں اور کچھ میں نے اپنے والد محترم اور بعض ثقہ رفقاء سے سنی ہیں۔ ❷ اہلحدیث امرتسر ۱۴، ۲۱ جولائی ۱۹۱۱ء۔
❸ اہلحدیث امرتسر ۲/ مئی ۱۹۱۹ء۔ ❹ ایضاً ۱۴/ جون ۱۹۱۸ء۔

مولوی عطاء اللہ مرحوم کے چار لڑکے تھے۔ رضاء اللہ، ذکاء اللہ، بہاء اللہ، ضیاء اللہ، ہجرت کے وقت مولانا کے یہ چاروں پوتے ہمرکاب تھے۔ سرگودھا میں انہیں بڑی عزت و احترام اور قدر و قعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

۱۹۶۲ء میں سرگودھا ہی کے اندر ایک قادیانی سب انسپکٹر احسان اللہ پرویز نے قادیانیوں کی سوچی سمجھی سازش کے تحت دن دھاڑے اچانک مکان میں گھس کر دونوں بچے بھائیوں مولوی ذکاء اللہ اور مسٹر بہاء اللہ کو شہید کر دیا۔ قاتل گرفتار ہوا۔ لیکن اسے ایک مقدمہ میں شہادت کے لیے پشاور لے جایا گیا اور وہ وہاں پولیس کی حراست سے پراسرار طور پر فرار ہو گیا۔ یہ قاتل آج تک پاکستان کے سرحدی علاقے میں دندناتا پھر رہا ہے۔ اور حکومت پاکستان بے حس پڑی ہوئی ہے۔

مولانا رضاء اللہ بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ رحمانیہ دہلی کے فارغ تھے۔ اور امرتسر کے زمانہ قیام تک فتویٰ نویسی میں اپنے دادا مولانا امرتسری کے دست راست رہے۔ پچھلے دنوں ۲۲/اپریل ۱۹۷۵ء ۹/ربیع الآخر ۱۳۹۵ھ کو میو ہسپتال لاہور میں انتقال فرما گئے۔ اب سب سے چھوٹے پوتے ضیاء اللہ باقی رہ گئے ہیں۔ اللہ تا دیر سلامت رکھے۔

مولوی عطاء اللہ شہید کے علاوہ مولانا کی دو صاحبزادیاں بھی تھیں جن کے حالات کا اب ہمیں کوئی علم نہیں ہے۔

فاتح قادیان کی فاتحانہ سرگرمیاں

مرزا صاحب سے تصادم کا آغاز وارتقا

جیسا کہ مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی سوانحی تفصیلات سے ظاہر ہے مرزا صاحب قادیانی کے دعوائے مسیحیت (جنوری ۱۸۹۱ء) کے وقت مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ طالب علم تھے اور اس دعویٰ کے ظہور کے کوئی ڈیڑھ سال بعد تحصیل علم سے فارغ ہو کر امرتسر تشریف لائے تھے۔ اس وقت آپ کے اساتذہ اور کبار علماء مرزا صاحب کی عیاریوں کا پردہ چاک کر رہے تھے۔ اس لیے طبعی طور پر اس فتنے کے ابتدائی دور میں مولانا کی سرگرمیاں کسی بڑے پیمانے پر نہیں جانی جا سکیں۔ لیکن بدو شعور ہی سے آپ کے اندر اسلام اور اہل اسلام کو کامیاب و کامران اور سر بلند دیکھنے کی جو آرزو کارفرما تھی اس نے آپ کو مرزا صاحب سے بیگانہ بھی نہ رہنے دیا پہلے پہل جب مرزا صاحب نے نہایت ''معصومانہ'' انداز سے حمایت اسلام کا بیڑہ اٹھایا تھا تو دیگر علماء کی طرح آپ کو بھی ان سے ایک گونہ عقیدت پیدا ہو گئی تھی۔ لیکن جب مرزا صاحب کا خبث باطن منظر عام پر آ گیا تو آپ بھی ان کے خلاف میدان کارزار میں کود پڑے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے دیگر علماء کرام سے آگے نکل گئے۔ ان دونوں کیفیات کی تفصیل مولانا نے خود بیان فرمائی ہے۔

مرزا صاحب سے مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی ابتدائی ملاقات

مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

جس طرح مرزا صاحب کی زندگی کے دو حصے ہیں۔ (براہین احمدیہ تک اور اس سے بعد) اسی طرح مرزا صاحب سے میرے متعلق کے بھی دو حصے ہیں۔ براہین احمدیہ تک، اور براہین سے بعد، براہین تک میں مرزا صاحب سے حسن ظن تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ جب میری عمر کوئی ۱۷، ۱۸ سال کی تھی میں بشوق زیارت بٹالہ سے پاپیادہ تنہا قادیان گیا۔ [1] ان دنوں مرزا

---

[1] بٹالہ سے قادیان کا فاصلہ گیارہ میل ہے۔

صاحب ایک معمولی مصنف کی حیثیت میں تھے۔ مگر باوجود شوق اور محبت کے میں نے جو وہاں دیکھا مجھے خوب یاد ہے کہ میرے دل میں جو ان کی بابت خیالات تھے وہ پہلی ملاقات میں مبدل ہو گئے جس کی صورت یہ ہوئی کہ میں ان کے مکان پر دھوپ میں بیٹھا تھا۔ وہ آتے ہی بغیر اس کے کہ السلام علیکم کہیں، یہ کہا کہ تم کہاں سے آئے ہو؟ کیا کام کرتے ہو؟ میں ایک طالب علم علماء کا صحبت یافتہ تھا۔ فوراً میرے دل میں آیا کہ انہوں نے مسنون طریقہ کی پرواہ نہیں کی۔ کیا وجہ ہے؟ مگر چونکہ حسن ظن غالب تھا۔ اس لیے یہ وسوسہ دب کر رہ گیا۔ [1]

مرزا صاحب کے دعوائے مسیحیت پر مولانا امرتسری رحمہ اللہ کا ردعمل

یہ تو اس وقت کی بات ہوئی۔ جب مولانا محض ایک طالب علم اور مرزا صاحب محض ایک مبلغ اسلام تھے۔ لیکن جب مرزا صاحب دعوائے مسیحیت کے ساتھ جلوہ طراز ہو گئے تو اس پر مولانا کے جو کچھ تاثرات تھے انہیں مولانا ہی کے الفاظ میں سنئے۔ فرماتے ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے جب سے دعوی مسیحیت موعودہ کا کیا ہے فقیر (مولانا امرتسری رحمہ اللہ) ان کے دعاوی کی نسبت بڑے غور وفکر سے تامل کرتا رہا۔ اور ان کے ہوا خواہوں کی تحریریں جہاں تک دستیاب ہوئیں عموماً دیکھیں، استخارات سے کام لیا۔ مباحثات ومناظرات کیے۔

ایک دفعہ کا واقعہ خاص قابل ذکر ہے کہ حکیم نورالدین صاحب سے بمقام امرتسر رات کے وقت تخلیہ میں کئی گھنٹہ گفتگو ہوئی۔ آخر حکیم صاحب نے فرمایا کہ ہمارا تجربہ ہے کہ بحث و مباحثہ سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا آپ حسب تحریر مرزا صاحب مندرجہ رسالہ نشان آسمانی [2] استخارہ کیجئے۔ اللہ کو جو منظور ہوگا۔ آپ پر کھل جائے گا۔

ہر چند میں ایسے استخاروں اور خوابوں پر بمقابلہ نصوص شرعیہ کے اعتماد اور اعتبار کرنا ضمناً دعوی عصمت یا مساوات معصوم بلکہ برتری کے برابر جانتا تھا، تاہم ایک محقق کے لیے کسی جائز

---

[1] تاریخ مرزا طبع ششم ص ۶۹۔

[2] یہ رسالہ ۲۶ مئی ۱۸۹۲ء کو پہلی بار طبع ہوا تھا۔

طریق فیصلہ پر عمل نہ کرنا جیسا کچھ شاق ہوتا ہے مجھے بھی ناگوار تھا کہ میں حسب تحریر مرزا جی ان کی نسبت استخارہ نہ کروں، چنانچہ میں نے پندرہ روزہ حسب تحریر نشان آسمانی، مصنفہ مرزا جی استخارہ کیا۔ اور میرا رب جانتا ہے کہ میں نے اپنی طرف سے صفائی میں کوئی کسر نہ رکھی۔ بالکل رنج اور کدورت کو الگ کر کے نہایت تضرع کے ساتھ جناب باری میں دعائیں کیں۔ بلکہ جتنے دنوں تک استخارہ کرتا رہا اتنے دنوں تک مرزا جی کے بارے میں مجھے یاد نہیں کہ میں نے کسی سے مباحثہ یا مناظرہ بھی کیا ہو۔ آخر چودھویں رات میں نے مرزا جی کو خواب میں دیکھا کہ آپ ایک تنگ مکان میں سفید فرش پر بیٹھے ہیں۔ میں ان کے قریب بیٹھ گیا اور سوال کیا کہ آپ کی مسیحیت کے دلائل کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ تم دو زینے چھوڑ جاتے ہو۔ پہلے حضرت مسیح کی وفات کا مسئلہ، دوئم عدم رجوع کا مسئلہ طے ہونا چاہئے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ ان دونوں کو طے شدہ ہی سمجھئے۔ میری غرض یہ ہے کہ اس پیشگوئی کے الفاظ میں جتنے لفظوں کی حقیقت محال ہے ان کو چھوڑ کر حسب قاعدہ علمیہ باقی الفاظ میں مہما امکن مجاز کیوں مراد ہے۔ یعنی اگر بجائے مسیح کے مثیل مسیح بھی آئے تو ان مقامات پر جہاں کا ذکر احادیث صحیحہ میں آیا ہے کیوں نہ آئے۔ کیونکہ ان مقامات پر مسیح یا مثیل مسیح کا آنا محال نہیں۔ اس کا جواب مرزا صاحب نے ابھی دیا ہی نہ تھا کہ دو آدمی اور آ گئے۔ ان کی آؤ بھگت میں ہم دونوں ایک دوسرے کی مواجہت سے ذرا الگ ہوئے تو مرزا جی کو دیکھتا ہوں کہ لکھنؤ کے شہدوں کی طرح سکڑا سا چہرہ اور داڑھی بالکل رگڑ کر کتری ہوئی ہے۔ سخت حیرانی ہوئی۔ اسی حیرانی میں بیدار ہو گیا۔ جس کی تعبیر میرے ذہن میں آئی کہ مرزا کا انجام اچھا نہیں۔ [1]

ردقادیانیت کا آغاز وارتقا

اس اقتباس سے ایک طرف یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے شرعی دلائل وشواہد کی روشنی میں بھی اور خود مرزا صاحب کے بتلائے ہوئے طریقہ تحقیق کے مطابق بھی ان کے دعاوی کو خوب خوب جانچا، لیکن انہیں ہر معیار پر کھوٹا، غلط اور پر فریب پایا۔

دوسری طرف اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ مولانا نے اس مذکورہ استخارے سے پہلے بھی مرزا

---

[1] الہامات مرزا طبع ثالث ص ۴، ۵، ۶

صاحب کے دعوے کی بابت بحث ومباحثہ کا سلسلہ خاصی گرمجوشی کے ساتھ جاری کر رکھا تھا اور اس استخارے کے بعد بھی۔ متعدد قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ استخارہ ۱۸۹۲ء اور ۱۸۹۴ء کے درمیان کسی وقت کیا گیا تھا۔ اس لیے سمجھنا چاہئے کہ مولانا نے تعلیم سے فارغ ہوکر واپس آتے ہی مرزا صاحب کی تردید کا محاذ سنبھال لیا تھا۔ لیکن آپ نے اپنے اس ابتدائی دور میں جو اقدامات کئے اور جن مواقع پر کئے سخت افسوس ہے کہ ہماری دانست کی حد تک اب ان کے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ موجود نہیں ہے تاہم ان کی اہمیت کا اندازہ اس طرز تخاطب سے لگایا جا سکتا ہے جو مرزا صاحب نے مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے بالمقابل اختیار کیا تھا۔

مرزا صاحب نے ۱۸۹۶ء میں انجام آتھم لکھی اس میں اپنے مکذبین پر بری طرح برسے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

اے بدذات فرقہ مولویاں! تم کب تک حق کو چھپاؤ گے؟ کب وہ وقت آئے گا کہ تم یہودیانہ خصلت چھوڑو گے؟ اے ظالم مولویو! تم پر افسوس کہ تم نے جس بے ایمانی کا پیالہ وہی عوام کالانعام کو پلایا۔ (روحانی خزائن ص ۲۱، ج ۱۱)

اسی سلسلہ میں آگے چل کر مرزا صاحب نے اپنے اشد اور نامی مخالفین میں مولانا محمد حسین بٹالوی اور مولانا احمد اللہ امرتسری رحمہ اللہ کے پہلو بہ پہلو مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کا نام بھی لکھا ہے۔ اور ان تینوں کی بابت ارشاد فرمایا ہے کہ۔

"یہ جھوٹے ہیں اور کتوں کی طرح جھوٹ کا مردار کھاتے ہیں۔" (روحانی خزائن ص ۳۰۹، ج ۱۱)

اس کتاب کے ضمیمہ ص ۲۰ کے حاشیہ سے یہ بھی معلوم ہے کہ اس کتاب کی تالیف سے پہلے ہی مرزائیت کی تردید میں مولانا امرتسری رحمہ اللہ کی سرگرمیاں اس مقام کو پہنچ چکی تھیں کہ مرزا صاحب اور مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے درمیان مباہلہ کے لیے سلسلہ جنبانی اور خط وکتابت کا آغاز ہو چکا تھا۔ پھر اس کتاب کے ضمیمہ ص ۲۰ میں بھی مرزا صاحب نے مولانا امرتسری رحمہ اللہ اور دیگر علماء کو دعوت مباہلہ دی ہے۔ (روحانی خزائن ص ۳۰۴، ج ۱۱) یہ الگ بات ہے کہ جب یہ علماء مباہلہ کے لیے مدمقابل آئے تو مرزا صاحب صاف مکر گئے۔

انجام آتھم کی تصنیف کا پس منظر یہ ہے کہ ڈپٹی عبداللہ آتھم کو مرزا صاحب کی پیشینگوئی کے

مطابق ۵ ستمبر ۱۸۹۴ء تک مرجانا چاہیے تھا۔ لیکن وہ اپنی پیرانہ سالی کے باوجود زندہ رہا۔ اس پر علمائے کرام اور عامۃ المسلمین نے مرزا جی کی وہ درگت بنائی کہ منہ دکھانا مشکل ہو گیا۔ لیکن تقریباً مزید دو سال بعد ۲۷ جولائی ۱۸۹۶ء کو آتھم وفات پا گیا تو مرزا صاحب نے جھٹ انجام آتھم لکھی اور اپنی لمبی چوڑی بکواس کے ساتھ ساتھ اپنے مخالف علماء کرام کو دل کھول کر گالیاں بھی دیں۔ اس تفصیل سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ ۱۸۹۴ء یا اس سے پہلے ہی ردقادیانیت میں اتنی پیش رفت کر چکے تھے کہ ان کا نام صف اول کے مجاہدین کے پہلو بہ پہلو آنا شروع ہو گیا تھا۔

پھر ۲۵ مئی ۱۹۰۰ء کو مرزا صاحب نے ''معیار الاخیار'' کے نام سے ایک اشتہار شائع کیا۔ اور اس میں کبار علماء کو مباحثہ کی دعوت دی۔ اس اشتہار کے مدعوئین میں بھی مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کا نام موجود ہے۔ اور اس اشتہار کے جواب میں جو لوگ مباحثہ کے لیے اٹھے ان میں بھی مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ پیش پیش تھے۔

اسی طرح ۲۰ جولائی ۱۹۰۰ء کو مرزا صاحب نے ایک اشتہار کے ذریعہ پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑہ اور مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ [1] کو دعوت دی کہ:

''میرے مقابل سات گھنٹہ زانو بزانو بیٹھ کر چالیس آیات قرآنی کی عربی تفسیر لکھیں۔ جو بتقطیع کلاں بیس ورق سے کم نہ ہو۔ پھر جس کی تفسیر عمدہ ہو گی وہ مؤید من اللہ سمجھا جائے گا۔ [2]

اس مقابلہ تفسیر نویسی کی روداد نہایت دلچسپ ہے۔ لاہور میں مقررہ مقام پر مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء تشریف لائے۔ لیکن مرزا صاحب قادیان میں گھر کے اندر ہی دبک کر بیٹھ رہے اور وہیں سے علماء اسلام کے فرار کا اشتہار شائع کر دیا۔

ان چند متفرق واقعات سے مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی اس ٹھوس جدوجہد کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو آپ نے ردقادیانیت کے سلسلے میں اس فتنے کے نمود و ظہور کے ابتدائی ایام ہی سے اختیار کر رکھی تھی افسوس ہے کہ اس دور کی سرگرمیوں کی تفصیلات دستیاب نہ ہو سکیں۔

---

1. دیکھئے مرقع قادیانی جنوری ۱۹۳۲ء ص ۱۳۔
2. تاریخ مرزا ص ۵۷۔ و مجموعہ اشتہارات حضرت مسیح موعود ص ۳۲۵، ج ۳

قادیانیت کی تردید مرزا جی کی زندگی میں

①

الہامات مرزا کی تالیف اور اس کے اثرات

(۱۹۰۱ء)

یہ کتاب مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے ان دعاوی اور استخارات کے بعد تصنیف کی تھی جن کا ذکر پچھلے صفحات میں گذر چکا ہے۔ آپ نے اس کی تصنیف کے لیے قلم اس وقت اٹھایا تھا، جب آپ تدریسی مشاغل سے کنارہ کش ہو کر اہل باطل کی تردید کے لیے تحریر وتقریر کے میدان میں اتر چکے تھے۔ اس کتاب کے تیسرے اڈیشن کے دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قادیانیت کی تردید میں آپ کی یہ پہلی باقاعدہ اور مستقل تصنیف ہے۔

مرزا صاحب کے سلسلہ میں اصل موضوع بحث صرف ایک ہی چیز ہو سکتی تھی کہ آیا وہ اپنے دعوئے مسیحیت میں صادق ہیں یا کاذب؟ لیکن مرزا صاحب کی ہوشیاری دیکھیے کہ وہ علمائے اسلام کو حیات ووفات مسیح کی طول طویل بحث میں الجھا کر اصل مسئلہ سے لوگوں کی توجہ ہٹائے رکھتے تھے اور علمائے کرام یہ سمجھ کر اس مسئلہ میں الجھے ہوئے رہتے تھے کہ آسمان پر مسیح علیہ السلام کا رہنا اور قرب قیامت میں وہاں سے نازل ہونا ثابت کر دیا جائے تو مرزا صاحب خود بخود جھوٹے ثابت ہو جائیں گے۔ کیونکہ مرزا صاحب آسمان سے اترنے کے بجائے قادیان میں پیدا ہوئے لیکن اس علمی بحث کا نتیجہ یہ تھا کہ مرزا صاحب کی اصل حقیقت بے نقاب نہ ہو پاتی تھی اور عوام یہ سمجھتے تھے کہ یہ بھی اسلام کے بہت سے اختلافی مسائل کی طرح ایک اختلافی مسئلہ ہے

جس میں مختلف رائیں ہو سکتی ہیں۔ مرزا صاحب کو اس سے یہ فائدہ تھا کہ وہ کسی خاص مشکل میں پڑے بغیر لوگوں کو اپنے دام فریب میں گرفتار کرتے رہتے تھے۔

اس صورت حال کے مدنظر مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے ادھر ادھر کی تمام طولانی بحثوں سے دامن سمیٹ کر اپنی اس کتاب ''الہامات مرزا'' میں پوری بحث صرف اس ایک نقطہ پر مرکوز کر دی ہے کہ مرزا صاحب اپنے دعوے میں صادق ہیں یا کاذب؟ اور پھر ان کے جھوٹ اور سچ کو پرکھنے کے لیے معیار بھی اسی چیز کو قرار دیا ہے جسے خود مرزا صاحب نے اپنی سچائی اور جھوٹ کا معیار کہا ہے۔ اس بارے میں مرزا صاحب کا ارشاد یہ ہے کہ:

''ہمارا صدق یا کذب جانچنے کے لیے ہماری پیش گوئی سے بڑھ کر کوئی امتحان نہیں ہو سکتا۔'' ❶

مولانا امرتسری رحمہ اللہ، مرزا صاحب کا یہ ارشاد نقل کر کے لکھتے ہیں:

''چونکہ قادیانی مذہب کی جانچ کا یہی ایک اصل الاصول ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم اس طریق سے اس ادعا کی جانچ کریں جس سے مرزا صاحب کے الہامی ہونے کی حقیقت کھل جائے۔'' ❷

چنانچہ مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے اس کتاب کے پہلے اڈیشن میں مرزا صاحب کی ان چار پیشین گوئیوں پر بحث کی ہے جو اس وقت تک شائع ہو کر منظر عام پر آ چکی تھیں۔ مولانا نے ہر ہر پیشین گوئی پر کئی پہلو سے بحث کی ہے اور خود مرزا صاحب کی عبارتوں اور ان کے بیانات کی روشنی میں نہایت ٹھوس دلائل سے ثابت کیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک پیشین گوئی اپنے وقت پر غلط اور جھوٹی ثابت ہوئی ہے جو مرزا صاحب کے جھوٹے اور بر خود غلط ہونے کی واضح نشانی ہے۔ بعد کے اڈیشنوں میں مولانا نے اسی نہج پر ان مزید پیشین گوئیوں پر بحث کا اضافہ کیا ہے جنہیں مرزا صاحب نے بعد کے ادوار میں ارشاد فرمایا تھا:

---

❶ آئینہ کمالات اسلام ص ۲۸۸ و روحانی خزائن ص ۲۸۸، و مجموعہ اشتہارات ص ۱۵۹، ج ا

❶ دیباچۂ الہامات مرزا، طبع ششم، ص ۲۔

یہ کتاب قادیانیت کی تردید کے موضوع پر شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے اور اپنی نظیر آپ ہے۔اس کی اشاعت نے بہت سے اہل ایمان کے ڈگمگاتے ہوئے قدم جمادیئے اور قادیانی صف کے اندر ہلچل مچادی۔ مرزا صاحب کے ایک بڑے خصوصی مرید اور عظیم موید ڈاکٹر عبدالحکیم پٹیالوی کے خیالات میں سب سے پہلا تغیر اسی کتاب کے ذریعہ آیا۔ پھر وہ ۱۹۰۶ء میں قادیانیت سے تائب ہوگئے اور اس کے بعد اتنی سرگرمی کے ساتھ مرزا صاحب کی تردید شروع کردی کہ مرزا صاحب کے مرتے دم تک بلکہ مرنے کے بعد بھی ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔

یہ کتاب جب منظر عام پر آئی تو وقت کے بڑے بڑے علماء اور شیوخ نے اس کی اہمیت کا اعتراف کیا۔مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے استاد مولانا حافظ عبدالمنان صاحب محدث وزیرآبادی نے فرمایا:

''اس سے بڑھ کر اس مضمون میں کوئی رسالہ میری نظر سے نہیں گذرا۔مرزا کے اکذب الناس ہونے پر حجت واضح ہے۔مرزا کے عقائد میں متر ددین کا تو کیا ذکر معتقدین کے اعتقاد کو بھی (بشرط انصاف) ہلا دینے والا ہے۔''

مولانا کے ایک استاد مولانا احمد اللہ صاحب امرتسری رحمہ اللہ نے فرمایا:

''کتاب الہامات مرزا، واسطے تردید مرزا کے نرالی طرز کی ہے۔مصنف عاقبت اندیش اس کو دیکھ کر کبھی مرزا کا معتقد نہیں رہ سکتا۔''

اور پیر مہر علی شاہ گولڑوی نے فرمایا:

''میں امید کرتا ہوں کہ آپ کے رسالہ (الہامات مرزا) کے ملاحظہ سے جس قدر اہل حق کے لیے تقویت ہوگی اسی قدر بلکہ اس سے بڑھ کر مقابل کے دل میں رعب ڈالا جائے گا۔''[1]

اور واقعی پیر صاحب کی یہ توقع حرف بحرف پوری ہوئی۔مرزا صاحب مرتے دم تک اس کا جواب نہ دے سکے حالانکہ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۰۱ء کے اخیر یا ۱۹۰۲ء کے شروع میں شائع ہوا تھا۔(جو ہاتھوں ہاتھ نکل گیا) پھر جلد ہی دوسرا اڈیشن شائع ہوا (اور وہ بھی دیکھتے ہی

---

[1] ان اقتباسات کے لیے ملاحظہ ہو، الہامات مرزا طبع ثالث ص ا۔

دیکھتے نکل گیا) اور پہلے ایڈیشن کے ساتھ مرزا صاحب کو یہ چیلنج دیا گیا تھا کہ جواب لکھیں تو چھپا تھا اور اس انعام کے ساتھ کر پانچ سو روپے نقد دیے جائیں گے دوسرے ایڈیشن پر یہ رقم ایک ہزار کر دی گئی۔ اس چیلنج اس سے قادیانی صفوں میں کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ اس لیے تیسرے ایڈیشن کے موقع پر ایک سال کا انتظار کیا گیا کہ شاید کچھ قادیانی ہفوات نمودار ہوں۔ مگر مرزا صاحب اس طرح مرعوب تھے کہ اس رسالے کے جواب میں ان کے قلم سیال سے ایک حروف بھی نہ ٹپک سکا۔ آخر ۱۹۰۴ء کے وسط میں تیسرا اڈیشن شائع ہوا اور انعامی رقم دو ہزار کر دی گئی۔ مگر قادیانی سلطان القلم کا قلم مرتے دم تک حرکت میں نہ آسکا۔

بعد میں اس کتاب کے مزید تین یا تین سے زیادہ اڈیشن شائع ہوئے۔ ہر اڈیشن پر مولانا نے تازہ بتازہ مباحث کا اضافہ کر کے اس رسالہ کو اپنے موضوع پر انتہائی مکمل، یکتا اور منفرد بنا دیا۔

۲

موضع مد ضلع امرتسر رحمہ اللہ میں مناظر

(اکتوبر ۱۹۰۲ء)

الہامات مرزا کی اشاعت سے مرزا صاحب اور ان کے ہوا خواہوں کو جو زخم لگا تھا وہ ابھی ہرا ہی تھا کہ ان پر ایک اور اچانک ایک اور مصیبت آپڑی جو خود ان کی اپنی لائی ہوئی تھی۔ مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں:

"تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ موضع مدہ ضلع امرتسر میں مرزائیوں نے شور و شغب کیا تو ان لوگوں نے (یعنی باشندگان موضع مدنے) لاہور ایک آدمی بھیجا کہ وہاں سے کسی عالم کو لاؤ کہ ان سے مباحثہ کریں۔ اہلِ لاہور کے مشورے سے......

قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند

ایک تار آیا۔ اور صبح ہوتے ہی جھٹ سے ایک آدمی آ پہنچا کہ چلئے ورنہ گاؤں کا گاؤں بلکہ اطراف کے لوگ بھی سب گمراہ ہو جائیں گے۔ خاکسار چار و ناچار موضع مذکور پہنچا، مباحثہ ہوا۔ (1)

یہ مناظرہ ۲۹/۳۰/ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو ہوا تھا اور بڑے پیمانے پر اور بڑی دھوم دھام سے ہوا تھا۔ مرزائیوں کے مناظر مولوی سرور شاہ تھے۔ موضوع بحث یہ تھا کہ مرزا صاحب اپنے الہامی دعوؤں میں سچے ہیں یا جھوٹے؟ (2) مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے مرزا صاحب کے مقرر کیے ہوئے معیار اور اصول کے مطابق انہیں قطعی طور پر جھوٹا اور فریب کار ثابت کیا۔ بیچارے سرور شاہ صاحب نے مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے دلائل توڑنے اور ان کی گرفتوں سے جان چھڑانے کے لیے بہت ہاتھ پاؤں مارے، مگر...... ع

کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

آخر شکست فاش کھا کر بڑی رسوائی و روسیاہی کے ساتھ اپنے رفقاء سمیت میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ (3) مرزا جی کے ان فرستادوں نے جب قادیان پہنچ کر اس المناک انجام کی داستان اور اپنی ذلت و رسوائی کے احوال ان کے گوش گذار کیے تو انہوں نے فرط حسرت سے بڑے دردانگیز اور کرب خیز اشعار کہے اور جوش غضب میں مولانا امرتسری رحمہ اللہ کو دل کھول کر گالیاں دیں۔ بطور ان کی چند گالیاں آپ بھی سن لیجیے۔ جو یہ ہیں:

> ''تباہ کن، گمراہ اور گمراہ کن، جھوٹا، مفسد، بھڑیئے کی طرح بھونکنے والا، کتے کی طرح بھونکنے والا، بھیڑیا، متکبر، جہنم کا رہنما، احمق، اجڈ، ہذیان گو، فتنہ خیز، فساد انگیز، آتش فساد بھڑکانے والا، جال، بھوت، ابن الہویٰ، صاحب مکائد، بچھوؤں کی طرح ڈنگ مارنے والا، بے روح جسم، ہانڈی کی طرح جوش مارنے والا، نافہم، غدار الزماں، خاسر، راغم الانف، فحش گو، وغیرہ وغیرہ۔ (4)

اس مناظرے کے اثرات و نتائج مسلمانوں کے حق میں بہت ہی خوشگوار رہے۔ قادیانی

---

(1) الہامات مرزا طبع ششم، ص،۹۵۔
(2) کادیہ ج ۲،ص ۳۴۶، الہامات مرزا،ص ۲۸، ۲۹۔
(3) کادیہ، ج۱،ص ۸۵۔
(4) دیکھیے قصائد احمدیہ، ص ۱۰۷ تا ۱۳۳۔

مکروفریب کا پردہ اس طرح چاک ہو گیا تھا کہ سادہ لوح مسلمانوں کے ڈگمگاتے ہوئے قدم پوری مضبوطی کے ساتھ اسلام پر جم گئے۔ موضع مد اور اس کے اطراف کے لوگوں کے گمراہ ہونے کا خطرہ جاتا رہا۔ قادیانی بے یارومددگار اور یکہ وتنہا رہ گئے اور جن لوگوں نے قادیانیوں کو جوش حمایت میں چندے دیئے تھے۔ اب وہ بھی قادیانیوں کے مخالف تھے۔ مرزا صاحب نے اپنے قصیدہ میں ان سارے ''مصائب'' کا بڑے درد انگیز، حسرت ناک اور غضب آلود انداز میں رونا رویا ہے۔ سرزمین مد کو عذاب کی دھمکی دی ہے اور اپنی بے کسی کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے۔

فافردت افراد الحسین بکربلا وفی الحی صرنا مثل من کان یقبر

پس اس جگہ میں اکیلا رہ گیا جیسا کہ حسین کربلا میں اور اس قوم میں ہم ایسے ہو گئے جیسا کہ مردہ دفن کیا جاتا ہے۔ ❶

اس قصیدہ کے دعائیہ کلمات بھی مرزا جی کی دلفگاری کے آئینہ دار ہیں۔ لکھتے ہیں:

سئمنا تکالیف التطاول من عدا تمادت لیالی الجوریا ربی انصر

طردنا لوجھک من مجالس قومنا فانت لنا حب فرید ومؤثر

ہم نے ظلم کی تکلیفیں دشمنوں سے اٹھائیں اور ظلم کی راتیں لمبی ہو گئیں، اے اللہ مدد کر۔ اے میرے اللہ! تیرے منہ کے لیے ہم اپنی مجلسوں سے رد کر دیئے۔ پس تو ہمارا یگانہ دوست ہے جو سب پر اختیار کیا گیا۔ ❷

یہ معلوم ہے کہ اب تک مولانا محمد حسین بٹالوی مرزا صاحب کے سب سے بڑے حریف پنجہ فگن تھے لیکن اب اس مناظرے کے بعد مرزا صاحب کے دل ودماغ پر مولانا امرتسری رحمہ اللہ کی ہیبت کا بوس بن کر سوار ہو گئی اور وہ مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کو سب سے سخت گیر مناظر قرار دینے لگے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

الارب خصم قدرایت جدالہ وما ان رأینا مثلہ من یزور

خبردار رہو! میں نے بہت سے بحث کرنے والے دیکھے ہیں مگر اس (مولانا ثناء اللہ)

---

❶ یہ مرزا صاحب کا اپنا کیا ہوا ترجمہ ہے۔ اعجاز احمدی ص ۴۴ وروحانی، ص ۱۵۵، ج ۱۹

❷ ایضاً، اعجاز احمدی ص ۴۷ وروحانی خزائن ص ۱۵۸، ج ۱۹

جیسا فریبی میں نے کوئی نہیں دیکھا۔ ❶

فاوصیک یاردف الحسین ابا الوفا انب واتق اللہ المحاسب، واحذر
پس میں تجھے نصیحت کرتا ہوں اے محمد حسین (بٹالوی) کے پیچھے پیچھے چلنے والے
ابوالوفا! اللہ کی طرف جھک اور حساب لینے والے اللہ سے خوف کھا اور ڈر۔ ❷

(۳)

مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ قادیان میں

(جنوری ۱۹۰۳ء)

مرزا صاحب کے جس قصیدے کا ابھی ہم نے ذکر کیا ہے وہ موضع مد میں قادیانیوں کی شکست فاش کی یادگار تو تھا ہی، مرزا صاحب کی آئندہ کچھ شکستوں، ذلتوں اور رسوائیوں کا بھی پیش خیمہ ثابت ہوا اور خود مرزا جی کی حکمت عملی وجہ سے ہوا۔ ہوا یہ کہ مرزا جی نے جب یہ قصیدہ تیار کیا تو شکست کا داغ دھلنے کے لیے اسے معجزہ قرار دے دیا اور اس کا نام قصیدہ اعجازیہ رکھا۔ پھر مزید کچھ دعوے اور تحدیات لکھ کر اعجاز احمدی کے نام سے اسے کتابی شکل میں شائع کر دیا اور اس کتاب ''اعجاز احمدی'' کے ص ۸۸ ❸ پر اس مضمون کا اشتہار دیا کہ ''اگر مولوی ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ اتنی ہی ضخامت کا رسالہ اردو عربی نظم جیسا میں نے بنایا ہے پانچ روز میں بنا دے تو میں دس ہزار روپیہ اس کو انعام دوں گا'' اس کے جواب میں مولانا نے جو کچھ کارروائی کی وہ ان ہی کی زبانی سنیے! لکھتے ہیں:

''میں نے ۲۱/ نومبر ۱۹۰۲ء کو ایک اشتہار دیا جس کا خلاصہ ۲۹/ نومبر ۱۹۰۲ء کے پیسہ اخبار لاہور میں چھپا تھا کہ آپ (مرزا جی) پہلے ایک مجلس میں اس قصیدہ اعجازیہ کو ان غلطیوں سے جو میں پیش کروں صاف کر دیں تو پھر میں آپ سے زانو بزانو بیٹھ کر عربی نویسی کروں گا۔ یہ کیا بات ہے کہ آپ گھر سے تمام زور لگا کر ایک مضمون اچھی خاصی مدت میں لکھیں اور مخاطب کو جسے آپ کی مہلت کا کوئی علم

---

❶ اعجاز احمدی ص ۴۸ وروحانی، ص ۱۶۰، ج ۱۹

❷ اعجاز احمد ص ۵۴ وروحانی خزائن، ص ۱۶۶، ج ۱۹ ❸ روحانی خزائن ص ۲۰۲، ج ۱۹

نہیں، محدود وقت کا پابند کریں۔ اگر واقعی آپ اللہ کی طرف سے ہیں اور جدھر آپ کا منہ ہے، ادھر اللہ کا منہ ہے (جیسا کہ آپ کا دعویٰ ہے) تو کوئی وجہ نہیں کہ آپ میدان میں طبع آزمائی نہ کریں بلکہ بقول حکیم سلطان محمود ساکن راولپنڈی......

بنائی آڑ کیوں دیوار گھر کی
نکل دیکھیں تری ہم شعر خوانی

حرم سرا ہی سے گولہ باری کریں[1]۔

مرزا جی اور ان کی امت کے اعصاب پر مولانا امرتسری رحمہ اللہ کی ہیبت اس طرح سوار تھی کہ کسی کو اس چیلنج کے جواب میں میدان کے اندر آنے کی جرأت نہ ہوئی بلکہ شیر پنجاب کی یہ گرج سن کر قادیان کوچۂ بازار اور در و دیوار پر سناٹا چھا گیا۔

مولانا نے اپنے اشتہار میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگر آپ مجلس میں اغلاط نہ سنیں گے تو میں اپنے رسالہ میں ان کا ذکر کر دوں گا۔ چنانچہ مولانا نے ''الہامات مرزا'' کی اگلی اشاعتوں میں دکھلایا ہے کہ یہ قصیدہ جسے مرزا جی معجزہ قرار دے رہے ہیں۔ اس کے کم از کم پچاس اشعار فصاحت و بلاغت تو در کنار صحت کے درجہ سے بھی گرے ہوئے ہیں اور شدید ترین فنی عیوب اور قباحتوں کا مرقع ہیں۔ باقی رہا عربی زبان و ادب کا معاملہ تو اس لحاظ سے تو پورا کا پورا قصیدہ ہی لچر پوچ ہے۔

خیر اس طرح کی ضربیں تو مرزا صاحب سہنے کے عادی تھے ہی لیکن اس سلسلہ میں جو دوسرا واقعہ پیش آیا وہ خاصا اہم اور موثر تھا اور اس نے مرزا صاحب کے اعجاز و الہام کی قلعی کھول کر رکھ دی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اسی اعجاز احمدی میں ص ۱۱ پر مرزا صاحب نے فرط جوش میں لکھ مارا۔

''اگر یہ (مولوی ثناء اللہ) سچے ہیں تو قادیان میں آ کر کسی پیشین گوئی کو جھوٹی تو ثابت کریں اور ہر ایک پیشین گوئی کے لیے ایک سو روپیہ انعام دیا جائے گا اور آمد و رفت کا کرایہ علیحدہ۔''[2]

---

[1] الہامات مرزا، ص ۹۶ [2] روحانی خزائن، ص ۱۱۸، ج ۱۹

پھر ص ۲۳ پر لکھا:

''مولوی ثناء اللہ نے (مباحثہ مد میں) کہا تھا کہ سب پیشگوئیاں جھوٹی نکلیں اس لیے ہم (مرزا) ان کو مدعو کرتے ہیں اور اللہ کی قسم دیتے ہیں کہ وہ اس تحقیق کے لیے قادیان میں آئیں۔ یاد رہے کہ رسالہ نزول المسیح میں ڈیڑھ سو پیشگوئی میں نے لکھی ہے تو گویا جھوٹ ہونے کی حالت میں پندرہ ہزار روپیہ مولوی ثناء اللہ صاحب لے جائیں گے اور در بدر کی گدائی کرنے سے نجات ہوگی بلکہ ہم اور پیشگوئیاں بھی معہ ثبوت ان کے سامنے پیش کر دیں گے اور اسی وعدہ کے موافق فی پیشگوئی سو روپیہ دیتے جاویں گے۔ اس وقت ایک لاکھ سے زیادہ میری جماعت ہے۔ پس اگر میں مولوی صاحب موصوف کے لیے ایک ایک روپیہ بھی اپنے مریدوں سے لوں گا تب بھی ایک لاکھ روپیہ ہو جائے گا وہ سب ان کی نذر ہوگا۔ جس حالت میں دو دو آنہ کے لیے وہ در بدر خراب ہوتے پھرتے ہیں اور اللہ کا قہر نازل ہے اور مردوں کے کفن [1] اور وعظ کے پیسوں پر گذارہ ہے۔ ایک لاکھ روپیہ حاصل ہو جانا ان کے لیے ایک بہشت ہے لیکن اگر میرے اس بیان کی طرف توجہ نہ کریں اور اس تحقیق کے لیے پابندی شرائط مذکورہ جس میں بشرط ثبوت تصدیق ورنہ تکذیب دونوں شرط ہیں۔ قادیان میں نہ آئیں تو لعنت ہے اس لاف وگزاف پر جو انہوں نے موضع مد میں مباحث کے وقت کی اور سکت بے حیائی سے جھوٹ بولا...... وہ انسان کتوں سے بدتر ہے جو بلاوجہ بھونکتا ہے اور وہ زندگی لعنتی ہے جو بے شرمی سے گذرتی ہے۔'' [2]

ان ''ارشادات عالیہ'' اور ''کلمات طیب'' سے مرزا صاحب کے اپنے دل کی بھڑاس تو نکل سکتی تھی لیکن اس کے مریدوں کے پائے ثبات میں جو لغزش آ چکی تھی، اسے پختگی میں بدلنے

---

[1] یہ مرزا صاحب کا سو فیصدی جھوٹ ہے۔

[2] روحانی خزائن، ص ۱۳۲، ج ۱۹

کے لیے ناگزیر تھا کہ وہ کوئی روحانی حربہ بھی استعمال کریں۔ چنانچہ انہوں نے یہی کیا اور اسی اعجاز احمدی میں ص ۳۷ پر اس چیلنج کے سلسلہ میں مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے متعلق تین پیشین گوئیاں بھی داغ دیں۔ ارشاد ہوا کہ:

''واضح رہے کہ مولوی ثناء اللہ کے ذریعہ سے عنقریب تین نشان میرے ظاہر ہوں گے۔

① ...... وہ قادیان میں تمام پیشگوئیاں کی پڑتال کے لیے میرے پاس ہرگز نہیں آئیں گے اور سچی پیشگوئیوں کی اپنے قلم سے تصدیق کرنا ان کے لیے موت ہوگی۔

② ...... اگر اس چیلنج پر وہ مستعد ہوئے کہ کاذب صادق سے پہلے مر جائے تو وہ ضرور پہلے مریں گے۔

③ ...... اور سب سے پہلے اس اردو مضمون اور عربی قصیدہ کے مقابلہ سے عاجز رہ کر جلد تر ان کی روسیاہی ثابت ہوگی۔''[1]

اب ان تینوں پیشین گوئیوں کا حشر سنیے!

نمبر سوم کے سلسلے میں مولانا نے جو چیلنج دیا اس سے مرزا جی اور ان کی پوری امت عاجز رہ کر روسیاہ ہوئی۔ تفصیل ابھی گذر چکی ہے۔

نمبر دوم کا جواب مولانا کی طرف سے اس کے سوا کیا ہو سکتا تھا کہ وما تدری نفس ماذا تکسب غدا، وماتدری نفس بای ارض تموت۔ کسی متنفس کو معلوم نہیں کہ کل وہ کیا کرے گا اور کون سی سرزمین میں مرے گا لیکن قدرت نے چند برس بعد خود اس کا جواب فراہم کر دیا۔ مرزا جی اس چیلنج پر مستعد ہوئے کہ کاذب، صادق سے پہلے مر جائے اور اس کے بعد مرزا جی (کاذب) اس جہان بے ثبات سے بصد حسرت و یاس گذر گئے۔ اور مولانا امرتسری رحمہ اللہ ان کے بعد چالیس برس تک ان کی امت کی سرکوبی کے لیے زندہ رہے۔

ہاں نمبر اول کا جواب بے شک مولانا کے بس میں تھا یعنی قادیان پہنچنا۔ چنانچہ آپ رمضان شریف (جو شروع ہو چکا تھا) گذرتے ہی۔ ۱۰ر جنوری ۱۹۰۳ء کو پیشین گوئیوں کی پڑتال کے لیے بلائے بے درماں کی طرح قادیان جا دھمکے اور ظاہر ہے کہ صرف آپ کے قادیان پہنچ جانے ہی سے مرزا صاحب کی پیشین گوئی نمبر ا بھی باطل ہوگئی۔

---

[1] روحانی خزائن ص ۱۲۸، ج ۱۹

خیر اب سنیے کہ مولانا نے قادیان پہنچ کر کیا کارروائی کی۔ مولانا فرماتے ہیں:

''۱۰ر جنوری ۱۹۰۳ء کو راقم نے قادیان میں پہنچ کر مرزا جی کو مندرجہ ذیل رقعہ لکھا جو یہ ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بخدمت جناب مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان

خاکسار آپ کی دعوت حسب مندرجہ اعجاز احمدی ص ۱۱ و ص ۲۳ قادیان میں اس وقت حاضر ہے۔ جناب کی دعوت قبول کرنے میں آج تک رمضان شریف مانع رہا ورنہ توقف نہ ہوتا۔ میں اللہ جل شانہ کی قسم کھاتا ہوں کہ مجھے جناب سے کوئی ذاتی خصومت اور عناد نہیں۔ چونکہ آپ (بقول خود) ایک ایسے عہدۂ جلیلہ پر ممتاز و مامور ہیں جو تمام بنی نوع کی ہدایت کے لیے عموماً اور مجھ جیسے مخلصوں کے لیے خصوصاً ہے۔ اس لیے مجھے قوی امید ہے کہ آپ میری تفہیم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں گے اور حسب وعدہ خود مجھے اجازت بخشیں گے کہ میں مجمع میں آپ کی پیشگوئیوں کی نسبت اپنے خیالات ظاہر کروں۔ میں مکرر آپ کو اپنے اخلاص اور صعوبت سفر کی طرف توجہ دلا کر اسی عہدۂ جلیلہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ مجھے ضرور ہی موقع دیں۔''

راقم: ابوالوفاء ثناء اللہ

۱۰ر جنوری ۱۹۰۳ء وقت سواتین بجے دن کے

اس کا جواب مرزا جی کی طرف سے نہایت ہی شیریں اور مزیدار پہنچا جو مندرجہ ذیل ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ ازطرف عائذ باللہ الصمد، غلام احمد، عافاہ اللہ واید۔

بخدمت مولوی ثناء اللہ صاحب!

آپ کا رقعہ پہنچا اگر آپ لوگوں کی صدق دل سے یہ نیت ہو کہ اپنے شکوک و

شبہات پیشگوئیوں کی نسبت یا ان کے ساتھ اور امور کی نسبت بھی جو دعویٰ سے تعلق رکھتے ہوں رفع کرا دیں تو یہ آپ لوگوں کی خوش قسمتی ہوگی اور اگرچہ میں کئی سال ہو گئے کہ اپنی کتاب انجام آتھم میں شائع کر چکا ہوں کہ میں اس گروہ مخالف سے ہرگز مباحثات نہیں کروں گا کیونکہ اس کا نتیجہ بجز گندی گالیوں اور اوباشانہ کلمات سننے کے اور کچھ ظاہر نہیں ہوا۔ مگر میں ہمیشہ طالب حق کے شبہات دور کرنے کے لیے تیار ہوں۔ اگرچہ آپ نے اس رقعہ میں دعویٰ کر دیا ہے کہ میں طالب حق ہوں مگر مجھے تامل ہے کہ اس دعویٰ پر آپ قائم رہ سکیں کیونکہ آپ لوگوں کی عادت ہے کہ ہر ایک بات کو کشاں کشاں بیہودہ اور لغو مباحثات کی طرف لے آتے ہیں اور میں اللہ تعالیٰ کے سامنے وعدہ کر چکا ہوں کہ ان لوگوں سے مباحثات ہرگز نہیں کروں گا۔ سو وہ طریق جو مباحثات سے بہت دور ہے وہ یہ ہے کہ آپ اس مرحلہ کو صاف کرنے کے لیے اول یہ اقرار کریں کہ آپ منہاج نبوت سے باہر نہیں جائیں گے اور وہی اعتراض کریں گے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر یا حضرت موسیٰ پر یا حضرت یونس پر عائد نہ ہوتا ہو اور حدیث اور قرآن کی پیشین گوئیوں پر زور نہ ہو۔ دوسری یہ شرط ہوگی کہ آپ زبانی بولنے کے ہرگز مجاز نہ ہوں گے۔ صرف آپ مختصر ایک سطر یا دو سطر تحریر دیدیں کہ میرا یہ اعتراض ہے پھر آپ کو عین مجلس میں مفصل جواب سنایا جائے گا۔ اعتراض کے لیے لمبا لکھنے کی ضرورت نہیں۔ ایک سطر یا دو سطر کافی ہیں۔ تیسری شرط یہ ہوگی کہ ایک دن میں صرف ایک ہی اعتراض آپ کریں گے کیونکہ آپ اطلاع دے کر نہیں آئے۔ چوروں کی طرح آ گئے اور ہم ان دنوں بباعث کم فرصتی اور کام طبع کتاب کے تین گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں خرچ کر سکتے۔ یاد رہے کہ یہ ہرگز نہیں ہوگا کہ عوام کالانعام کے روبرو آپ وعظ کی طرح لمبی گفتگو شروع کر دیں بلکہ آپ نے بالکل منہ بند رکھنا ہوگا۔ جیسے صم بکم۔ یہ اس لیے کہ تا گفتگو مباحثہ کے رنگ میں نہ ہو جائے۔ اول صرف ایک پیشگوئی کی نسبت سوال کریں۔ تین گھنٹہ تک میں اس کا جواب دے

سکتا ہوں اور ایک ایک گھنٹہ کے بعد آپ کو متنبہ کیا جائے گا کہ ابھی تسلی نہیں ہوئی تو اور لکھ کر پیش کرو۔ آپ کا کام نہیں ہوگا کہ اس کو سناویں۔ ہم خود پڑھ لیں گے مگر چاہیے کہ دو تین سطر سے زیادہ نہ ہو۔ اس طرز میں آپ کا کچھ حرج نہیں ہے۔ کیونکہ آپ تو شبہات [1] دور کرانے آئے ہیں۔ یہ طریق شبہات دور کرانے کا بہت عمدہ ہے۔ میں بآواز بلند لوگوں کو سنادوں گا کہ اس پیشگوئی کی نسبت مولوی ثناء اللہ صاحب کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہوا ہے اور اس کا یہ جواب ہے۔ اسی طرح تمام وساوس دور کردیئے جائیں گے لیکن اگر یہ چاہو کہ بحث کے رنگ میں آپ کو بات کا موقع دیا جائے تو یہ ہرگز نہیں ہوگا۔ چودھویں جنوری ۱۹۰۳ء تک میں اس جگہ ہوں۔ بعد میں ۱۵ر جنوری ۱۹۰۳ء کو ایک مقدمہ کے سلسلہ میں جہلم جاؤں گا۔ سو اگرچہ بہت کم فرصتی ہے لیکن چودھویں جنوری ۱۹۰۳ء تک تین گھنٹہ تک آپ کے لیے خرچ کرسکتا ہوں۔ اگر آپ لوگ کچھ نیک نیتی سے کام لیں تو یہ ایک ایسا طریق ہے کہ اس سے آپ کو فائدہ ہوگا، ورنہ ہمارا اور آپ لوگوں کا آسمان پر مقدمہ ہے۔ خود اللہ تعالیٰ فیصلہ کردے گا۔

سوچ کر دیکھ لو کہ یہ بہتر ہوگا کہ بذریعہ تحریر جو دو سطر سے زیادہ نہ ہو۔ ایک ایک گھنٹہ کے بعد اپنا شبہ پیش کرتے جائیں گے اور میں وہ وسوسہ دور کرتا جاؤں گا۔ ایسا صدہا آدمی آتے ہیں اور وسوسے دور کرا لیتے ہیں۔ ایک بھلا مانس شریف آدمی ضرور اس بات کو پسند کرلے گا۔ اس کو اپنے وساوس دور کرانے ہیں اور کچھ غرض نہیں۔ لیکن وہ لوگ جو اللہ سے نہیں ڈرتے ان کی تو نیت ہی اور ہوتی ہے۔

بالآخر اس غرض کے لیے اب آپ اگر شرافت اور ایمان رکھتے ہیں۔ قادیان سے بغیر تصفیہ کے خالی نہ جاویں۔ دو قسموں کا ذکر کرتا ہوں۔ اول چونکہ میں ''انجام

---

[1] مولانا لکھتے ہیں: چہ خوش ہم تو آپ کی دعوت کے مطابق تکذیب کو آئے ہیں۔ آپ کا یہ کہنا کہ شبہات دور کرانے آئے ہیں آپ کی معمولی بات ہے۔

آتھم'' میں اللہ تعالیٰ سے قطعی عہد کر چکا ہوں [1] کہ ان لوگوں سے کوئی بحث نہیں کروں گا۔ اس وقت پھر اسی عہد کے مطابق قسم کھاتا ہوں کہ میں زبانی آپ کی کوئی بات نہیں سنوں گا۔ صرف آپ کو یہ موقع دیا جائے گا کہ آپ اول ایک اعتراض جو آپ کے نزدیک سب سے بڑا اعتراض کسی پیشگوئی پر ہو ایک سطر یا دو سطر حد تین سطر تک لکھ کر پیش کریں جس کا یہ مطلب ہو کہ یہ پیشگوئی پوری نہیں ہوئی اور منہاج نبوت کے رو سے قابل اعتراض ہے اور پھر چپ رہیں اور میں مجمع عام میں اس کا جواب دوں گا جیسا کہ مفصل لکھ چکا ہوں۔ پھر دوسرے دن اسی طرح دوسری لکھ کر پیش کریں۔ یہ تو میری طرف سے اللہ تعالیٰ کی قسم ہے کہ میں اس سے باہر نہیں جاؤں گا اور کوئی زبانی بات نہیں سنوں گا اور آپ کی مجال نہیں ہوگی کہ ایک کلمہ بھی زبانی بول سکیں اور آپ کو بھی اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ اگر آپ سچے دل سے آئے ہیں تو اس کے پابند ہو جائیں اور ناحق فتنہ و فساد میں عمر بسر نہ کریں۔ اب ہم دونوں میں سے ان دونوں قسموں سے جو شخص انحراف کرے گا اس پر اللہ کی لعنت ہے اور اللہ کرے کہ وہ اس لعنت کا پھل بھی اپنی زندگی میں دیکھ لے۔ [2] آمین۔ سو اب میں دیکھوں گا کہ آپ سنت نبوی کے موافق اس قسم کو پورا کرتے ہیں یا قادیان سے نکلتے ہوئے اس لعنت کو ساتھ لے جاتے ہیں اور چاہیے کہ اول آپ مطابق اس عہد موکد بقسم کے آج ہی ایک اعتراض دو تین سطر کا لکھ کر بھیج دیں اور پھر وقت مقرر کر کے مسجد میں مجمع کیا جائے گا اور آپ کو بلایا جاوے گا اور عام مجمع میں آپ کے شیطانی وساوس دور کر دیئے جائیں گے۔''

مرزا غلام احمد بقلم خود (مہر)

---

[1] یہ بالکل جھوٹ ہے۔ کیونکہ انجام آتھم ۱۸۹۶ء میں چھپی تھی اور مرزا صاحب نے اس کے بعد ۲۵ مئی ۱۹۰۰ء کے اشتہار معیار الاخیار میں علماء کو مباحث کی دعوت دی ہے۔

[2] الحمد للہ مرزا جی نے دیکھ لیا۔

مولانا امرتسری رحمہ اللہ لکھتے ہیں ''کیسی صفائی اور ہوشیاری کے ساتھ بحث سے انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ تحقیق حق کے لیے مجھے بلایا ہے جو بالکل بحث کے ہم معنی لفظ ہے (ملاحظہ ہو ص ۲۳ اعجاز احمدی) اور اب صاف منکر ہیں بلکہ مجھے ایسی خاموشی کا حکم دیتے ہیں کہ صم بکم (بہرہ گونگا) ہو کر آپ کا لیکچر سنتا جاؤں۔ یہ معلوم نہ ہوا کہ بکم یعنی گونگا ہو کر تو میں سن سکتا ہوں، صم (بہرہ) ہو کر کیا سنوں گا۔ شاید یہ بھی معجزہ ہو۔ خیر بہر حال اس کا جواب جو خاکسار کی طرف سے گیا وہ درج ذیل ہے۔

''الحمدلله وسلام علی عباده الذین اصطفی. امابعد.

از خاکسار ثناء الله

بخدمت مرزا غلام احمد صاحب

آپ کا طولانی رقعہ مجھے پہنچا۔ مگر افسوس کہ جو کچھ تمام ملک کو گمان تھا۔ وہی ظاہر ہوا۔ جناب والا! جب کہ میں آپ کی حسب دعوت مندرجہ اعجاز احمدی ص ۱۱۔۲۳ حاضر ہوا ہوں، اور صاف لفظوں میں رقعہ اولیٰ میں انہیں صفحوں کا حوالہ دے چکا ہوں تو پھر اتنی طول کلامی جو آپ نے کی ہے بجز العادة طبيعة ثانية کے اور کیا معنی رکھتی ہے؟

جناب من! کس قدر افسوس کی بات ہے کہ آپ اعجاز احمدی کے صفحات مذکورہ پر تو اس نیاز مند کو تحقیق کے لیے بلاتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ میں (خاکسار) آپ کی پیشگوئیوں کو جھوٹی ثابت کر دوں تو فی پیشگوئی مبلغ سو روپیہ انعام لوں اور اس رقعہ میں آپ مجھ کو ایک دو سطریں لکھنے کا پابند کرتے ہیں اور اپنے لیے تین گھنٹہ تجویز کرتے ہیں۔ تلك اذا قسمة ضنیری۔

بھلا کیا یہ تحقیق کا طریقہ ہے۔ میں تو ایک دو سطریں لکھوں اور آپ تین گھنٹے تک فرماتے جائیں۔ اس سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ آپ مجھے دعوت دے کر پچھتا رہے ہیں اور اپنی دعوت سے انکاری ہیں اور تحقیق سے اغراض کرتے

ہیں۔ جس کی بابت آپ نے مجھے در دولت پر حاضر ہونے کی دعوت دی تھی۔
جس سے عمدہ میں امرتسر ہی میں بیٹھا ہوا کر سکتا تھا اور کر چکا ہوں مگر میں چونکہ
اپنے سفر کی صعوبت کو یاد کر کے بلا نیل مرام واپس جانا کسی طرح مناسب نہیں
جانتا اس لیے میں آپ کی بے انصافی کو بھی قبول کرتا ہوں کہ میں دو تین
سطریں ہی لکھوں گا اور آپ بلاشک تین گھنٹے تک تقریر کریں مگر اتنی اصلاح
ہوگی کہ میں اپنی دو تین سطریں مجمع میں کھڑا ہو کر سناؤں گا اور ہر ایک گھنٹے کے
بعد پانچ منٹ نہایت دس منٹ تک آپ کے جواب کی نسبت رائے ظاہر
کروں گا اور چونکہ مجمع آپ پسند نہیں کرتے۔ اس لیے فریقین کے آدمی محدود
ہوں گے۔ جو پچیس پچیس سے زائد نہ ہوں گے۔ آپ میرا بلا اطلاع آنا
چوروں کی طرح فرماتے ہیں۔ کیا مہمانوں کی خاطر اسی کو کہتے ہیں؟ اطلاع
دینا آپ نے شرط نہیں کیا تھا۔ علاوہ اس کے آپ کو آسمانی اطلاع ہوگئی
ہوگی۔ آپ جو مضمون سنائیں گے وہ اسی وقت مجھ کو دیدیجیے گا۔ کارروائی آج
ہی شروع ہو جائے۔ آپ کے جواب آنے پر میں اپنا مختصر سا سوال بھیج دوں گا
باقی لعنتوں کی بابت وہی عرض ہے جو حدیث میں موجود[1] ہے......

(۱۱ر جنوری ۱۹۰۳ء)

مولانا لکھتے ہیں اور بالکل بجا لکھتے ہیں: ''کیسے معقول طریق سے راقم آثم (یعنی مولانا امرتسری رحمہ اللہ علیہ) نے اپنے وجوہات بتلائے اور کس نرمی سے مرزا جی کی پیش کردہ تجویز تھوڑی سی خفیف اصلاح کے ساتھ بعینہٖ منظور کر لی۔ مگر مرزا جی اور معقولیت؟ ایں خیال است و محال است و جنوں۔

چونکہ ہر ایک انسان کو اپنا علم حضوری ہے۔ مرزا جی بھی اپنا پول خوب جانتے تھے۔ اس لیے آپ اس رقعہ پر ایسے خفا ہوئے اور اتنی گالیاں دیں کہ کہنے سننے سے باہر۔ ہم ان کو اپنے

---

[1] وہ یہ ہے کہ لعنت کا مخاطب اگر لعنت کا حقدار نہیں تو کرنے والے پر پڑتی ہے۔ منہ

لفظوں میں نہیں، بلکہ قاصدوں کے لفظوں میں حاشیہ [1] پر لکھتے ہیں۔ آخر اس خفگی میں آپ نے رقعہ کا جواب بھی نہ دیا اور اپنے مصاحبوں کو حکم دے دیا کہ لکھ دو۔ چنانچہ وہ یہ ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم. حامدا و مصلیا.

مولوی ثناء اللہ صاحب! آپ کا رقعہ حضرت اقدس، امام الزماں، مسیح موعود، مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت مبارک میں سنا دیا گیا۔ چونکہ مضامین اس کے محض عناد اور تعصب آمیز تھے جو طلب حق سے بعد المشرقین کی دوری اس سے صاف ظاہر ہوتی تھی لہٰذا حضرت اقدس کی طرف سے آپ کو یہی جواب کافی ہے کہ آپ کو تحقیق حق منظور نہیں ہے اور حضرت انجام آتھم میں اور نیز اپنے خط مرقومہ جواب سامی میں قسم کھا چکے اور اللہ تعالیٰ سے عہد کر چکے ہیں کہ مباحثہ کی شان سے کوئی تقریر نہ کریں گے۔ خلاف معاہدۂ الٰہی کے کوئی مامور من اللہ کیونکر کسی فعل کا ارتکاب کر سکتا ہے۔ طالب حق کے لیے جو طریق حضرت اقدس نے تحریر فرمایا ہے کہ وہ کافی نہیں۔ لہٰذا آپ کی اصلاح جو بطرز شان مناظرہ آپ نے لکھی ہے وہ ہرگز منظور نہیں ہے اور یہ بھی منظور نہیں فرماتے ہیں کہ جلسہ محدود ہو،

---

[1] شہادت: ہم اللہ کو حاضر و ناظر جان کر بحکم لاتکتموا الشهادة سچ کہتے ہیں کہ جب ہم مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ صاحب کا خط لے کر مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو مرزا صاحب ایک ایک فقرہ سنتے جاتے تھے اور بڑے غصہ سے بدن پر رعشہ تھا اور دہان مبارک سے خوب گالیاں دیتے تھے اور حضار مجلس مریدان بھی ساتھ ساتھ کہتے جاتے تھے کہ حضرت واقعی ان (مولوی) لوگوں کو تہذیب اور تمیز نہیں۔ چند الفاظ جو مرزا صاحب نے علماء کی نسبت عموماً اور مولانا مولوی ثناء اللہ صاحب کی نسبت خصوصاً فرمائے تھے یہ ہیں:

''خبیث، سور، کتا، بدذات، گوں خوار ہے۔ ہم اس کو کبھی نہ بولنے دیں گے۔ گدھے کی طرح لگام دے کر بٹھائیں گے اور گندگی اس کے منہ میں ڈالیں گے۔ لعنت لے کر ہی جائے گا۔ اس کو کہو کہ لعنت لے کر یہ قادیان سے چلا جائے۔ وغیرہ وغیرہ۔''

سننے میں اور اس وقت کی حالت دیکھنے میں بڑا فرق ہے۔ ہم حلفیہ بطور شہادت کہتے ہیں کہ ایسی گالیاں ہم نے مرزا صاحب کی زبان سے سنی ہیں۔ جو کسی چوہڑے چمار سے بھی کبھی نہیں سنیں۔

راقمان: حکیم محمد صدیق ساکن ضلع جالندھر، بشی دانشمندان، محمد ابراہیم، امرتسر، کٹڑہ سفید۔

بلکہ فرماتے ہیں کہ کل قادیان وغیرہ کے اہل الرائے مجتمع ہوں تاکہ حق و باطل سب پر واضح ہو جائے۔ (والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔ ۱۱ر جنوری ۱۹۰۳ء)

گواہ شد محمد سردار و ابوسعید عفی عنہ۔ خاکسار محمد احسن بحکم حضرت امام الزماں۔

مولانا لکھتے ہیں: چونکہ میرا روئے سخن خود مابدولت سے تھا اس لیے میرا حق تھا کہ میں کسی ماتحت کی تحریر نہ لیتا۔ مگر اس خیال سے کہ پبلک کو مرزا جی کے فرار کا نشان بتلایا جائے میں نے رقعہ مرقومہ قبول کر لیا۔

ان حضرات مرسلین رقعہ و گواہان پر افسوس نہیں بلکہ افسوس ان لوگوں پر ہے جو ایسے لوگوں کو دراز ریش دیکھ کر عالم یا مولوی سمجھ لیتے ہیں۔ جن کو یہ بھی خبر نہیں کہ مناظرہ اور تحقیق ایک ہی چیز ہے...... اور صفحہ ۱۲۳ اعجاز احمدی پر مجھ کو تحقیق کے لیے بلا رہے ہیں...... پس تحقیق حق کے لیے بلا کر مناظرہ سے انکار کرنا صریح انکار، بعد از اقرار کا مصداق ہے اور موقع پر الہام کی...... مرزا جی اقرار کے بعد انکار معتبر نہیں ہو سکتا۔ (دیکھو [1] اعجاز احمدی، ص ۳۰)

یہ واقعہ موجودہ حالات میں جیسا کچھ بھی معلوم ہوتا ہو مگر اس وقت بڑے دور رس اثرات و نتائج کا حامل ہوا۔ مرزا صاحب پہلے تو اپنے عربی قصیدہ کو معجزہ قرار دے کر دندناتے پھر رہے تھے۔ پھر مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے متعلق پیشین گوئی کر کے بڑے ولولے اور ہمہمے کے ساتھ اپنے قصر نبوت کی تعمیر بھی کرنے لگے تھے اور اپنی ان واہی تباہی ڈینگوں سے اینٹ اور گارے کا کام لے رہے تھے۔ سارے ملک کی نگاہیں مولانا امرتسری رحمہ اللہ پر لگی ہوئی تھیں۔ مولانا کے قادیان پہنچ جانے سے مرزا جی کے سارے اینٹ اور گارے بکھر گئے اور ان کا عالیشان قصر نبوت بتاشے کی طرح بیٹھ گیا۔ ظاہر ہے کہ مرزا صاحب ان معاملات کو منظر عام پر آنے سے روک نہیں سکتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی خرافات نے ارتداد کے لیے جو فضا ہموار کر رکھی تھی وہ یکسر بدل گئی اور خود ان کے مریدوں کی بھی آنکھیں کھل گئیں۔ چنانچہ جن کی طبیعتوں میں سلامتی تھی وہ قادیانیت سے تائب ہو کر دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے اس طرح کا ایک خط الہامات مرزا طبع سوم کے آخری صفحہ پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

---

[1] دیکھیے الہامات مرزا طبع ششم، ص ۱۱۶ تا ۱۲۳۔

(۴)

مسلسل ضربیں

(۱۹۰۳ء تا ۱۹۰۷ء)

اسی سال (۱۹۰۳ء) کے ماہ نومبر میں مولانا نے ہفت روزہ اہل حدیث کا اجراء فرمایا جو مرزا صاحب اور ان کی امت کے لیے بلائے بے درماں ثابت ہوا۔ کیونکہ اس ہفت روزہ کا ایک ایک حصہ جہاں آریوں، عیسائیوں اور دیگر دشمنان اسلام کے حملوں کے دفاع کے لیے مخصوص تھا۔ وہیں اس کا ایک حصہ قادیانیت کی تردید کے لیے بھی وقف تھا۔ ہفتہ بھر میں جو کچھ قادنیوں کی طرف سے ظہور پذیر ہوتا تھا اس کی قلعی کھولی جاتی تھی۔ اس سلسلے میں اہل اسلام کو زبردست فائدہ پہنچایا۔ خصوصاً ۱۹۰۴ء کے طاعون کے سلسلہ میں مرزا صاحب اور ان کی امت کی تمام پھندے اس طرح چاک ہوئے کہ وہ اپنی ساری تگ ودو اور حرفت بازیوں کے باوجود کوئی قابل ذکر کامیابی حاصل نہ کر سکے۔ اس طرح ہر ہفتہ کی مسلسل ضربوں نے مرزا صاحب کا قافیہ اس حد تک تنگ کیا کہ اس ہفت روزہ کے اجراء کے صرف تین سال ۵ ماہ بعد وہ اپنا اور مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کا مقدمہ لے کر اللہ کی عدالت میں جا پہنچے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے استغاثہ کے ساڑھے تیرہ ماہ بعد ایسا فیصلہ کیا جسے اہل اسلام اور قادیانیوں کی جنگ کی تاریخ کا یوم الفرقان کہنا صحیح ہوگا۔ اس کی روئیداد اگلے صفحات میں ملاحظہ فرمایئے!

⑤

خدائی فیصلہ

اور

قادیانیت نبوت کے تابوت میں آخرت کیل

ہنستا ہے میرے حال پہ ظالم ابوالوفا
ڈرتا ہوں میں کہیں یہ قضا کی ہنسی نہ ہو

جیسا کہ پچھلے صفحات میں اشارہ کیا جاچکا ہے، قادیانیت کے خلاف مولانا امرتسری رحمہ اللہ کی مجاہدانہ سرگرمیوں، عالمانہ گرفتوں اور فاضلانہ مواخذات کے مقابلے سے جب مرزا صاحب اور ان کی پوری امت عاجز آ گئی اور مولانا کی ہیبت سے قادیانی ایوان میں زلزلے برپا رہنے لگے تو مرزا صاحب نے ۱۵/اپریل ۱۹۰۷ء کو ایک اشتہار شائع کیا۔ جس نے رہتی دنیا تک کے لیے مرزا صاحب کے صدق وکذب کا دوٹوک اور حتمی فیصلہ کردیا، وہ اشتہار بتمام وکمال یہ ہے۔

مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم.

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

یستنبؤنک احق ھو. قل ای وربی انہ لحق.

بخدمت مولوی ثناء اللہ صاحب! السلام علی من اتبع الھدی۔

مدت سے آپ کے پرچہ اہل حدیث میں میری تکذیب اور تفسیق کا سلسلہ جاری ہے۔ ہمیشہ مجھے آپ اپنے اس پرچہ میں مردود، کذاب، دجال، مفسد کے نام سے منسوب کرتے ہیں اور دنیا میں میری نسبت شہرت دیتے ہیں کہ یہ شخص مفتری اور کذاب اور دجال ہے اور اس شخص کا دعویٰ مسیح موعود ہونے کا سراسر افترا ہے۔

میں نے آپ سے بہت دکھ اٹھایا اور صبر کرتا رہا مگر چونکہ میں حق کے پھیلانے کے لیے مامور ہوں اور آپ بہت سے افتراء میرے پر کر کے دنیا کو میری طرف آنے سے روکتے ہیں اور مجھے ان گالیوں اور ان تہمتوں اور ان الفاظ سے یاد کرتے ہیں جن سے بڑھ کر کوئی لفظ سخت نہیں ہوسکتا۔ اگر میں ایسا ہی کذاب اور مفتری ہوں جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے ہر ایک پرچہ میں مجھے یاد کرتے ہیں تو میں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاؤں گا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مفسد اور کذاب کی بہت عمر نہیں ہوتی اور آخر وہ ذلت اور حسرت کے ساتھ اپنے اشد دشمنوں کی زندگی میں ہی ناکام ہلاک ہو جاتا ہے اور اس کا ہلاک ہونا ہی بہتر ہوتا ہے۔ تا اللہ کے بندوں کو تباہ نہ کرے اور اگر میں کذاب اور مفتری نہیں ہوں اور اللہ کے مکالمہ اور مخاطبہ سے مشرف ہوں اور مسیح موعود ہوں تو میں اللہ کے فضل سے امید رکھتا ہوں کہ سنت اللہ کے موافق آپ مکذبین کی سزا سے نہیں بچیں گے۔ پس اگر وہ سزا جو انسان کے ہاتھوں سے نہیں، بلکہ محض اللہ کے ہاتھوں سے ہے جیسے طاعون، ہیضہ وغیرہ مہلک بیماریاں آپ پر میری زندگی ہی میں وارد نہ ہوئیں تو میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں۔ یہ کسی الہام یا وحی کی بناء پر پیشگوئی نہیں بلکہ محض دعا کے طور پر میں نے اللہ سے فیصلہ چاہا ہے اور میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اے میرے مالک، بصیر و قدیر، جو علیم و خبیر ہے جو میرے دل کے حالات سے واقف ہے۔ اگر یہ دعویٰ مسیح موعود ہونے کا محض میرے نفس کا افتراء ہے اور میں تیری نظر میں مفسد اور کذاب ہوں، اور دن رات افتراء کرنا میرا کام ہے تو اے میرے پیارے مالک! میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کی زندگی میں مجھے ہلاک کر اور میری موت سے ان کو اور ان کی جماعت کو خوش کر دے۔ آمین۔ مگر اے میرے کامل اور صادق اللہ! اگر مولوی ثناء اللہ ان تہمتوں میں جو مجھ پر لگاتا ہے حق پر نہیں تو میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ میری زندگی میں ان کو نابود کر، مگر نہ انسانی ہاتھوں سے، بلکہ طاعون و ہیضہ وغیرہ امراض

مہلکہ سے بجز اس صورت کے کہ وہ کھلے کھلے طور پر میرے روبرو اور میری جماعت کے سامنے ان تمام گالیوں اور بدزبانیوں سے توبہ کرے جن کو وہ فرض منصبی سمجھ کر ہمیشہ مجھے دکھ دیتا ہے۔ آمین یارب العالمین! میں ان کے ہاتھوں بہت ستایا گیا ہوں اور صبر کرتا رہا مگر اب دیکھتا ہوں کہ ان کی بدزبانی حد سے گذر گئی۔ وہ مجھے ان چوروں اور ڈاکوؤں سے بھی بدتر جانتے ہیں جن کا وجود دنیا کے لیے سخت نقصان رساں ہوتا ہے اور انہوں نے ان تہمتوں اور بدزبانیوں میں آیت لَاتَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ پر بھی عمل نہیں کیا اور تمام دنیا سے مجھے بدتر سمجھ لیا اور دور دور ملکوں تک میری نسبت یہ پھیلا دیا ہے کہ یہ شخص درحقیقت مفسد اور ٹھگ اور دکاندار اور کذاب اور مفتری اور نہایت درجہ کا بدآدمی ہے۔ سو اگر ایسے کلمات حق کے طالبوں پر بداثر نہ ڈالتے تو میں ان تہمتوں پر صبر کرتا مگر میں دیکھتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ انہیں تہمتوں کے ذریعہ سے میرے سلسلہ کو نابود کرنا چاہتا ہے اور اس عمارت کو منہدم کرنا چاہتا ہے جو تو نے اے میرے آقا اور میرے بھیجنے والے اپنے ہاتھ سے بنائی ہے۔ اس لیے اب میں تیرے ہی تقدس اور رحمت کا دامن پکڑ کر تیری جناب میں ملتجی ہوں کہ مجھ میں اور ثناء اللہ میں سچا فیصلہ فرما اور وہ جو تیری نگاہ میں حقیقت میں مفسد اور کذاب ہے اس کو صادق کی زندگی میں ہی دنیا سے اٹھا لے یا کسی اور سخت آفت میں جو موت کے برابر ہو مبتلا کر۔ اے میرے پیارے مالک تو ایسا ہی کر۔ آمین ثم آمین۔ ربنا افتح بيننا وبين قومنا بالحق وانت خير الفاتحين۔ آمین۔ بالآخر مولوی صاحب سے التماس ہے کہ اس تمام مضمون کو اپنے پرچہ میں چھاپ دیں اور جو چاہیں اس کے نیچے لکھ دیں۔ اب فیصلہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

الراقم: عبداللہ الصمد مرزا غلام احمد مسیح موعود عافاہ اللہ وایدہ

مرقومہ ۱۵/اپریل ۱۹۰۷ء یکم ربیع الاول ۱۳۲۵ھ

مجموعہ اشتہارات حضرت مسیح موعود ص ۵۷۸ تا ۵۸۰ ج ۳

یہ اشتہار اپنا مضمون بتلانے میں کسی حاشیہ یا شرح کا محتاج نہیں۔ اس اشتہار کے بعد ۲۵/ اپریل ۱۹۰۷ء کو قادیانی اخبار بدر میں مرزا صاحب کا ایک اور بیان شائع ہوا۔ جو یہ تھا:

مرزا صاحب نے فرمایا ''زمانہ کے عجائبات ہیں۔ رات کو ہم سوتے ہیں تو کوئی خیال نہیں ہوتا کہ اچانک الہام ہوتا ہے اور پھر وہ اپنے وقت پر پورا ہوتا ہے۔ کوئی ہفتہ عشرہ نشان سے خالی نہیں جاتا۔ ثناء اللہ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے یہ دراصل ہماری طرف سے نہیں، بلکہ اللہ ہی کی طرف سے اس کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ ایک دفعہ ہماری توجہ اس طرف ہوئی اور رات کو توجہ اس کی طرف تھی۔ اور رات کو الہام ہوا۔ اجیب دعوۃ الداع ۔صوفیا کے نزدیک بڑی کرامت استجابت دعا ہے۔ باقی سب اس کی شاخیں۔''

(بدر جلد ۶ نمبر ۱۷ ص ۷ مندرجہ ملفوظات مرزا ص ۲۰۸، ج ۵، مطبوعہ ربوہ جدید بدون تاریخ)

خلاصہ یہ کہ مرزا صاحب نے اشتہار بالا میں جو دعا کی تھی کہ مرزا جی اور مولانا ثناء اللہ میں سے جو جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی میں ہلاک ہو جائے۔ یہ دعا اللہ کی تحریک پر کی گئی تھی اور اس کی مقبولیت کا مرزا صاحب کو الہام بھی ہو گیا تھا۔ اس کے بعد جو واقعہ پیش آیا وہ یہ ہے کہ اس اشتہار کی اشاعت کے تیرہ مہینہ بارہ دن بعد ۲۶ رمئی ۱۹۰۸ء مطابق ۲۴ ربیع الآخر ۱۳۲۶ھ کو مرزا صاحب اس اشتہار میں نامزد کردہ ایک بیماری ہیضہ سے انتقال کر گئے اور مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ مرزا جی کے انتقال کے بعد مسلسل چالیس برس تک پوری تاب و توانائی کے ساتھ حق کا پھریرا لہراتے اور باطل کا علم سرنگوں کرتے ہوئے زندہ رہے۔ اس طرح مرزا صاحب کی اپنی دعا و طلب کے مطابق اللہ تعالیٰ کا یہ دوٹوک فیصلہ ہو گیا کہ وہ برسر باطل اور کذاب و دجال تھے اور مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ برسر حق اور صادق۔ اس سلسلے میں کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے:

لکھا تھا کاذب مرے گا پیشتر
کذاب میں سچا تھا پہلے مر گیا

ایک صاحب نے فارسی میں ارشاد فرمایا ہے:

گفت مرزا مر ثناء اللہ را
میرد اول ہر کہ ملعون خداست
خود روانہ شد بسوئے نیستی
بود خود ملعون، لیکن گفت راست

آیئے! مرزا صاحب کی موت کی تفصیلات بھی قادیانی مآخذ کی زبانی سنتے چلیں۔ مرزا صاحب کہا کرتے تھے کہ مجھے الہام ہوا ہے۔"انی احافظ کل من فی الدار "(تذکرہ مجموعہ الہامات مرزا، ص ۳۲۵و۳۳۳و۳۸۶و۶۱۷و۶۲۰، ۶۷۱و۷۳۱و۷۵۴و۴۲۷و۴۲۸و۴۳۳و۴۸۹و۲۵۳) (یعنی اے مرزا! تیرے گھر کے ہر فرد کی میں (اللہ) حفاظت کروں گا) اس خدائی الہام کے باوجود اپریل یا مئی ۱۹۰۸ء میں مرزا صاحب کو اپنے اہل وعیال سمیت بیماری کے سبب قادیان (دارالامان ودارالشفا) چھوڑ کر تبدیلی آب وہوا کے لیے لاہور جانا پڑا۔ مگر جب لاہور وارد ہوئے تو زندہ نہ پلٹ سکے۔ ان کی موت کیوں کر واقع ہوئی۔ اس کی جو تفصیلات قادیانی اخبار الحکم ۲۸/ مئی ۱۹۰۸ء کے ضمیمہ میں شائع ہوئی ہیں۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۲۵/ مئی ۱۹۰۸ء کی شام کو مرزا صاحب پر ان کی قدیم بیماری اسہال کا دورہ ہوا۔ گیارہ بجے رات میں ایک زوردار دست آنے پر ازحد کمزوری ہوگئی، دو اور تین بجے کے درمیان ایک اور زبردست دست آنے پر نبض بالکل بند ہوگئی۔ طبیبوں اور ڈاکٹروں نے حالت معمول پر لانے کی سرتوڑ کوشش کی لیکن مرزا صاحب مسلسل گیارہ گھنٹے تک موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا رہ کر ۲۶/ مئی کو .... بجے فوت ہوگئے۔"

تقریباً یہی بیان مرزا صاحب کی اہلیہ محترمہ کا ہے۔ ان سے ان کے صاحبزادے روایت کرتے ہیں:

"پہلے ایک پاخانہ آیا اور اتنے میں آپ کو ایک اور دست آیا مگر اب اس قدر ضعف تھا کہ آپ پاخانے نہ جا سکتے تھے۔ اس لیے چارپائی کے پاس ہی بیٹھ کر فارغ ہوئے اور پھر اٹھ کر لیٹ گئے اور میں پاؤں دباتی رہی مگر ضعف بہت ہوگیا اس کے بعد ایک اور دست آیا اور پھر آپ کو ایک اور قے آئی۔ جب آپ قے سے فارغ ہو کر لیٹنے گئے تو اتنا ضعف تھا کہ آپ پشت کے بل چارپائی پر گر گئے اور آپ کا سر چارپائی کی لکڑی سے ٹکرایا اور حالت دگرگوں ہوگئی۔ [1]

---

[1] سیرۃ المہدی ص ۱۱ ج ۱

گویا یضربون وجوھھم وادبارھم کا نقشہ تھا۔ مرزائیوں کی لاہوری پارٹی کے آرگن پیغام صلح نے ۳/ مارچ ۱۹۳۹ء کی اشاعت میں لکھا ہے کہ

"بعض لوگ کہتے ہیں کہ مرزا صاحب کی موت کے وقت ان کے منہ سے پاخانہ نکل رہا تھا۔" ❶

موت کے بعد مرزا صاحب کو جس مرحلے سے گذرنا پڑا وہ بھی کچھ کم عبرت انگیز نہ تھا۔ مرزا صاحب کا مدفن تو قادیان میں ان کا بنوایا ہوا "بہشتی مقبرہ" تھا لیکن چونکہ ان کی موت انبیاء ومرسلین کی سنت کے برخلاف مدفن قادیان سے کوئی ستر میل دور احمدیہ بلڈنگ لاہور میں ہوئی تھی اس لیے انہیں بذریعہ ٹرین لاہور سے قادیان لانے کا فیصلہ کیا گیا۔ جب مرزا صاحب کا جنازہ لاہور ریلوے اسٹیشن لے جانے کے لیے احمدیہ بلڈنگ سے باہر نکالا گیا تو زندہ دلان لاہور نے اس کا بڑا شاندار استقبال کیا۔ یعنی راستے بھر مرزا صاحب کے جنازے پر اس قدر غلاظتیں اور پاخانے پھینکے گئے کہ ان کی لاش بدقت تمام اسٹیشن تک پہنچ سکی۔ ❷

فیصلے کا یہ نتیجہ تو مرزا صاحب کے تمام موافقین ومخالفین نے دیکھا۔ مگر خود مرزا صاحب کو بھی ان کی حین حیات سامان عبرت فراہم کرنے میں قدرت نے کسی بخل سے کام نہ لیا تھا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ۱۴/ جون ۱۸۹۹ء کو جب مرزا صاحب کا چوتھا لڑکا مبارک احمد پیدا ہوا تو مرزا صاحب نے اپنی کتاب تریاق القلوب میں بڑی دھوم دھام کے ساتھ اعلان کیا کہ یہی وہ مصلح موعود ہے جس کی پیدائش اور آمد کی بابت میں نے ۲۰/ فروری ۱۸۸۶ء والے اشتہار میں پیشین گوئی کی تھی مرزا صاحب کو اس لڑکے پر اس پیشین گوئی کے چسپاں ہونے کا اس قدر یقین تھا کہ انہوں نے اس کا نکاح صرف آٹھ سال کی عمر میں بحالت نابالغی ہی ستمبر ۱۹۰۷ء میں کر دیا تھا ❸ لیکن ابھی اس کی تقریب نکاح کی مسرت وشادمانی سے مرزا صاحب سرمست ہی تھے کہ اس لڑکے کی روح قبض کرنے کے لیے ملک الموت آ پہنچا۔ مسیح قادیان نے اس کی جان بچانے کی سرتوڑ کوشش کی۔ ان کی تدبیروں اور بے قرارانہ دعاؤں کی جو کیفیت تھی

---

❶ دیکھیے الاعتصام ۱۴/ جون ۱۹۶۸ء ❷ دیکھیے اہل حدیث ۱۸/ اکتوبر ۱۹۴۰ء

❸ نکاح ۳۰ اگست ۱۹۰۷ء کو نماز عصر کے بعد ہوا، جب کہ مبارک احمد کی وفات ۱۶ ستمبر ۱۹۰۷ء کو بوقت صبح ہوئی۔ تاریخ احمدی، ص ۵۰۷ و ۵۰۹، ج ۳ (ابو صہیب)

اس کا نقشہ کسی شاعر نے کیا خوب کھینچا ہے۔ کہتا ہے:

ملک الموت کو ضد ہے کہ میں جاں لے کے ٹلوں

سربسجدہ ہے مسیحا کہ مری بات رہے

لیکن خدائی فیصلہ کے سامنے مرزا صاحب کی ایک نہ چلی۔ ۱۶ ستمبر ۱۹۰۷ء کو یہ لڑکا مرزا صاحب کے تمام دعووں، پیشین گوئیوں، آرزووں، تمناؤں، دعاؤں اور التجاؤں کو ٹھکراتا اور پامال کرتا ہوا اس دنیا سے ہمیشہ کے لیے کوچ کر گیا۔

اس لڑکے کی موت نے مرزا جی جیسے بوڑھے باپ کو جس غم والم، کرب واذیت اور ذلت و رسوائی کی دوہری آفت سے دوچار کیا وہ مرزا جی کے لیے موت سے کسی طرح کم نہ تھی۔ اس لیے اس لڑکے کی موت مرزا جی کی دعا کے ان الفاظ کے عین مطابق تھی کہ......

''جو تیری نگاہ میں حقیقت میں مفسد اور کذاب ہے اس کو صادق کی زندگی میں ہی دنیا سے اٹھا لے یا کسی اور سخت آفت میں جو موت کے برابر ہو مبتلا کر۔''

مگر مرزا جی کے دل پر تو مہر لگ چکی تھی اس لیے انہیں اس واقعہ سے بھی عبرت نہ ہوئی۔ بالآخر اس تنبیہ کے بعد چند ماہ کی مزید مہلت گذار کر مرزا جی عذابِ الٰہی کی گرفت میں اس طرح آئے کہ ان کی موت ان کے کذاب ودجال ہونے کی دائمی اور خدائی علامت بن گئی۔

فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ۔

مرزا صاحب کے برعکس مولانا امرتسری رحمہ اللہ پر اس اشتہار کا اثر یہ رہا کہ وہ اس پورے عرصے میں آرام وآسائش اور سکون وعافیت سے رہے اور نہ صرف یہ کہ رد قادیانیت کے سلسلے میں آپ کا جوش وخروش پہلے سے فزوں تر ہو گیا بلکہ اس اشتہار کے صرف ڈیڑھ ماہ بعد آپ نے قادیانیت کی تردید کے سلسلے میں اپنے معرکۃ الآراء اور لاثانی جریدے مرقع قادیانی کا اجرا فرمایا، جو مرزا قادیان کی موت کے بعد بھی تقریباً نصف سال تک جاری رہا۔

تنبیہ

خدائی فیصلہ کے تحت مرزا صاحب کی موت کا جو واقعہ پیش آیا اس میں عبرت وموعظت

کے بہت سے پہلو ہیں لیکن ہم ان سب سے قطع نظر کرتے ہوئے صرف ایک بات لکھنی ضروری سمجھتے ہیں۔

جس وقت یہ واقعہ پیش آیا ہے متحدہ ہند (موجودہ ہندوستان و پاکستان) کے طول و عرض میں اہل اسلام کے ہر مکتبِ خیال کی چوٹی کی شخصیتیں، بڑے بڑے علماء و صلحاء اور خدا رسیدہ اتقیاء و زہاد موجود تھے لیکن قدرت کی طرف سے اسلام و قادیانیت کی کشمکش میں حق و باطل کے درمیان دوٹوک اور دائمی فیصلہ کے لیے جس ہستی کا انتخاب عمل میں آیا وہ شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری رحمہ اللہ کی ہستی تھی......

قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اعلاء کلمۃ اللہ اور ردّ قادیانیت کے سلسلے میں مولانا کا مرتبہ و مقام اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس وقت کی تمام برگزیدہ اور مقدس شخصیتوں سے بلند و بالا تھا اور جس طرح مرزا قادیانی اپنے وقت کا دجال اکبر تھا اسی طرح آپ اپنے وقت کے سب سے بڑے حامی دین متین اور علمبردار اسلام تھے۔

مولانا کے حق میں قدرت کی اس خاموش شہادت پر موافق و مخالف دونوں نے صاد کیا ہے بلکہ خود مرزا جی بھی اپنی موت سے پہلے اس کی شہادت دے گئے ہیں۔ آپ ۱۵/اپریل ۱۹۰۷ء والا اشتہار ایک بار پھر پڑھ جائیے کس طرح ایک ایک جملے سے بے بسی و بے چارگی ٹپک رہی ہے۔ کتنی حسرت اور بے کسی کے ساتھ مرزا صاحب مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے ہاتھوں اپنے سلسلہ کے نابود ہونے اور اپنی بنیاد کے منہدم ہونے کا خطرہ اللہ کے دربار میں پیش کر کے فریاد کر رہے ہیں لیکن اس سے بھی صاف اور صریح الفاظ میں سننا ہو تو مرزا صاحب کی تتمۂ حقیقۃ الوحی کا ص ۳۰ کھولئے۔ مرزا صاحب نے صاف صاف لکھا ہے کہ ''مولوی ثناء اللہ صاحب آج کل ٹھٹھے اور ہنسی اور توہین میں دوسرے علماء سے بڑھے ہوئے ہیں۔''

موافقین کے بیانات دیکھنے ہوں تو سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ، حبیب الرحمٰن مرحوم مہتمم دیوبند، اور مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کے وہ بیانات پڑھ جائیے جو مولانا امرتسری رحمہ اللہ کی سوانح حیات کے سلسلے میں پچھلے اوراق کے اندر نقل کیے جا چکے ہیں۔ مولانا کی ان مساعی اور

آپ کے ان مراتب کے اعتراف کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ قادیانی فرقے کے علاوہ ہندوستان کے تمام مکاتب فکر کے علماء اور دانشور آپ کو ''فاتح قادیان'' کے لقب سے یاد کرتے تھے اور یہ آپ کا ایسا امتیازی وصف ولقب ہے جو پورے ہندوستان میں کسی اور کو حاصل نہ ہوسکا۔ خود مولانا امرتسری رحمہ اللہ کو بھی اپنی اس سعی پیہم اور اس کے اثرات کا علم واحساس تھا۔ غالباً اسی لیے آپ نے لکھا ہے کہ......

''میرا روئے سخن مرزا صاحب کے ساتھ اور بزرگان علماء کرام سے بعد شروع ہوا۔ مگر کیفیت میں ان سے بڑھ گیا تھا۔''[1]

''مسلمانوں کی طرف سے اس دفاع (یعنی قادیانی حملے دفاع) کے علمبردار مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالوی مرحوم تھے......قدرت کو منظور تھا کہ مولانا بٹالوی مرحوم کے بعد یہ خدمت میرے سپرد ہوگی، جس کی بابت مولانا مرحوم کو علم ہوا ہو تو شاید یہ شعر پڑھتے ہوں گے۔

آ کے سجادہ نشیں قیس ہوا میرے بعد
رہی خالی نہ کوئی دشت میں جا میرے بعد[2]

لطیفہ

مرزا صاحب کی اہلیہ نے ایک بار خواب دیکھا تھا کہ مرزا صاحب کو امرتسر میں سولی پر لٹکایا جائے گا۔[3] مرزا صاحب اس خواب کی بڑی حسین تعبیرات بیان فرمایا کرتے تھے، لیکن مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے بالمقابل انہیں جس ذلت کی موت سے دوچار ہونا پڑا، اگر مرزا صاحب میں اس موت کا جام تلخ نوش فرماتے وقت تاب گفتگو ہوتی تو کچھ عجب نہیں کہ فرماتے ھذا تاویل رویای من قبل، قد جعلھا ربی حقا۔ میرے (بارے میں) خواب کی تعبیر یہی ہے۔ اللہ نے اسے برحق ٹھہرایا۔

---

[1] تاریخ مرزا ص ۸۰ [2] اہل حدیث ۲۳ جنوری ۱۹۴۲ء
[3] کاویہ ج ۲ ص ۲۹۶

۵

تردیدی مساعی کا اجمالی خاکہ

مرزا صاحب کی زندگی میں ان کے اور مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے درمیان آویزش کے یہ چند متفرق واقعات ہیں جن کا ذکر مختلف رسالوں یا کتابوں میں ضمناً یا اصالۃً آ گیا ہے لیکن ان واقعات سے مولانا کی اس دور کی مساعی کا وہ تاریخی خاکہ مکمل شکل میں مرتب نہیں ہو پاتا جسے ہم اس باب میں پیش کرنا چاہتے تھے۔ اس خاکہ کی تکمیل کے لیے جن امور کی تفصیلات ناگزیر تھیں، وہ دستیاب نہیں ہو سکتیں۔ اس لیے یہاں اجمالی اشارے پر اکتفاء کیا جا رہا ہے۔

① جیسا کہ پچھلے صفحات میں گذر چکا ہے مولانا کا دستور تھا کہ روزانہ صبح کو درس قرآن دیتے تھے۔ (البتہ موسم گرما میں نماز مغرب کے بعد باغیچہ میں درس قرآن ہوتا تھا) اور ہر جمعہ کو بعد نماز عشاء مجمع عام سے خطاب فرماتے تھے [1] ان درسوں اور خطابات میں جہاں دیگر بہت سے موضوعات زیر بحث آتے تھے۔ وہیں ردّ قادیانیت پر خاص توجہ صرف کی جاتی تھی۔

② انیسویں صدی کے اواخر اور بیسیویں صدی کے اوائل میں جماعت اہل حدیث کی تبلیغی سرگرمیاں شباب پر تھیں۔ مختلف مقامات پر آئے دن جلسے اور اجتماعات منعقد ہوتے رہتے تھے۔ مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے خطاب وتقریر کی دلپذیری کا یہ عالم تھا کہ ان کی شرکت کے بغیر یہ اجتماعات ناقص سمجھے جاتے تھے۔ مولانا امرتسری رحمہ اللہ ان اجتماعات میں جہاں مسلمانوں کو مختلف انداز سے اسلام کی پابندی کی دعوت دیتے اور اسلامی تعلیمات سمجھاتے تھے۔ وہیں تمام مخالفین اسلام کے حملوں کا دفاع بھی کرتے تھے اور اس سلسلے میں بقول سید سلیمان ندوی ”ہمالیہ سے لے کر خلیج بنگال تک رواں اور دواں رہتے تھے۔“ اس وقت قادیانیت کے علمبرداروں نے اپنی تحریک کی پیش رفت کے لیے جو تگ ودو

---

[1] دیکھیے ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر ۱۵ر شعبان ۱۳۳۲ھ، ص ۱۴۔

اختیار کر رکھی تھی اس کا لازمی تقاضا تھا کہ ان اجتماعات میں قادیانیت کا پردہ اچھی طرح فاش کیا جائے اور اس کے لیے مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ موزوں شخصیت کی تلاش کا سوال ہی نہیں ہوسکتا تھا۔

③ قادیانی فتنے کی شدت اور پھیلاؤ کے مدنظر غیر اہل حدیث اسلامی انجمنیں بھی اپنے اجتماعات میں مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کو خصوصیت کے ساتھ مدعو کرتی تھیں اور مولانا امرتسری رحمہ اللہ قادیانیت کا تارو پود بکھیرنے کے لیے بے تامل ایسے دعوت ناموں پر لبیک کہتے تھے۔

④ دیہات کے سادہ لوح عوام پر قادیانیوں کی خصوصی نظر عنایت تھی۔ اور جب سے پنجاب میں طاعون کی وبا پھیلی تھی، قادیانی حضرات خصوصیت کے ساتھ مختلف پہلوؤں سے انہیں یہ بات ذہن نشین کرانے کی کوشش کرتے تھے کہ یہ عذاب مرزا صاحب پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے آیا ہے۔ اس قسم کے پھیلائے ہوئے وسوسوں اور پروپیگنڈوں کا ہر وقت کاٹ کرنے کے لیے فوری اور ہنگامی جلسوں کی ضرورت پڑتی تھی اور مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ اطلاع ملتے ہی اس قسم کے مقامات پر جا دھمکتے تھے۔

⑤ انفرادی طور پر بہت سے ایسے افراد جو تذبذب ہوتے یا جن کا میلان قادیانیت کی طرف ہوتا یا قادیانیت سے متنفر ہونے کے باوجود ان کے بعض الجھاؤں میں الجھ جاتے ایسے افراد بھی بکثرت مولانا سے تبادلۂ خیال اور بحث و گفتگو کے لیے حاضر ہوتے تھے اور معاملات کی اصل حقیقت سے آشنا ہو کر ایمان و اسلام پر مطمئن ہوجاتے تھے۔ بلکہ بسا اوقات خالص قادیانی حضرات بھی آپ سے تبادلۂ خیال کرتے اور تائب ہوجاتے تھے۔

⑥ آپ کی بعض تحریروں سے ضمنی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ہفت روزہ اہل حدیث کے اجراء سے پہلے آپ کے مضامین اور تحریریں ملک کے معروف اسلامی اخبارات اور جرائد میں شائع ہوا کرتی تھیں۔ ان تحریروں میں اسلام پر باطل فرقوں کی طرف سے ہونے والے حملوں کا دفاع کیا جاتا تھا اور آریوں اور عیسائیوں کے ساتھ ساتھ بلکہ ان سے بڑھ کر قادیانیوں کی تردید ہوتی رہتی تھی۔

⑦ ۱۹۰۳ء میں جب ہفت روزہ اہل حدیث کا اجراء ہوا تو قادیانیت کی تردید اس کا ایک مستقل مشن بن گیا۔ اہل حدیث ایسے ایام میں جاری ہوا تھا جب طاعونی وبا زور پکڑ رہی تھی اور اسی کے ساتھ ساتھ قادیانی پروپیگنڈہ بھی اپنے شباب کو پہنچ رہا تھا۔ اہل حدیث نے بڑی پامردی کے ساتھ اس پروپیگنڈہ کا اور اس کے ساتھ ساتھ تمام قادیانی ہتھکنڈوں کا مقابلہ کیا۔

⑧ مرزا صاحب کے آخری ایام میں مرقع قادیانی کا اجراء ہوا جس کا ذکر اس سے پہلے ہو چکا ہے۔

یہ ہے مرزا صاحب کی زندگی میں ردّ قادیانیت کے خلاف مولانا امرتسری رحمہ اللہ کی ہمہ گیر جدوجہد کے مختلف دائروں کا ایک اجمالی خاکہ لیکن اس سے آپ کی مساعی کی وسعت و ہمہ گیری کا صحیح صحیح اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ کیونکہ اس سلسلے کی تفصیلات، کم از کم ہمارے علم کی حد تک...... ناپید ہو چکی ہیں۔ اب ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ آپ نے اس دور میں کتنے اجتماعات سے خطاب کیا؟ ان اجتماعات میں عموماً حاضرین کی کیا تعداد ہوا کرتی تھی؟ اجتماعی اور انفرادی طور پر آپ نے کہاں کہاں، کن کن حضرات سے اور کون کون سے موضوعات پر بحث و گفتگو کی؟ پھر ان خطابات اور مباحثوں کے اثرات کی کیا کیفیت رہی؟ کہاں کہاں قادیانیت کے لیے فضا ہموار ہو چکنے کے بعد اسلام کے حق میں مبدل ہو گئی؟ اور کتنے حضرات قادیانیت سے متاثر ہوئے یا اسے قبول کر لینے کے بعد اسلام کی طرف پلٹے؟

اسی طرح آپ کی اس دور کی تحریریں بھی دستیاب نہ ہو سکیں اور نہ یہ معلوم ہو سکا کہ آپ نے کن مواقع پر کون کون سے اخبارات و جرائد میں کن کن موضوعات پر خامہ فرسائی کی۔ مولانا ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی رحمہ اللہ نے نقوش ابوالوفاء میں اہل حدیث کے اجراء سے قبل کی مولانا کی تحریروں کے بھی کچھ اقتباسات دیئے ہیں لیکن انہوں نے اس کتاب کے لیے جو ترتیب تجویز کی تھی اس کی وجہ سے اس کتاب کے مطبوعہ حصے میں قادیانیت سے متعلق آپ کی تحریروں کے اقتباس نہیں آ سکے۔ بلکہ اس کے لیے اگلے حصے مخصوص تھے جو شائع نہ ہو سکے اور معلوم نہیں ابھی وہ مرتب بھی ہو سکے تھے یا نہیں؟ اگر یہ اجزاء شائع ہو جاتے تو غالباً کچھ قیمتی

تفصیلات دستیاب ہو جاتیں۔

ستم ظریفی یہ ہے کہ ہمیں اہل حدیث کے بھی وہ شمارے دستیاب نہ ہو سکے جو مرزا صاحب کی زندگی میں شائع ہوئے تھے۔ ظاہر ہے کہ جب سرے سے اس دور کی تحریرات ہی نہیں مل پا رہی ہیں تو ان کے اثرات کا اندازہ کیونکر لگایا جا سکتا ہے تاکہ آپ کی تحریرات کی یہ خاصیت اور یہ اثر معلوم و معروف ہے کہ انہیں دیکھنے کے بعد صرف یہی نہیں کہ سارے شکوک وشبہات دور ہو جاتے تھے بلکہ بہت سے حضرات تائب بھی ہو جاتے تھے اور بہت سے لوگ تو انہیں کی مدد سے اچھے خاصے مناظر بھی بن گئے تھے اور مختلف مواقع پر بہترین کامیابیاں حاصل کی تھیں۔

قادیانیت کی تردید

مرزا صاحب کے بعد

مرزا صاحب کے بعد کے ادوار میں مولانا امرتسری رحمہ اللہ کی جو تگ ودو تھی اگرچہ ان کی بھی بہت سی تفصیلات ناپید ہیں تاہم مولانا کی تصنیفات، ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر کے فائلوں اور مولانا کے تلامذہ کے بیانات اور یادداشتوں کی مدد سے اس موضوع پر ایک معتد بہ حصہ جمع کیا جا سکتا ہے۔ اگلے صفحات میں ہم ان مساعی کو تاریخی ادوار پر مرتب کرنے کے بجائے مختلف دائروں میں تقسیم کر کے ہر دائرہ پر الگ الگ روشنی ڈالیں گے۔

اس سلسلے میں مولانا کی تصنیفات کا تعارف بھی پیش کیا جائے گا اور جرائد ومجلّات کی کارگذاریاں بھی مناظرات ومباحثات کی رودادیں بھی قلمبند ہوں گی اور بعض اہم اجلاس و اجتماعات کی کیفیات بھی مختلف قسم کی تحریکوں اور تنظیموں کی تفصیلات بھی ذکر کی جائیں گی اور متعدد شاگردوں کے کارنامے بھی اور حتی الامکان ان ساری مساعی کے اثرات بھی بتلائے جائیں گے اور اکابر علماء کے تاثرات بھی...... واللہ ولی التوفیق

مناظرے اور مباحثے

مرزا صاحب کی زندگی میں مولانا امرتسری رحمہ اللہ اور قادیانیوں کے درمیان جو راست ٹکر ہوئی تھی ان میں دو واقعات کی تفصیل گذر چکی ہے۔ ایک مناظرۂ مدد دوسرے مولانا امرتسری رحمہ اللہ کا ورود قادیان۔ اس دوسرے واقعہ کی ہیبت مرزا صاحب پر اس طرح چھائی رہی کہ اس کے بعد نہ تو انہیں خود مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے بالمقابل آنے کی جرأت ہوئی اور نہ اپنے کسی مرید کو اس کی اجازت دی۔ ہاں! مرزا صاحب کے بعد ان کے فریب خوردہ مریدوں کے ساتھ مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے راست ٹکر کی نوبت بہت جلد آ گئی۔ ہماری دانست کی حد تک وفات مرزا کے بعد پہلا باقاعدہ ٹکراؤ رامپور میں ہوا اور اس کے بعد وقتاً فوقتاً اس طرح کے مواقع پیش آتے رہے۔ اس لیے ہم بھی اس باب کا آغاز مناظرۂ رام پور سے کر رہے ہیں۔

①

مناظرۂ رام پور

(جون ۱۹۰۹ء)

یہ بڑا اہم اور تاریخی مناظرہ گذرا ہے۔ اس کا پس منظر سمجھنے کے لیے یہ حقیقت نگاہ میں رکھنی چاہیے کہ مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے جیتے جی جب مرزا صاحب فوت ہو گئے تو ایوان قادیانیت میں دیر تک زلزلہ برپا رہا اور قادیانی عمائد و اساطین ساکت و مبہوت اور ششدر و دم بخود ہو کر رہ گئے لیکن چونکہ انہوں نے کسی غلط فہمی کی بناء پر مرزا صاحب کی پیروی نہ کی تھی بلکہ ایک مخصوص سامراجی اسکیم کے تحت کچھ موہوم دنیاوی مفادات کے عوض جان بوجھ کر دین و ایمان کی متاع عزیز و گرانمایہ کو فروخت کر ڈالا تھا، اس لیے انہوں نے اپنی پرفریب چالبازیوں کو نیا روپ عطا کرنا شروع کیا۔

اب ان کے دام تزویر کا نشانہ وہ لوگ تھے جو مسلم نوابوں اور حکمرانوں کے دربار سے تعلق رکھتے تھے۔ قادیانی حضرات نہایت خفیہ طریق سے ایسے لوگوں پر ڈورے ڈالتے تھے اور انہیں اپنے زیر اثر لاکر قادیانی حکومت کی داغ بیل ڈالنے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ اسی سلسلے میں انہوں نے نواب رام پور کے ملازمین خاص میں سے ایک شخص منشی ذوالفقار علی کو قادیانیت کے دام میں پھنسالیا۔ اس شخص نے قادیانی مذہب اختیار کرنے کے بعد کافی شرانگیزی کی۔ بالآخر نواب صاحب رام پور نے اپنے خرچ پر ایک عظیم الشان مناظرہ کا اہتمام کیا۔ اس مناظرے کے لیے ہندوستان کے ہر طبقۂ خیال کے بڑے بڑے علماء مدعو کیے گئے جن کی تعداد ایک سو [1] سے زیادہ تھی۔

جبہ و دستار زیب تن کیے ہوئے، شیعوں کے مجتہدین اور اہل سنت کے پیران طریقت، حکمائے امت اور مشائخ ملت کی اس عظیم تعداد اور بے نظیر اجتماع میں عین وقت پر اہل اسلام کی طرف سے مناظرے کے لیے جس شخصیت کا انتخاب عمل میں آیا وہ شیر پنجاب، فاتح قادیان، شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری رحمہ اللہ کی شخصیت تھی [2]۔ قادیانی گروپ کی طرف سے مرزا جی کے خاص الخاص مرید اور خلیفہ نورالدین کے دست راست مولوی محمد احسن امروہوی مناظر منتخب ہوئے تھے۔ اہل اسلام کی تجویز تھی کہ مرزا صاحب کے صدق و کذب کے موضوع پر بحث ہو، مگر قادیانیوں کے شدید اصرار کی بناء پر نواب صاحب نے حکم دیا کہ اوّلاً حیات و وفات مسیح کے موضوع پر ہی بحث ہو جائے۔ اس کے بعد دوسرے موضوعات پر بحث ہو گی۔

۱۶/۱۵/اور ۱۹/ جون ۱۹۰۹ء کو مناظرہ ہوا۔ پہلے دن مولوی محمد احسن صاحب اسٹیج پر آئے لیکن دوبارہ آنے کی جرأت نہ ہوئی اور بقیہ دنوں میں مولوی قاسم علی نے ان کی نیابت کی۔ ۱۷/اور ۱۸/ جون کو مناظرہ اس لیے نہ ہو سکا کہ ۱۷/ کو نواب صاحب کی طبیعت ناساز تھی اور ۱۸/ کو

---

[1] علماء کرام کی یہ تعداد مجھے حکیم عبدالسمیع صاحب مبارکپوری کی زبانی معلوم ہوئی ہے۔

[2] مولانا امرتسری رحمہ اللہ قادیانی گروہ اس قدر مرعوب رہتا تھا کہ آپ کا نام سن کر ان کا خون خشک ہو جایا کرتا تھا اور روح کانپ اٹھتی تھی۔ چنانچہ اس مناظرہ کے لیے جب آپ کی روانگی کے پروگرام کا انہیں علم ہوا تو انہوں نے طرح طرح کے جتن کیے کہ آپ رام پور نہ جا سکیں لیکن خدائی نوشتہ کو مٹانا ان کے بس کی بات نہ تھی۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے اہل حدیث ۲۳/ جولائی ۱۹۰۹ء)

قادیانی سرگروہ بلا اجازت مراد آباد چلا گیا تھا۔ ۱۵/اور ۱۶/جون کو "حیات ووفات مسیح" کے موضوع پر کافی بحث ہو چکی تھی اس لیے ۱۹/جون کو نواب صاحب نے نئے موضوع "صدق وکذب مرزا" پر مباحثہ کرانا چاہا لیکن قادیانی گروہ کسی طرح تیار نہ ہوا۔ ۲۰/جون کو قادیانی حضرات میدان مناظرہ میں حاضر ہی نہ ہوئے اور نواب صاحب کی اجازت کے بغیر رام پور سے نکل بھاگے۔

مولانا امرتسری رحمہ اللہ کا اس مناظرہ میں جو عالمانہ کمال ظاہر ہوا اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ نواب صاحب شیعہ تھے لیکن مولانا جیسے "وہابی" کے زور بیان، انداز استدلال اور عالمانہ وقار سے اس قدر متاثر ہوئے کہ آپ کی پذیرائی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ مولانا کی تقریر و بحث کے دوران نواب صاحب کی محویت اور مسحوریت کا یہ عالم ہوتا تھا کہ رہ رہ کر پھڑک پھڑک اٹھتے تھے اور اٹھ اٹھ کر پیٹھ ٹھونکتے اور شاباش دیتے تھے۔

۲۲/جون کو ہندوستان کے کبار علماء نے مناظرہ کا فیصلہ لکھا اور متفقہ طور پر مولانا کو فتح یاب قرار دیا۔[1] نواب صاحب رام پور نے بھی مولانا کو فتح یابی کا ایک سرٹیفیکیٹ عطا فرمایا جس کے الفاظ یہ ہیں۔

> "رام پور میں قادیانی صاحبوں سے مناظرہ کے وقت مولوی ابوالوفا، محمد ثناء اللہ صاحب کی گفتگو ہم نے سنی۔ مولوی صاحب نہایت فصیح البیان ہیں اور بڑی خوبی یہ ہے کہ برجستہ کلام کرتے ہیں، انہوں نے اپنی تقریر میں جس امر کی تمہید کی اسے بدلائل ثابت کیا۔ ہم ان کے بیان سے محظوظ ومسرور ہوئے۔
>
> دستخط خاص حضور نواب صاحب بہادر
>
> محمد حامد علی خان[2]

اس مناظرہ پر پورے ملک کی نگاہیں لگی ہوئی تھیں۔ اس میں قادیانیوں کی شکست فاش کا یہ اثر ہوا کہ رام پور میں تو قادیانی فتنے نے اس کے بعد سر ہی نہ اٹھایا اور ملک کے باقی اطراف و اکناف میں بھی اس تحریک کے حاملین ایک عرصہ تک دبکے رہے۔

---

1. مفصل روداد اخبار اہل حدیث امرتسر ۲/جولائی ۱۹۰۹ء میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔
2. ایضاً ۳۰/جولائی ۱۹۰۹ء

(۲)

رام پور سے لدھیانہ تک

[مسوری کی چوٹیوں پر قادیانیت کی تردید]

(نومبر ۱۹۰۹ء)

قادیانی جماعت پر مولانا امرتسری رحمہ اللہ کا جو رعب و دبدبہ چھایا ہوا تھا رام پور کے مناظرہ نے اس میں اور اضافہ کر دیا۔ اس کے بعد مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے کئی بار ان کا تعاقب کیا لیکن وہ کسی نہ کسی حکمت سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ چنانچہ اس مناظرہ کے پانچ ماہ بعد مسوری میں اہل اسلام اور قادیانیوں کے درمیان باتوں ہی باتوں میں مناظرہ کی ٹھہر گئی۔ مسلمانوں نے مولانا کو اطلاع دی کہ ۷/نومبر ۱۹۰۹ء کو مناظرہ ہے۔ تشریف لے آئیے لیکن بعد میں خط اور تار کے ذریعہ التوا کی اطلاع پہنچ گئی۔ اس کے فوراً ہی بعد مولانا امرتسری رحمہ اللہ آریوں سے مناظرہ کے لیے ۱۲/نومبر کو دہلی اور ۱۳/۱۴/ کو اٹاوہ تشریف لے گئے۔ قادیانیوں نے مولانا کی اس مصروفیت اور غیر موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں تاریخوں میں مسوری کے اندر مناظرہ ٹھان دیا۔ مولانا امرتسری رحمہ اللہ جب اٹاوہ سے واپس امرتسر پہنچے تو مسوری سے جوابی تار آیا ہوا تھا کہ جلدی پہنچو۔ آپ نے مباحثہ کی تاریخ پوچھی تو جواب ملا کہ جلدی آؤ۔ مولانا ۱۸/نومبر کو مسوری پہنچ گئے۔ راستہ ہی میں یہ معلوم ہو چکا تھا کہ مناظرہ ہو چکا ہے لیکن مسوری میں اس شدت سے ان کی طلبی کیوں ہوئی۔ اسے مولانا ہی کے الفاظ میں سنیے! لکھتے ہیں۔

”بانیان جلسہ سے میں نے کہا کہ جب مباحثہ ہو چکا تھا تو مجھے بلانے کی کیا حاجت تھی۔ اس کا جواب انہوں نے دیا کہ آپ کے شریک مناظرہ نہ ہو سکنے سے جو یہاں کے مسلمانوں کے دل پژمردہ ہو رہے تھے ان کو شاد کرنا منظور تھا۔ اس لیے آپ کو تکلیف دی گئی۔ خیر میں نے منصوری (مسوری) پر تین تقریریں کیں جن میں ایک جو شب کے وقت تھی۔ محض مرزا صاحب آنجہانی کے لیے وقف تھی۔

جس کے سننے سے کوہ منصوری (مسوری) پر ایسی ٹھنڈک پڑی کہ باید وشاید۔''[1]

قادیانی حضرات نے مناظرہ کے لیے ۷ر نومبر کی مقرر کی ہوئی تاریخ کیوں منسوخ کردی اور مولانا کی مصروفیت کے ایام میں یعنی ۱۴ر نومبر کو مناظرہ پر کیوں آمادہ ہوئے۔ اس چابکدستی کا سبب مولانا کے اس بیان سے ظاہر ہے۔ لکھتے ہیں۔

''راجپور میں (قریب منصوری) پہنچا تو وہاں کے مسلمانوں نے کہا: صاحب! ہم نے قادیانیوں سے کہا تھا: ٹھہریئے! ابھی مولوی ثناء اللہ صاحب آتے ہیں۔ ہنوز ہمارا یہ جملہ ختم بھی نہ ہوا تھا کہ فوراً ہی انہوں نے سواری طلب کرلی۔ کیوں؟ اس کا جواب میں نہیں دیتا۔ دنیا کو معلوم ہے۔[2]

اور دنیا کو جو کچھ معلوم ہے۔ وہ یہی ہے کہ شیر پنجاب اور فاتح قادیان کا نام سن کر قادیانیت کے ایوان میں زلزلہ آجایا کرتا تھا اور غالباً یہی وجہ تھی کہ اب قادیانیوں نے شرافت کے ساتھ مدمقابل آنے کے بجائے اوچھی حرکتوں کا سہارا لینا شروع کردیا تھا۔ چنانچہ ۱۷ر فروری ۱۹۱۰ء کو ایک گمنام قادیانی نے قادیان سے ایک پوسٹ کارڈ روانہ کیا، جس میں مولانا کو دھمکی دی گئی تھی کہ اگر اخبار اہل حدیث میں قادیانیت کے خلاف شذرہ نویسی بند نہ ہوئی تو آپ کو قتل کردیا جائے گا۔[3] لیکن ظاہر ہے کہ مولانا پر اس طرح کی دھمکیوں کا ویسا ہی اثر ہوسکتا تھا جیسا ''پیغمبر قادیان'' کے ۱۵ر اپریل ۱۹۰۷ء والے اشتہار کا ہوا تھا۔ کیا عجب کہ مولانا اس دھمکی کو ملاحظہ فرمانے کے بعد یہ شعر گنگناتے رہے ہوں۔

ودع الوعید فما وعیدک ضائری

اطنین اجنحة الذباب یضیر

اپنی دھمکی رہنے دو۔ تمہاری دھمکی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ بھلا مکھی کے بازوؤں کی بھنبھناہٹ بھی نقصان رساں ہوسکتی ہے؟

سال دو سال مزید گذرا تو قادیانی حضرات کے دم خم میں کچھ تازگی آئی اور انہیں کی تحریک

---

[1] اہل امرتسری رحمہ اللہ ۱۰ر دسمبر ۱۹۰۹ء

[2] ایضاً [3] خط کی مفصل نقل کے لیے ملاحظہ ہو اہل حدیث امرتسری ۱۸ر فروری ۱۹۱۰ء

سے ایک نئے اور تاریخ ساز مناظرے کی بنیاد پڑی۔ مناظرہ کیا تھا، اچھا خاصا خدائی نشان تھا جس نے ایک بار پھر حق و باطل کے درمیان نہایت صفائی کے ساتھ فیصلہ کر دیا تھا۔ ویریکم ایاتہ فای ایات اللہ تنکرون. یہ مناظرہ ''انعامی مباحثہ لدھیانہ'' کے نام سے معروف ہے اور ردّ قادیانیت کے سلسلے میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگلی سطور میں اس کی روداد ملاحظہ فرمائیے۔

انعامی مباحثہ لدھیانہ

(اپریل ۱۹۱۲ء)

جیسا کہ ہم بتلا چکے ہیں، مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے جیتے جی مرزا قادیانی کی موت، ان کے کذاب و دجال ہونے کا ایک کھلا ہوا خدائی نشان تھا۔ جس نے قادیانی ایوان میں زلزلہ برپا کر رکھا تھا۔ قادیانی مبلغین اپنا سارا زور استدلال صرف کر ڈالنے کے باوجود اس سیاہ داغ کو اپنے نبی کی پیشانی سے دھل نہیں پاتے تھے۔ آخر کئی سال کی تفکیری کوششوں کے بعد منشی قاسم علی دہلوی نے اس سے جان چھڑانے کا ایک پہلو تلاش کیا اور ۱۶ر فروری ۱۹۱۲ء کے قادیانی اخبار ''الحق'' دہلی میں مولانا امرتسری رحمہ اللہ کو مباحثہ کا چیلنج دے دیا۔ مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کب چوکنے والے تھے۔ آپ نے یکم مارچ ۱۹۱۲ء کے اخبار اہل حدیث میں چیلنج قبول کرنے کا اعلان کیا۔ پھر شرائط پر گفتگو چلی اور آخر کار طے ہوا کہ ۱۵ر اپریل ۱۹۱۲ء کو لدھیانہ میں مناظرہ ہو۔

قادیانی مناظر اپنے جدید نکتہ کی دریافت پر اس قدر نازاں و فرحاں تھے اور اپنی کامیابی کا اتنا پختہ یقین کیے ہوئے تھے کہ انہوں نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ اعلان کیا کہ اگر مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ اس مناظرہ میں فتح یاب ہو جائیں گے تو ہم انہیں تین سو روپے انعام دیں گے جب کہ ان کے ناکام ہونے کی صورت میں ہم ان سے کوئی رقم نہیں لیں گے۔

طے شدہ قرارداد کے مطابق ۱۵ر اپریل ۱۹۱۲ء کو دونوں فریق لدھیانہ میں جمع ہو گئے۔ پھر

ایک طویل گفتگو کے بعد متفقہ طور پر طے پایا کہ قادیانی حضرات تین سو روپے کی انعامی رقم ایک امین کے پاس جمع کر دیں۔ نیز دونوں فریق مباحثہ کا فیصلہ کرنے کے لیے اپنی اپنی طرف سے ایک ایک منصف نامزد کریں اور اتفاق رائے سے ایک ایسا غیر مسلم سرپنچ منتخب کریں جو دونوں منصفوں کے درمیان اختلاف کی صورت میں اپنا فیصلہ دے سکے اور جس کا فیصلہ ناطق سمجھا جائے۔

قادیانیوں نے مزید ایک شرط یہ بھی رکھی کہ مسلم اور قادیانی منصفوں کو اپنا اپنا فیصلہ حلفیہ لکھنا ہوگا۔ غیر حلفی فیصلہ معتبر نہ ہوگا۔

ان شرائط کے مطابق مسلمانوں نے مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی رحمہ اللہ کو اور قادیانیوں نے منشی فرزند علی ہیڈ کلرک قلعہ میگزین فیروز پور کو اپنا اپنا منصف مقرر کیا۔ مسلمہ فریقین سرپنچ کے طور پر ایک سکھ دانشور سردار بچن سنگھ صاحب بی، اے۔ ایل ایل بی گورنمنٹ پلیڈر لدھیانہ کا انتخاب عمل میں آیا اور قادیانیوں نے تین سو روپے کی انعامی رقم مولانا محمد حسن صاحب رئیس لدھیانہ کے پاس بطور امانت جمع کر دی۔

۱۷/اپریل ۱۹۱۲ء کو تین بجے سہ پہر سے اصل مناظرہ کا آغاز ہوا اور نو یا دس بجے رات تک جاری رہا طریق بحث یہ تھا کہ فریقین باری باری اپنے بیانات قلمبند کر کے حاضرین کو سنا دیتے تھے۔ مولانا نے تمام شرائط و آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس وقار کے ساتھ بحث کی کہ کسی کو آپ پر انگلی اٹھانے اور حرف گیری کرنے کا موقع نہ مل سکا جب کہ فریق مقابل نے قدم قدم پر ضوابط کی خلاف ورزی کی۔ اور اسے بار بار تنبیہ وہدایت کی گئی۔

گفتگو کا محور یہ تھا کہ ۱۵/اپریل ۱۹۰۷ء کو مرزا صاحب نے ''مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ'' والا جو اشتہار شائع کیا تھا اور جس میں یہ دعا کی تھی کہ

''اب میں تیرے تقدس اور رحمت کا دامن پکڑ کر تیری جناب میں .... مجھ میں اور ثناء اللہ میں سچا فیصلہ فرما اور وہ جو تیری نگاہ میں حقیقت میں مفسد اور کذاب ہے اس کو صادق کی زندگی میں اٹھا لے۔''

اور جس کے بعد مرزا صاحب مولانا امرتسری رحمہ اللہ کی زندگی میں مر گئے، یہ اشتہار اور یہ

دعا مرزا صاحب نے اپنے عقیدے اور دعوے کے مطابق...... کسی خدائی تحریک پر شائع کی تھی یا یونہی شائع کر دی تھی؟ اور اس دعا کی قبولیت کا الہام انہیں ہوا تھا یا نہیں ہوا تھا؟ مولانا امرتسری رحمہ اللہ کا دعویٰ تھا کہ مرزا صاحب نے بقول خود...... یہ دعا خدائی تحریک پر کی تھی اور اس کی قبولیت کا انہیں...... بزعم ان کے...... الہام بھی ہوا تھا۔ اس لیے میری زندگی میں ان کا فوت ہو جانا ان کے اپنے اقرار و اعتراف کے مطابق ان کے دجال و کذاب اور مفسد و مفتری علی اللہ ہونے کا خدائی نشان ہے جب کہ قادیانی مناظر کا موقف یہ تھا کہ مرزا صاحب کی یہ دعا خدائی تحریک پر نہ تھی اور نہ انہیں اس کی قبولیت کا کوئی الہام ہوا تھا۔

مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے مرزائی مسلمات کی بنیاد پر اور خود مرزا صاحب کے عمومی اور خصوصی بیانات کی روشنی میں اپنا دعویٰ اس طرح مدلل طور پر ثابت کیا کہ انکار کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی اور منشی قاسم علی ایڑی چوٹی تک کا زور لگانے کے باوجود کوئی علمی گرفت نہ کر سکے۔ مناظرہ کے اختتام پر فریقین کے قلمبند بیانات منصفوں کے حوالے کر دیئے گئے۔

۱۹/اپریل کی شام کو مسلم منصف مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی نے اپنا حلفیہ فیصلہ سرپنچ کے سامنے پیش کر دیا۔ جس میں انہوں نے مباحثہ کے تمام پہلوؤں کا مفصل تحلیل و تجزیہ کرتے ہوئے دوٹوک الفاظ میں مولانا امرتسری رحمہ اللہ کو فاتح قرار دیا تھا لیکن ان کے برعکس قادیانی منصف ۱۸/اپریل کی صبح کو...... فیصلہ دیئے بغیر...... لدھیانہ سے اچانک غائب ہو گیا۔ قادیانی اکابر سے مل کر اس نے کیا کیا در پردہ مشورے کیے؟ اس کا کسی کو علم نہیں۔ ہاں کافی آنا کافی کے بعد اس نے ۲۰/اپریل کی شام کو اپنا فیصلہ سرپنچ کے حوالے کیا۔ فیصلہ کیا تھا؟ مجموعۂ مہملات تھا۔ پورا بیان پڑھ کر کسی نتیجے پر پہنچنا مشکل ہے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ خود قادیانیوں نے اپنی ضد سے حلفی فیصلہ لکھنے کی جو شرط رکھوائی تھی۔ قادیانی منصف صاحب نے اس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے غیر حلفی فیصلہ لکھا تھا۔ جو طے شدہ شرائط کے مطابق قابل قبول نہ تھا تاہم مولانا امرتسری رحمہ اللہ کی اجازت سے سرپنچ نے اسے قبول کر لیا۔ مرزائی منصف نے ہر چند قلابازیاں کھانے کے باوجود مرزائی مناظر کے جواب کی بابت اعتراف کیا تھا کہ......

"جو جواب اس سوال کا میر قاسم علی صاحب (قادیانی مناظر) نے دیا اس کی صحت

پر مجھے اطمینان نہیں ہوا...... اور میر صاحب کا بیان صرف قیاس پر مبنی ہے جو حجت نہیں ہوسکتا۔'' [1] انتہی ملخصاً

بہرحال ان دونوں فیصلوں کی وصولیابی کے بعد سردار بچن سنگھ صاحب نے اپنا فیصلہ قلمبند کر کے ۲۱ راپریل ۱۹۱۲ء کو مغرب کے وقت فریقین کے حوالہ کر دیا۔ اس فیصلہ میں سردار صاحب نے مباحثہ کے تمام پہلوؤں کا نہایت باریکی سے مفصل جائزہ لیتے ہوئے صاف اور صریح الفاظ میں مولانا امرتسری رحمہ اللہ کو فاتح قرار دیا۔

اس مناظرہ کا جو خوشگوار ردّ عمل ہوا وہ مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے حسب ذیل بیان سے ظاہر ہے۔ لکھتے ہیں:

''۲۱ راپریل کی مغرب کے وقت سردار صاحب موصوف نے فیصلہ دیا۔ فوراً ہی تمام شہر میں یوں خبر مشہور ہوئی، جیسے عید کے چاند کی۔ مسلمان ایک دوسرے کو ''مبارک، خیر مبارک'' کے نعرے سنتے سناتے۔ چھوٹے چھوٹے بچے گاڑیوں پر بیٹھ کر خوشی کے نعرے لگاتے۔ یہاں تک کہ دس بجے شب کے حضرت میاں صاحب (مولانا محمد حسن خاں صاحب) کے مکان کے وسیع احاطہ میں جلسہ ہوا۔ جس میں فیصلہ کا اظہار اور سرپنچ کے حق میں شکریہ اور دعا کا رزلیوشن بڑی خوشی سے حاضرین نے پاس کیا۔ اسی کے بعد مبلغ تین سو روپے کا انعام امین صاحب سے وصول کر کے صبح کو ڈاک پر مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ روانہ ہوئے۔ اسٹیشن پر احباب کا مجمع تھا۔ جنہوں نے نہایت مسرت و بہجت کا اظہار کیا اور ایک جلوس کی معیت میں اپنے مکان پر پہنچے۔ الحمدللہ

''شب کو احباب کی دعوت اور جلسہ ہوا۔ جس میں مختصر کیفیت جلسہ کے بعد فیصلہ سنایا گیا اور سرپنچ صاحب کے تدبر و انصاف اور محنت و دیانت کا ذکر کرتے ہوئے ان کے حق میں شکریہ اور دعا کا رزلیوشن پاس کیا گیا۔ الحمدللہ [2]

---

[1] فاتح قادیان، ص ۳۹، ۴۰۔
[2] فاتح قادیان، ص ۵۷

اسی مناظرہ کی یادگار کے طور پر مولانا نے ”فاتح قادیان“ نامی رسالہ تحریر فرمایا تھا جس میں فریقین کے پورے مباحث اور تینوں منصفوں کے فیصلوں کے مکمل متن درج کرنے کے ساتھ ساتھ اس مناظرے کے پس منظر اور پیش منظر کی پوری تفصیل بھی قلمبند فرمائی اور اسے انعامی رقم سے چھپوا کر مفت تقسیم کیا یہ رسالہ بار بار چھپا اور ہاتھوں ہاتھ نکل گیا۔ ہمارے پاس اس کا پانچواں ایڈیشن ہے جس کا سن طباعت جولائی ۱۹۲۰ء ہے۔

یہ مناظرہ ”انعامی مباحثہ“ کے نام سے مشہور ہوا اور چونکہ اس کا موضوع بحث بھی مرزا صاحب کا ۱۵/اپریل ۱۹۰۷ء والا اشتہار تھا جس کا عنوان تھا ”مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ“ اس لیے مرزا جی کی موت کی طرح یہ مناظرہ بھی قادیانیوں اور اہل اسلام کی تاریخ میں ایک خدائی نشان کی حیثیت اختیار کر گیا۔ اس مباحثہ نے مرزا صاحب کے کذب پر دوہری مہر لگا دی اور قادیانیوں کا جوش وخروش اور زور وشور توڑ کر رکھ دیا۔

ایک لطیفہ اور قدرتی اسرار

اس عنوان کے تحت مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے اسی فاتح قادیان میں ایک دلچسپ لطیفہ لکھا ہے۔ فرماتے ہیں:

”واقعی بات ہے کہ اللہ کے اسرار اللہ ہی جانتا ہے۔ اشتہار مذکور (یعنی آخری فیصلہ والے اشتہار) کی تاریخ ۱۵/اپریل، اس پر مباحثہ کے لیے بھی ۱۵/اپریل ہی کا اتفاق ہوا۔ حدیث میں آیا ہے کہ مسیح موعود دجال کو باب لد میں قتل کریں گے۔ محدثین کہتے ہیں کہ باب لد شام کے ملک میں ایک مقام ہے مگر مرزا صاحب چونکہ مسیح موعود ہونے کے مدعی تھے اور پنجاب کے باشندے اور پنجاب سے باہر نہ گئے تھے اس لیے انہوں نے اس حدیث کی تاویل ایسی کی جس سے شہر لدھیانہ کی فضیلت بھی ثابت ہوسکتی ہے اور اس مناظرہ پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ آپ نے لکھا ہے۔

”اول بلدة بايعنى الناس فيها اسمها لودهانة، وهي اول ارض قامت الاشرار فيها للاهانة، فلما كانت بيعة المخلصين حربة لقتل الدجال

اللعین، باشاعة الحق المبین اشیر فی الحدیث ان المسیح یقتل الدجال علی باب اللہ بالضربة الواحدة، فاللہ ملخص من لفظ لودھانة، کما لایخفی علی ذوی الفطنة . (رسالہ الھدیٰ حاشیہ، ۹۱)

''یعنی سب سے پہلے میرے ساتھ لودھانہ میں بیعت ہوئی تھی جو دجال کے قتل کے لیے ایک حربہ (ہتھیار) تھی۔ اس لیے حدیث میں آیا ہے کہ مسیح موعود دجال کو باب لد میں قتل کرے گا۔ پس لد دراصل مختصر ہے لدھیانہ سے۔''

مرزا صاحب نے لدھیانہ میں کس دجال کو قتل کیا؟ اس کا تو ہمیں علم نہیں۔ وہ جانیں یا ان کے مرید، ہاں اس سے یہ تو بخوبی ثابت ہوا کہ لودھیانہ کا مقام منتخب ہونا اور فریق ثانی کی تجویز سے ہونا واقعی سر قدرت اپنے اندر رکھتا ہے کہ بقول مرزا صاحب یہاں دجال قتل ہونا تھا۔''❶

(۴)

لدھیانہ سے امرتسر تک

(جون ۱۹۱۳ء تا ستمبر ۱۹۱۵ء)

''انعامی مباحثہ لدھیانہ'' خلیفہ نورالدین صاحب کے دورِ خلافت کا آخری اور سب سے اہم ترین معرکہ تھا جو مسلمانوں اور قادیانیوں کے درمیان پیش آیا۔ قادیانیوں کی شکست فاش کے صدمے سے خلیفہ صاحب جانبر نہ ہو سکے اور تھوڑے ہی عرصہ بعد ٹھوکریں کھا کھا کر راہیٔ ملک عدم ہو گئے۔

مناظرہ لدھیانہ اور حکیم صاحب کی وفات کے درمیانی عرصہ میں بھی بعض دفعہ فریقین میں چھیڑ خانیاں ہوئیں لیکن کوئی باقاعدہ مناظرہ نہ ہو سکا۔ چنانچہ ۴/۵ جون ۱۹۱۳ء کو موضع اٹھوال ضلع گورداسپور میں اور ۷/۸ جون ۱۹۱۳ء کو موضع محلانوالہ ضلع امرتسر میں قادیانیوں نے

---

❶ فاتح قادیان، ص ۶، ۷

اپنے تبلیغی جلسے کیے۔ ان جلسوں کے اشتہار میں اعلان کیا کہ "ہر ایک مذہب کا پیرو مہذبانہ طور پر اپنے اعتراضات واشتباہات بعد ختم لکچر باجازت میر مجلس جلسہ پیش کر سکتا ہے۔ جن کا جواب نہایت خوش اسلوبی اور تحمل سے سلسلہ کی طرف سے دیا جائے گا"[1]۔

اس اعلان کے مطابق مذکورہ مقامات کے مسلمانوں نے مولانا امرتسری رحمہ اللہ کو مدعو کیا لیکن قادیانی حضرات مولانا کی آمد کی اطلاع پا کر اس قدر حواس باختہ ہوئے کہ قاصدوں کا جواب بھی متوازن طور پر نہ دے سکے اور مناظرہ سے صاف صاف طور پر انکار کر دیا[2]۔

پھر اسی جون میں لدھیانہ کے پٹے ہوئے قادیانی مناظر منشی قاسم علی نے مرزا صاحب کے دعاوی اور شخصیت کے موضوع پر مباحثہ کے لیے بڑے جوش وولولے کا اظہار کیا مگر جب مولانا نے اس چیلنج کی قبولیت کا اعلان کیا تو غریب کو تارے نظر آنے لگے اور حیلے بہانے تلاش کر کے فرار اختیار کر گیا[3]۔

پھر اخیر دسمبر ۱۹۱۳ء میں سیالکوٹ کے اندر کچھ قادیانیوں نے مولانا امرتسری رحمہ اللہ پر ایک افتراء کر کے اس کا ثبوت مہیا کرنے کا وعدہ کیا۔ مگر اس میں بھی ناکام رہے[4]۔

بہرحال اس طرح کی چھیڑ خانیوں کے باوجود حکیم صاحب کی وفات تک لدھیانہ کے مباحثہ کے بعد کوئی مباحثہ نہ ہوا۔ حکیم صاحب کے بعد مارچ ۱۹۱۴ء میں جب مرزا صاحب کے جواں عزم وجواں سال صاحبزادے مرزا بشیر الدین محمود نے خلافت بے ملک کی گدی سنبھالی تو قادیانیوں میں...... دو گروپ ہو گئے۔ کچھ دن تو میاں محمود نے مخالف گروپ کے ساتھ اندرونی کش مکش میں گذارے لیکن اطمینان کے لمحات میسر آتے ہی مسلمانوں کے خلاف خفیہ اور اعلانیہ ریشہ دوانیوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ قدیم رشتہ وتعلق کٹنا شروع ہو گئے۔ قادیان میں خصوصاً اور جہاں جہاں قادیانیوں کی حیثیت کچھ مضبوط تھی۔ وہاں عموماً کمزور مسلمانوں کا سوشل بائیکاٹ، اقتصادی حملے، معاشی استحصال، بلکہ آگے چل کر کھلی ہوئی غنڈہ گردی اور قتل وغارت گری تک کے حادثات پیش آنے لگے۔

---

[1] اہل حدیث امرتسر ۴ر جولائی ۱۹۱۳ء
[2] اہل حدیث امرتسر ۱۳ر جون ۱۹۱۳ء
[3] ایضاً ۱۸ر جولائی ۱۹۱۳ء و ۳۱ر اکتوبر ۱۹۱۳ء
[4] ایضاً ۲۴ر اپریل ۱۹۱۴ء

اس سلسلے کا دوسرا اور دردناک پہلو یہ تھا کہ قادیانی مبلغوں کی ٹولیاں دیہات دیہات گھوم کر خواندہ جاہل اور کم سمجھ مسلمانوں کو طرح طرح کی ترغیبات وتحریصات کے ذریعہ اپنے دام تزویر میں پھانس کر قادیانی بنانے کی مہم بڑی تیزی کے ساتھ چلا رہی تھیں۔

مولانا اس صورت حال سے غافل نہیں رہ سکتے تھے۔ کچھ تو حساس مسلمانوں کے اپنے جذبۂ احساس کے نتیجے میں اور کچھ مولانا امرتسری رحمہ اللہ اور دیگر اعیان اسلام کی تحریک پر جگہ جگہ اسلامی انجمنیں قائم ہو چکی تھیں اور ہو رہی تھیں۔ ان مقامی انجمنوں نے اپنی مہم تیز تر کر دی۔ مختلف مواقع پر عام جلسے، مبلغین اسلام کے وفود کا استقبال، قادیانیوں کے پھیلائے ہوئے زہر کا مداوا، خود قادنیوں کے اندر اسلام کی دعوت اور قادیانیت کے ستم رسیدگان کی دستگیری وغیرہ ان انجمنوں کی مہم کے اجزاء تھے اور مولانا امرتسری رحمہ اللہ کو اس سلسلے میں مرکزی کردار کی حیثیت حاصل تھی۔ اس کے متعلق سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ اور دیگر اعیان اسلام کی شہادتیں گذر چکی ہیں۔

مولانا امرتسری رحمہ اللہ کا خامۂ باطل شکن تو ہمہ وقت میدان پیکار میں سینہ سپر رہتا ہی تھا لیکن اس دور کے اصلاحی کاموں میں ان جلسوں کا بھی بڑا حصہ ہے جو مقامی انجمنوں کے زیر اہتمام آئے دن منعقد ہوا کرتے تھے۔ ان جلسوں کی تاثیر کا یہ عالم تھا کہ بسا اوقات ایک ایک مجلس میں پوری پوری جماعت قادیانیت سے تائب ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو جایا کرتی تھی اور غالباً یہی وجہ تھی کہ قادیانیوں کی جو تعداد مرزا صاحب کی زندگی میں چار لاکھ تک بتائی جاتی تھی۔ اس کا شمار مرزا محمود کے دور میں گھٹ کر ہزاروں کے اندر آ گیا تھا، افسوس یہ ہے کہ اس قسم کے جلسوں کی روداد یں خال خال ہی مل سکی ہیں، اس لیے ان کا کوئی جامع اور مرتب خاکہ پیش نہیں کیا جا سکتا۔ اگلے صفحات میں کہیں کہیں صرف اس کی جھلکیاں مل جائیں گی۔

جلسوں کے علاوہ اس دور میں کئی اہم ترین مناظرے بھی پیش آئے۔ ہمارے علم کی حد تک اس دور میں پہلا باقاعدہ مناظرہ امرتسر میں پیش آیا جس کی تفصیلات اگلے صفحات میں آ رہی ہیں۔

امرتسر کے مناظرہ سے پہلے مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے فروری ۱۹۱۵ء میں ایک بڑے

پیمانے کے مناظرہ کی تحریک شروع کی۔ ابتداءً قادیانیوں نے اظہار آمادگی کیا لیکن قریب تمام شرائط طے ہو چکنے کے بعد فرار کی راہ ڈھونڈھ لی اور مقابل میں نہ آئے [1]۔

اس کے بعد ضلع جالندھر کے ایک گاؤں ملسیان میں حسن اتفاق سے ایک بے قاعدہ مباحثہ یا تردید کی شکل نکل آئی۔ ہوا یہ کہ مذکورہ گاؤں میں چند باا ثر حضرات قادیانی ہو گئے۔ پھر ایک تبلیغی جلسہ کے نام پر مسلمانوں سے چندہ وصول کیا لیکن تقریر کے لیے صرف قادیانیوں کو مدعو کیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر حساس مسلمانوں نے مولانا امرتسری رحمہ اللہ اور دو ایک اور علماء اسلام کو مدعو کیا۔ فریقین نے ایک اسٹیج پر باری باری تقریریں کیں۔ مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تقریر میں ناقابل تردید دلائل سے ثابت کیا کہ مرزا صاحب خود اپنے اعتراف واقرار کے بموجب جھوٹے اور مفتری علی اللہ تھے۔ مولانا کی تقریر اس قدر مدلل تھی کہ قادیانی حضرات کی تقریر کی باری اگرچہ اخیر میں تھی لیکن ان سے کوئی جواب نہ بن سکا اور فضا جو قادیانیت کے لیے سازگار ہو رہی تھی ناسازگار ہو گئی۔ واقعہ کی تفصیل اخبار اہل حدیث امرتسر ۲۳/ جولائی ۱۹۱۵ء میں درج ہے لیکن جلسہ کی تاریخ درج نہیں۔

اسی طرح کا ایک اور بے قاعدہ مباحثہ یا تردیدی پروگرام ضلع فیروز پور (پنجاب) میں بھی پیش آیا۔ اس ضلع میں ایک مقام سرانواں (تحصیل فاضل کا) ہے۔ یہاں قادیانیوں نے اودھم مچا کر نوبت مناظرہ تک پہنچا دی۔ ۲۸/ اگست ۱۹۱۵ء کو مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت پر وہاں پہنچے اور پہنچتے ہی وجدانی طور پر...... پیشینگوئی کر دی کہ قادیانی حضرات مجھ سے مباحثہ نہیں کریں گے اور بعینہٖ یہی ہوا بھی، دو روز فریقین مدمقابل بیٹھے لیکن قادیانیوں نے سارا وقت شرائط طے کرنے ہی میں گذار دینے کی کوشش کی۔ مولانا ان کے مقاصد سے آگاہ تو تھے ہی۔ آپ نے ان کی تمام ترہیرا پھیریوں کے باوجود مرزا صاحب کی حقیقت عوام کے سامنے رکھ ہی دی۔ وہاں کے عوام نے ایک اشتہار شائع کیا۔ جس میں پوری تفصیل درج کرتے ہوئے لکھا کہ مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر سے ”سب لوگوں کو تسکین ہوگئی جو لوگ کسی قسم کے شک وشکوک رکھتے تھے سب

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے اہل حدیث امرتسر ۱۹/ فروری، ۵/ مارچ، ۲۶/ مارچ، ۱۶/ اپریل اور ۲۸/ مئی ۱۹۱۵ء

صاف ہو گئے۔ [1]
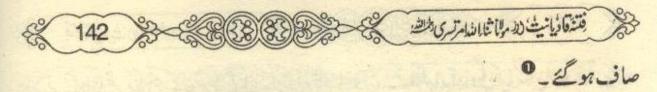
اس واقعہ کے بعد اسی سے ملتا جلتا ایک واقعہ ریاست پٹیالہ میں پیش آیا۔ یہاں ایک قصبہ، سنور، میں قادیانی تحریک کا بڑا زور تھا۔ انہوں نے یہاں ۲۴/۲۵/اور ۲۶/ستمبر ۱۹۱۵ء کو اپنا جلسہ کیا۔ مسلمانوں نے بھی اس کے توڑ میں ۲۳/۲۴/اور ۲۶/ستمبر ۱۹۱۵ء کو اپنا جلسہ کیا۔ مولانا امرتسری رحمہ اللہ ۲۵/ستمبر کو تشریف لے گئے تھے۔ نامہ نگاران جلسہ مولانا امرتسری رحمہ اللہ کی بابت لکھتے ہیں:

''انہوں نے دو روز تک (یعنی ۲۵/اور ۲۶/ستمبر ۱۹۱۵ء کو) متعدد وعظ فرمائے۔ عام نصائح کے علاوہ مرزائی الہامی غلط بیانیوں اور پیشگوئیوں وغیرہ کے خوب بخیے ادھیڑے، جس سے لوگ عام طور پر بہت محظوظ ہوئے اور ان کا ہر طرح اطمینان ہو گیا۔ بہت سے لوگ متذبذب ہو رہے تھے، سب مطمئن بالایمان ہو گئے......

''اگر جناب مولوی (ثناء اللہ) صاحب تشریف نہ لاتے تو بہت سے لوگوں کے خیالات میں خلل آنے کا اندیشہ تھا۔ مولانا صاحب ممدوح امرتسری رحمہ اللہ کے وعظوں سے اس مدعا کے حصول میں خاص امداد پہنچی۔ [2]

لپٹ جھپٹ کے ان واقعات کے بعد امرتسر کے باقاعدہ اور معروف مناظرہ کی نوبت آ گئی۔ وہی ہذہ......

---

[1] مفصل روداد اہل حدیث امرتسر ۱۰/ستمبر ۱۹۱۵ء کے شمارے میں درج ہے۔

[2] ایضاً ۸/اکتوبر ۱۹۱۵ء

۵

مناظرہ امرتسر

(اپریل ۱۹۱۶ء)

اس مناظرہ کی بناء اس طرح پڑی کہ مرزا محمود نے خلافت کی گدی سنبھالنے کے بعد جب نئے ولولہ کے ساتھ مسلمانوں کو قادیانی بنانے کی مہم شروع کی تو ایک قادیانی مبلغ مولوی غلام رسول راجیکی نے امرتسر میں خاصی اودھم مچائی۔ اس کے جواب میں انجمن حفظ المسلمین قائم ہوئی اور اس کے زیر اہتمام مولانا امرتسری رحمہ اللہ کی دو تقریریں ہوئیں۔ جس میں موصوف نے مرزا صاحب کے الہامات کی خوب قلعی کھولی۔ اسی اثنا میں مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی کسی ضرورت سے امرتسر تشریف لائے تو اہالیان امرتسر کے اصرار پر موصوف نے بھی متعدد تقریریں فرمائیں اور قادیانیت کے بخیے ادھیڑے۔

اس دوران فریقین کی طرف سے اشتہارات بھی شائع ہوتے رہے، جن کی اجمالی کیفیت یہ تھی کہ مسلمان قادیانیوں کو دعوت مناظرہ دیتے تھے اور قادیانی حضرات راہ فرار اختیار کرنے کے لیے عوام کی توجہ کسی اور طرف مبذول کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ آخر بڑی مشکلوں سے مناظرہ کے لیے تیار ہوئے۔ شرائط طے ہوئیں۔ اور ۲۹/۳۰/اپریل ۱۹۱۶ء کو حسب قرارداد فریقین کے ایک محدود اجتماع میں تحریری مباحثہ ہوا۔

پہلے دن حیات و وفات مسیح کے موضوع پر بحث تھی۔ دونوں طرف سے تین تین پرچے لکھے گئے۔ طریقۂ کار یہ تھا کہ ۴۰ منٹ میں ایک پرچہ لکھا جاتا تھا۔ اور دس منٹ میں سنا کر صدر جلسہ کی معرفت فریق ثانی کے حوالہ کر دیا جاتا تھا۔ پہلے پرچے میں فریقین کو اپنے اپنے دلائل تحریر کرنے تھے۔ دوسرے پرچے میں ہر فریق کو اپنے مقابل کی تردید کرنی تھی اور تیسرے پرچے میں اپنے پرچے کی تائید اور فریق مقابل کے اعتراض کی تردید کرنی تھی۔ دوسرے دن یعنی ۳۰/اپریل کو اسی طریقۂ کار کے مطابق تصدیق و تکذیب دعاوی مرزا پر بحث ہوئی۔

چونکہ اس مباحثہ کے فیصلے کے لیے منصفان کا تقرر عمل میں نہ آیا تھا اور نہ عوام بہ نفس نفیس

اس میں شرکت کے مجاز تھے، اس طرح ان کے سامنے اس مباحثہ کا نتیجہ نہ تو کسی فیصلہ کی شکل میں آسکتا تھا نہ ذاتی مشاہدہ کی شکل میں، اس لیے عوام کی خواہش ہوئی کہ ایک مباحثہ جلسۂ عام کے اندر تقریری شکل میں بھی ہو جائے لیکن قادیانیوں نے تحریری مباحثہ کے دوران اپنی جو کمزوری دیکھی تھی۔ اب اسے منظر عام پر لانا انہیں کسی طرح گوارہ نہ ہوا اور انہوں نے عوام کی یہ تجویز ہر چند اصرار کے باوجود قبول نہ کی۔

مباحثہ کے بعد صرف یہی نہیں کہ قادیانیوں کا جوش وخروش سرد پڑ گیا۔ بلکہ بعض ایسے سلیم الفطرت حضرات جو غلط فہمی کی بناء پر قادیانیت کا شکار ہو گئے تھے، اس مناظرہ کے اثر سے دوبارہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے ایک صاحب نے تو باقاعدہ اشتہار شائع کر کے قادیانیت سے اپنی برأت کا اعلان واظہار کیا۔ اس مناظرہ کی بابت اخبار بلیٹن لاہور کا نمائندہ رقم طراز ہے:

''اس مباحثہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کو مولوی غلام رسول راجیکی پر فتح ہوئی اور مرزائی ہار گئے۔ جلسہ میں علاوہ مسلمانوں کے دیگر مذاہب کے لوگ بھی موجود تھے اور سب نے بالاتفاق مرزائیوں کے خلاف فیصلہ دیا۔ [1]''

اس مناظرہ کی روداد انجمن حفظ المسلمین کے زیر اہتمام ''فتح ربانی در مباحثہ قادیانی'' کے نام سے رسالہ کی شکل میں شائع ہوئی تھی۔ اس رسالہ میں فریقین کی مکمل تحریریں اور ان پر مبسوط ریویو، مناظرہ کا پس منظر اور اس کے نتائج واثرات درج ہیں [2]۔

اس مناظرہ کے متعلق ایک اور بات بھی لائق درج ہے۔ مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ مناظرے سے پہلے کے بالکل متصل ایام میں بعض مقدمات کے سلسلہ میں بہت زیادہ مصروف تھے۔ اس مناسبت سے آپ نے ''لطیفہ'' کے عنوان سے لکھا ہے۔

''مقدمات کی وجہ سے بالکل عدیم الفرصتی تھی۔ خصوصاً مباحثہ کے قریب ۲۶/تا ۲۸/اپریل مقدمہ تھا۔ ۲۸/تاریخ کو چار گھنٹے عدالت میں کارروائی ہوتی رہی۔ میرے دوست متفکر ہو کر مجھے کتاب دیکھنے کی طرف توجہ دلاتے تو میں جواب میں کہہ دیتا: ''بنئے کے مارنے کو لکڑی کی کیا حاجت ہے؟ [3]

---

[1] بلیٹن لاہور ۳/مئی ۱۹۱۶ء۔ ماخوذ از اہل حدیث امرتسر ۱۲/مئی ۱۹۱۶ء

[2] مناظرہ ہذا کی روداد اصلاً اسی رسالہ سے ماخوذ ہے۔ [3] اہل حدیث امرتسر ۱۲/مئی ۱۹۱۶ء

(۶)

مباحثہ سرگودھا

(دسمبر ۱۹۱۶ء)

سرگودھا، مغربی پنجاب (پاکستان) کا ایک بڑا اور معروف شہر ہے۔ اسے مولانا امرتسری رحمہ اللہ کی آخری آرام گاہ ہونے کا بھی شرف حاصل ہے۔ یہاں امرتسر کے مناظرہ کے چند ہی ماہ بعد مناظرے کی صورت پیدا ہوگئی۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ اس شہر میں بہت سے قادیانی حضرات مختلف سرکاری عہدوں سے وابستہ ہو کر جمع ہو گئے تھے۔ ان کے بعد ایک مسلمان ڈپٹی کلکٹر نہر شیخ محمد شریف صاحب امرتسری رحمہ اللہ تبدیل ہو کر وہاں پہنچے۔ قادیانیوں نے انہیں قادیانی مذہب کی طرف مدعو کیا۔ انہوں نے ان سے مباحثہ کی ٹھہرائی ۳/۴ر دسمبر ۱۹۱۶ء کو مباحثہ ہونا طے پایا۔ اور مولانا امرتسری رحمہ اللہ سرگودھا بلائے گئے۔ آپ لکھتے ہیں۔

شرائط ایسی بے ڈھب تھیں کہ میں نے کبھی ان شرائط سے مباحثہ نہیں کیا تھا۔ مثلاً مسئلے دو ہوں گے۔ (ختم نبوت) اور (نبوت مرزا) ہر مسئلہ پر صرف دو دو تحریریں ہوں گی۔ ہر تحریر ڈیڑھ ڈیڑھ گھنٹہ کی ہوگی۔ تحریریں بالکل الگ مکان میں ہوں گی۔ جہاں تحریر کنندوں اور ان کے معاونوں کے سوا اور کوئی نہ ہوگا۔ پھر وہ ایک عام جلسہ میں سنائی جائیں گی۔ پہلے روز...... ۹ بجے تحریری مباحثہ شروع ہوگیا۔ میں اکیلا تھا۔ اور فریق ثانی چار کس تھے۔ پہلے روز ختم نبوت پر بحث ہوئی۔

پھر مولانا نے بحث کی کسی قدر تفصیل لکھی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے منقولات سے ختم نبوت ثابت کیا اور معقولات سے قادیانیوں کے موقف پر ایسا اعتراض کیا جس کا وہ کوئی جواب نہ دے سکے۔ قادیانیوں نے اپنے پرچے میں چند عبارات کے حوالے

---

❶ اہلحدیث امرتسر ۱۲ر مئی ۱۹۱۶ء۔

دیئے تھے۔ مولانا نے فرمایا کہ یہ حوالے غلط ہیں۔ اگر صحیح ہیں تو اصل کتاب میں دکھاؤ۔ اس پر قادیانیوں نے دو روز کی مہلت طلب کی۔ اور کہا اگر دو روز میں ہم حوالے نہ دکھلا سکے تو ایک سو روپے تاوان دیں گے۔ لیکن دوسرے ہی دن انہوں نے اپنی ناکامی کا اعتراف کر لیا۔ نہ حوالہ دکھلا سکے نہ تاوان ہی دیا۔

دوسرے دن مرزا جی کی نبوت کے مسئلہ پر بحث کرنی طے تھی۔ لیکن قادیانی مناظرین جائے مقررہ پر تشریف ہی نہ لائے۔ بلکہ عین وقت پر ایک لمبا رقعہ بھیج دیا۔ جس کا خلاصہ یہ تھا کہ ہم وہاں آکر مباحثہ نہ کریں گے اگر آپ کو منظور ہو تو یہاں ہمارے مکان پر آجایئے۔ ادھر سے تاخیر ہی کیا تھی؟ مولانا فوراً بلائے بے درماں کی طرح ان کے مکان پر جا پہنچے۔ دونوں طرف سے تحریری بحث ہوئی۔ مولانا نے قادیانی تحریر کا دنداں شکن جواب دے کر ان پر ایسے معارضے اور ایرادات قائم کیے جن کے جواب سے قادیانی حضرات عاجز و درماندہ رہ کر خاموش ہو رہے۔ [1]

(۷)

میرٹھ میں چھیڑ چھاڑ

(مارچ ۱۹۱۷)

میرٹھ میں قادیانیوں نے ایک انعامی اشتہار شائع کیا۔ اور اہل اسلام کو مباحثہ و مناظرہ کا چیلنج کیا۔ وہاں کی انجمن اہلحدیث نے جواب میں پیش قدمی کی۔ اور ایک اشتہار کے ذریعہ اس چیلنج کو قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔ پھر انجمن مذکور نے اپنے چوتھے سالانہ اجلاس کے موقع پر...... جس کی تاریخ انعقاد معلوم نہ ہو سکی۔ قادیانیوں کو نوٹس دیا کہ مباحثہ کر لو۔ لیکن چونکہ اس اجلاس میں مولانا امرتسری رحمہ اللہ موجود تھے۔ اور مولانا کا وجود قادیانیوں کے لیے موت سے کم نہ تھا۔

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھئے اہلحدیث امرتسر ۱۵ر دسمبر ۱۹۱۶ء۔

اس لیے قادیانیوں نے مختلف عذر اور بہانوں کے ساتھ مباحثہ ٹال دیا۔ اور وعدہ کیا کہ ہم اپنے اجلاس میرٹھ کے موقع پر مولانا کو گفتگو کا موقع دیں گے مگر اس کے بعد جب کلکتہ میں اہلحدیث کانفرنس کے آل انڈیا اجلاس کے انعقاد کے لیے ۹/۱۰/۱۱ مارچ ۱۹۱۷ء کی تاریخیں مقرر ہوگئیں تو قادیانیوں نے جھٹ انہی ایام میں میرٹھ کے اندر اپنا جلسہ رکھ لیا۔ کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ مولانا امرتسری رحمہ اللہ اہلحدیث کانفرنس کی روح رواں ہیں۔ لہٰذا ان ایام میں ان کی حاضری ممکن نہیں۔ مقامی اہلحدیثوں نے ہر چند کوشش کی کہ قادیانی حضرات اپنے جلسہ کی تاریخ بدل دیں۔ مگر انہیں اس سے زیادہ سنہرا موقع کہاں مل سکتا تھا۔ اس لیے وہ کسی طرح آمادہ نہ ہوئے۔

خیر مولانا امرتسری رحمہ اللہ تو اس موقع پر میرٹھ نہ پہنچ سکے۔ مگر ایک مقامی اہلحدیث عبدالحفیظ خاں صاحب جو مولانا کے تحریری فیوض سے خاصے متمتع تھے مباحثہ کے لیے حاضر ہوئے۔ قادیانیوں کی تنگ ظرفی دیکھئے کہ اپنی تین گھنٹہ کی تقریر پر اعتراض کرنے کے لیے صرف پانچ منٹ کا موقع دینے کے روادار ہو سکے۔ مگر اہلحدیث مناظر کی اعلیٰ ظرفی دیکھئے کہ اس نے اتنا مختصر سا ہی وقت قبول کرلیا۔ اور صرف پانچ منٹ میں تین قادیانی مقررین کی تقریروں پر ایسے پرزور ایرادات وارد کئے کہ ان کی ساری کوششیں ہوا ہو کر رہ گئیں۔ اور قادیانی کیمپ پر سکتہ طاری ہوگیا۔ (1)

---

(1) اہل حدیث امرتسر ۶ راپریل ۱۹۱۷ء۔

(۸)

فاتح قادیان ڈیرہ غازی خان میں [1]

(مئی ۱۹۱۷ء)

ڈیرہ غازی خان، مغربی پنجاب (پاکستان) کا ایک معروف شہر ہے۔ یہاں ۱۹۱۷ء میں قادیانیوں کی دونوں پارٹیوں نے اپنے جلسے کیے۔ ان کے اثرات کے مدنظر مولانا امرتسری رحمہ اللہ کو دعوت دی گئی۔ آپ ۲۶؍ مئی ۱۹۱۷ء کو سہ پہر ڈیرہ غازی خان پہنچے۔ رد قادیانیت کے موضوع پر رات میں، اور صبح سات بجے سے دس بجے تک دو زبردست تقریریں فرمائیں۔ ایک قادیانی صاحب بحث و گفتگو کے لیے تشریف لائے۔ مگر مرزا صاحب کی غلطیاں اور کذب بیانیاں تسلیم کر کے واپس گئے۔ رات میں پھر تقریر ہوئی۔ اور آپ نے مرزا صاحب کی کتابیں کھول کھول کر اور عبارتیں پڑھ پڑھ کر دکھلایا اور بتایا کہ کس طرح واقعات زمانہ نے مرزا صاحب کے دعووں اور پیشینگوئیوں کو جھوٹ ثابت کر کے انہیں کذابوں کی فہرست میں شامل کر دیا ہے۔ اس وقت بھی ایک قادیانی صاحب مدمقابل آئے۔ مگر بہت جلد شکست کھا کر واپس تشریف لے گئے۔

۲۸؍ مئی (۱۹۱۷ء) کی صبح کو مولانا کی چوتھی تقریر ہوئی اس وقت شیعہ حضرات نے کچھ سوالات و اعتراضات پیش کیے۔ مولانا نے انہیں بھی دنداں شکن جواب دیا۔ اور اسی روز دو پہر بعد آپ وطن واپس ہوئے۔ [2]

اہل اسلام کے اس بروقت تدارک اقدام نے نہ صرف فضا بدل دی۔ بلکہ شہر ڈیرہ غازی خان

---

[1] یہ عنوان جلسہ کے رپورٹر کا منتخب کردہ ہے۔

[2] اہلحدیث امرتسر ۸؍ جون ۱۹۱۷ء۔

سے قادیانیوں کا ڈیرہ ہمیشہ کے لیے اکھاڑ پھینکا۔ چنانچہ اس واقعہ کے دو سال بعد فروری ۱۹۱۹ء میں قادیانیوں نے اپنے چوٹی کے اکابر جمع کر کے ڈیرہ غازی خان میں بڑے اہتمام سے جلسہ کیا۔ لیکن اس جلسہ کی جو کیفیت تھی۔ وہ وہیں کے ایک نامہ نگار مولوی عبدالعزیز صاحب کی زبانی سنئے! موصوف لکھتے ہیں۔

مرزائی صاحبان کے جلسہ کی (کیفیت) اس طرح ہوئی کہ آخری دو تقریریں مرقومہ پروگرام کو چھوڑ کر جلسہ بند کر کے چلے گئے۔ کیونکہ کوئی سننے والا نہیں تھا...... اس بے رونقی کی وجہ شہر ڈیرہ غازی خان میں عام وخاص سے یہی سنی جاتی ہے کہ جس دن سے فاتح قادیان ڈیرہ (غازی خان) میں رونق افروز ہوئے اس دن سے مرزائیوں کی بے رونقی ہے۔ ❶

⑨

ہوشیار پور سے گوجرانوالہ تک

(اکتوبر، نومبر ۱۹۱۷ء، جنوری ۱۹۱۸ء)

ڈیرہ غازی خان کے بعد مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے ۲۱/۲۲/۲۳/ اکتوبر ۱۹۱۷ء کو ہوشیار پور کی انجمن اہلحدیث کے سالانہ جلسہ میں شرکت کی۔ اور بیرون جلسہ قادیانیوں سے بحث و مناظرہ بھی کیا۔ جس کے بہت اچھے اثرات مرتب ہوئے۔ ❷

پھر اس جلسے سے ابھی آپ فارغ ہوئے ہی تھے کہ گوجرانوالہ طلبی ہوئی۔ وہاں ۴/ نومبر ۱۹۱۷ء کو انجمن اہلحدیث کا سالانہ جلسہ تھا۔ اس جلسہ میں ردقادیانیت اور رد انکار حدیث کے موضوع پر آپ کی پرزور اور مدلل تقریریں ہوئیں۔ اور دونوں مکتب فکر کے لوگوں سے مباحثہ بھی ہوا۔ مباحثہ کا نتیجہ قادیانی اخبار الفضل ۲۷/ نومبر ۱۹۱۷ء کے الفاظ میں یہ تھا۔

---

❶ ایضاً ۲۸/ مارچ ۱۹۱۹ء۔

❷ اہلحدیث امرتسر ۹/ نومبر ۱۹۱۷ء۔

چند دن ہوئے گوجرانوالہ میں اہلحدیث فرقہ کے لوگوں نے اپنا جلسہ کیا تھا۔ جس میں حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ کو غیر مبایعین (لاہوری پارٹی) نے اپنی طرف سے وفات مسیح کے مسئلہ پر گفتگو کرنے کے لیے پیش کیا تھا۔ اگر چہ یہ مسئلہ......ایک معمولی مسئلہ ہے۔ لیکن مرہم عیسیٰ صاحب کو اپنی شامت اعمال کی وجہ سے وہاں سخت نادم اور شرمندہ ہونا پڑا۔ اور اس کی وجہ سے احمدیہ سلسلہ کے متعلق عوام الناس میں ایک قسم کی غلط فہمی پیدا ہوگئی۔ ❶

اور غالباً اسی ''غلطی فہمی'' کو دور کرنے کے لیے بڑی تیاریوں کے بعد قادیانیوں نے ۱۹/۲۰ جنوری ۱۹۱۸ء کو اپنا جلسہ کیا۔ اس موقع پر انجمن اہلحدیث گوجرانوالہ نے مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی اور مولانا امرتسری رحمہ اللہ کو مدعو کر لیا۔ پہلے روز مولانا سیالکوٹی نے حیات و وفات مسیح کے مسئلہ پر اور دوسرے روز مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے ختم نبوت اور صداقت مرزا کے موضوع پر پرزور مناظرہ کیا۔ دونوں دن رات میں انجمن اہلحدیث گوجرانوالہ کے زیر اہتمام جلسہ بھی ہوا پہلے روز مولانا سیالکوٹی نے اور دوسرے روز مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اپنے مضمون پر تقریریں فرمائیں۔ شہر گوجرانوالہ اور گرد و نواح میں ان مباحثوں اور تقریروں کا ایسا اثر ہوا کہ باید و شاید۔ ❷ چنانچہ اللہ دتا نامی ایک صاحب مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے نام اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں۔

آپ کا گوجرانوالہ میں آنا لوگوں کے لیے ایک رحمت کے فرشتے کا آنا تھا۔ بہت سے آدمی جو کہ ہزاروں کی بکواس اور دھوکہ بازی سے ایمان سے خارج ہو رہے تھے۔ راہ راست پر آگئے۔ میرا بھی کچھ خیال بدل رہا تھا۔ آپ کا وعظ سن کر سب کچھ پتہ چل گیا۔ اب ان شاء اللہ کوئی مخالف کا جھونکا اس پودے پر کچھ اثر نہیں کر سکتا۔ اب ہر ایک آدمی ان کاذبوں کے مقابلے کے لیے تیار ہے۔ میں نے آپ کے ایک دو رسالوں کا مطالعہ کیا ہے، جس سے مجھ کو سب کچھ سمجھ میں آگئی ہے۔ ❸

---

❶ اہلحدیث امرتسر ۱۴/ دسمبر ۱۹۱۷ء۔
❷ رپورٹ سکریڑی انجمن اہلحدیث گوجرانوالہ مطبوعہ اہلحدیث امرتسر یکم فروری ۱۹۱۸ء۔
❸ مراسلہ اللہ دتا صاحب آف گوجرانوالہ......

۱۰

قادیان میں اسلامی جلسہ اور فاتح قادیان کی آمد

(نومبر ۱۹۱۷ء)

جیسا کہ بتلایا جا چکا ہے۔ میاں محمود نے خلافت سنبھالنے کے بعد اطمینان کا سانس لیتے ہی قادیان کے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کرنا شروع کر دیا تھا۔ لیکن ایمان کی یہ خاصیت ہے کہ

جتنا ہی دباؤ گے اتنا ہی وہ ابھرے گا

چنانچہ قادیانیوں کے دباؤ کے نتیجہ میں وہاں کے مسلمانوں کی دینی غیرت اور ملی حمیت بیدار ہوگئی۔ انہوں نے ایک اسلامی انجمن قائم کی۔ اس انجمن کے قیام کے محرک مولانا امرتسری رحمہ اللہ تھے اور اس کے اغراض و مقاصد اور طریقہ کار کی تعیین بھی انہیں نے فرمائی تھی۔ اس انجمن نے روز اول ہی سے اپنے پروگرام میں یہ بات شامل کر لی تھی کہ قادیان اور اس کے گردو پیش سے قادیانیت کا زور توڑنے کے لیے ایک مستقل مبلغ رکھا جائے اور ہر سال بڑے پیمانہ پر خود قادیان کے اندر اسلامی جلسہ کیا جائے۔ پہلے مقصد کے لیے مولانا نے ایک مستقل مبلغ فراہم کر دیا تھا۔ اور دوسرے مقصد کے لیے انجمن کے قیام کے جلد ہی بعد ۲۵/۲۴ نومبر ۱۹۱۷ء کو جلسہ منعقد کرنے کا پروگرام طے ہو گیا۔ اس وقت وہاں کے مسلمانوں کی جو حیثیت تھی اس کے مدنظر اس جلسہ کے متعلق جو اندازہ کیا جا رہا تھا وہ مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے الفاظ میں یہ تھا۔

قادیان میں اسلامی جلسہ کی خبر سن کر بہت سے لوگوں نے اس کو دل لگی سمجھا یہاں تک کہ قادیانی اخبار الفضل نے بھی کمال جسارت سے لکھا تھا کہ اس قسم کے لوگ یہاں تو دیکھے سنے نہیں جاتے جو جلسہ کریں۔ ❶

---

❶ ہفت روزہ اہلحدیث امرتسر ۷/ دسمبر ۱۹۱۷ء۔

لیکن اس اندازے کے علی الرغم یہ جلسہ منعقد ہوا۔ اور اس شان سے منعقد ہوا کہ:

۲۴/۲۵ نومبر دونوں جو کچھ انہوں نے قادیان میں رونق دیکھی ہوگی اس کی نسبت عالم بالا سے انہیں خطاب ہوتا ہوگا۔ افسحر هذا ام انتم لا تبصرون؟ جس کے جواب میں وہ کہتے ہیں گے۔

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

قادیان کے جلسے میں اتنے علماء جمع تھے کہ انجمن حمایت اسلام لاہور میں بھی شاید نہ ہوتے ہوں۔ تقریروں کی یہ بھرمار تھی کہ اوقات منٹوں میں بٹتے تھے۔ ❶

یہ بتلانے کی غالباً ضرورت نہیں کہ اس سارے ہنگامہ تبلیغ کے سلسلے میں مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی وہی حیثیت تھی۔ جو کسی شاعر نے حسب ذیل شعر میں اپنے لیے تجویز کی ہے۔

نمی گویم دریں گلشن گل و باغ و بہار از من

بہار از یار وگل از یار و باغ از یار و یار از من

مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ پوری ایک جماعت کے ہمراہ ۲۴ / نومبر ہی کو امرتسر سے قادیان کے لیے روانہ ہو گئے تھے۔ آپ اہلحدیث کانفرنس کے ناظم ہونے کی حیثیت سے اس اجلاس میں اس کی نمائندگی کے لیے تو کافی تھے ہی لیکن کانفرنس کے مزید دو مبلغ بھی شریک اجلاس تھے، چنانچہ آپ لکھتے ہیں۔

یہ عجیب بات ہے کہ ہماری کانفرنس ایسے کاموں میں بن بلائے بھی دخیل ہو جاتی ہے، خاکسار کے علاوہ کانفرنس کے دو واعظ بھی جلسہ میں شریک تھے۔ ایک مولوی عبدالغنی خاں صاحب، دوم مولوی محمد امین صاحب، مولوی عبدالغنی خاں صاحب تو جمعہ ہی کو پہنچے اور آپ نے جاتے ہی شکار مارا جمعہ میں کچھ بیان کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک سرحدی پٹھان جو طالب علم قادیان میں عربی مدرسہ میں پڑھتا تھا مولوی صاحب کا بیان سن کر اسی وقت تائب ہوا۔ ❷

مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ اسٹیج پر جلوہ گر ہوئے تو آپ نے مختلف عنوانات کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ فتح قادیان کی ''داستان لذیذ'' بھی سنائی۔ جو مرزا صاحب کے دجل وفریب کی ایک کھلی

---

❶ ایضاً ایضاً۔ ❶ ایضاً ایضاً۔

ہوئی علامت تھی۔ یہ داستان بڑی دلچسپی سے سنی گئی۔ مولانا نے اپنی ایک تقریر میں یہ بھی فرمایا کہ مرزا صاحب کے تمام الہام شروع سے اخیر تک جھوٹے ہیں۔ ایک بھی سچا نہیں۔ پھر آپ نے تفصیل کے ساتھ اس کی دلیل پیش کی شائقین نے ہر چند چاہا کہ سوال وجواب کے لیے بھی وقت دیا جائے۔ اور ایک مختصر سا مناظرہ بھی انہیں سننے کو مل جائے۔ مگر پولیس نے منظور نہ کیا۔

مقررین کل گیارہ افراد تھے مگر ان کے علاوہ غیر مقررین علماء بھی بہت سے تھے۔ سامعین میں باشندگان قادیان کے علاوہ گردو پیش کی آبادیوں سے بہت بڑی تعداد میں لوگوں نے شرکت کی تھی۔ یہ لوگ بڑی دلچسپی اور حیرت کے ساتھ علماء کرام کے بیانات سنتے تھے۔ مرزائی ڈیلیگیٹ بھی ہر وقت شریک جلسہ رہتے اور نوٹ لکھتے تھے۔ قادیانی جماعت اس جلسے کے اثرات دیکھ کر بہت زچ ہوئی۔ چنانچہ میاں محمود نے دوسرے دن ایک دھمکی آمیز دو ورقہ اشتہار شائع کیا۔ جس میں قادیان کے مسلمانوں پر آپ نے خاندانی احسانات جتلا کر اور ان کے اس فعل (جلسہ) کو فعل بد قرار دے کر دھمکایا کہ اب تم لوگ اس کے برے نتائج کو تیار رہو۔ مگر ظاہر ہے کہ مومنانہ جرأت و پامردی کے مقابل میں اس طرح کی دھمکیوں کی کوئی حیثیت نہیں ہوا کرتی۔

مولانا امرتسری رحمہ اللہ کا کمال حسن اخلاق اور وسعت ظرف بھی لائق دید ہے کہ قادیانیوں کے ساتھ شبانہ روز کی جنگ اور ان کی بے نقط مغلظات کے باوجود آپ نے نہایت شریفانہ انداز میں ان سے ملاقات ضروری سمجھی۔ ایک صاحب مولوی عبدالکریم لاہوری کا بیان ہے کہ مولانا نے ان سے پیغام بھیجا کہ میں سب ارکان مرزائیہ سے یکجا ملنا چاہتا ہوں۔ میاں محمود نے اسے منظور کیا۔

”چنانچہ ۲۵ر نومبر کو صبح قریب ۷ر بجے کے مولانا صاحب ان کے مدرسہ میں پہونچے۔ جہاں عموماً احمدی علماء اور ارکان جمع تھے۔ مولانا صاحب مع احباب کے کرسی پر بیٹھ گئے۔ اور آپ کے دوست منشی قاسم علی صاحب نے تعارف کرانے کی خدمت سرانجام دی۔ بعد تعارف مولانا صاحب اٹھے۔ آپ نے فرمایا: میں آپ صاحبان کی اس مہربانی کا شکریہ ادا کرتا ہوں گفتگو کرتے کرتے تو آج تیس سال کا عرصہ ہونے کو ہے اس لیے میں تجویز پیش کرتا ہوں کہ ہم

سب اپنے مالک کے سامنے نہایت اخلاص اور عاجزی سے دعا کریں۔ دعا بھی انہیں الفاظ میں جو اس نے خود سکھائے ہیں۔ یہ کہہ کر آپ نے نہایت الحاح سے دعا کی:

اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين انعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين. اس کو بار بار بڑے موثر لہجے میں پڑھا۔ اور سب حاضرین مرزائی وغیر مرزائی آمین کہتے رہے۔"❶

قادیان میں اہل اسلام کا یہ پہلا باقاعدہ جلسہ تھا جسے رد قادنیت کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ عین جلسہ کے ایام ہی میں متعدد قادیانی تائب ہو گئے تھے۔ اور قادیانیوں کے علاوہ کئی غیر مسلموں نے بھی اسلام قبول کیا تھا۔❷

اس جلسہ کے کچھ عرصہ بعد ایک صاحب حکیم عبدالعزیز قریشی سٹھیالوی ضلع گوجرانوالہ نے اپنی کسی ضرورت کے تحت قادیان کے اطراف میں بعض مقامات کا سفر کیا۔ انہوں نے جلسہ کے جو اثرات دیکھے اس کی ایک جھلک آپ بھی ملاحظہ فرماتے چلیے۔ لکھتے ہیں۔

موضع راجووال میں چوہدری گوہر علی......وغیرہم بڑی جماعت نے بیان کیا کہ ہمارا عقیدہ مذبذب مدت سے ہو رہا تھا۔ کبھی ہم قادیان کی طرف برائے بیعت مرزا صاحب قدم اٹھاتے۔ کبھی پھر رک جاتے۔ نہایت تشویش میں گھبرا رہے تھے......ہم سب کے سب ساٹھ آدمی جلسہ مذکور پر پہنچے۔ علماء کی تقریریں خصوصاً مولانا فاتح قادیان کی تقریر نے ہمارے دلوں کو مستقل کر کے ہمارے دماغوں میں نقشہ توحید و رسالت کھینچ دیا۔

موضع گھمن خرد میں بھی بیان مندرجہ بالا ہی سنا۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ خوشی سنا رہے تھے......کہتے تھے کہ ہمیں اس جلسہ کی برکت سے استقلال حاصل ہوا۔

اس کے بعد موضع سروالی میں خاکسار پہونچا تو مولوی عبدالرحیم صاحب نے حلفی بیان کیا کہ میں بمعہ اپنے اسٹاف کے مرزا محمود صاحب کی بیعت کرنے کو تیار ہو رہا تھا۔ مگر بعض اوقات متردد ہو جاتا تھا۔ اس جلسہ کی برکت سے ہمارے شکوک دور ہو گئے۔

---

❶ ایضاً ایضاً۔ ❷ ایضاً ۲۸ ردسمبر ۱۹۱۷ء۔

بعدش موضع سٹھیالی خاکسار پہنچا...... تو چوہدری امام دین صاحب (وغیرہ) نے بیان کیا کہ ہمارا نمبردار عرصہ سے احمدی ہو گیا ہوا ہے۔ اور خواندہ آدمی ہے۔ ہمیں بہت ترغیب دلاتا رہا کہ اگر احمدی نہ ہو گے تو کافر مرو گے۔ دوزخی ہو جاؤ گے۔ ہم بے علم لوگ ڈر کر گھبرا رہے تھے۔ بلکہ بیعت کرنے کو مستعد تھے کہ ایک اشتہار آن پہنچا کہ محمدی جلسہ قادیان میں ہو گا۔ لہٰذا ہم سب آدمی جلسہ پر گئے تو رنگ رنگ کی وعظیں، تردیدیں اور خصوصاً مولانا فاتح قادیان کی تقریریں زبردست سن کر ہمارے دلوں سے تمام فاسدہ شکوک جاتے رہے۔ مولانا صاحب کی تقریریں ہم بے علم لوگوں کے دماغوں میں نقشہ جمائے ہوئے ہے...... مولانا صاحب کی مضبوط اور زبردست تقریر نے ایک مستقل اثر بفضلہٖ تعالیٰ بخش دیا۔ ہم سب لوگ اس خیال فاسدہ سے نادم ہو کر تائب ہوئے۔

بوقت روانگی جب خاکسار گھوڑی پر سوار ہوا تو چوہدری عظیم بخش، چوہدری اللہ دتا نے باآواز بلند کہا کہ اب ہم احمدی نہیں رہے۔ ہم کو اب احمدی نہ شمار کیا جائے۔ (یاد رہے کہ پہلے یہ دونوں بڑے مستعد قادیانی تھے)

اس کے بعد خاکسار موضع بھانبڑی پہنچا تو وہاں بھی توحید کے نعرے اور سب بچے بوڑھے جلسہ محمدی قادیان کے گیت گا رہے تھے اور نہایت خلوص دل سے دعا گو تھے کہ جلسہ محمدی کا درخت ہمیشہ پھل دیا کرے۔ اور اس کے حامیان کو خداوند کریم جملہ مصائب ارضی وسماوی سے محفوظ رکھ کر اس کی تکمیل کرے۔

مندرجہ بالا بیان میرے معلومات سے بہت کم ہے جو میں اس علاقہ میں دیکھ اور سن آیا ہوں۔ سینکڑوں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں ایسے لوگ نظر آئے جو مرزائی خیالات سے سخت متنفر ہو گئے ہیں۔ اور جلسہ کی آواز (دوبارہ) سننے کو ہمہ تن کوشش میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ وہ دن جلد لاوے۔" [1]

یہ صرف چند گاؤں کی داستان ہے۔ اس طرح کے اثرات کہاں کہاں تک پہنچے ہوں گے اللہ ہی جانتا ہے۔ اس مفید تجربہ کے بعد قادیان اور اس کے گرد و پیش کے مسلمانوں نے یہ طے

---

[1] انتہی مختصراً۔ اہلحدیث امرتسر ۱۱ر جنوری ۱۹۱۸ء۔

کیا کہ وہ آئندہ بالالتزام سالانہ جلسے کیا کریں گے۔ اور جب تک اس راہ میں سخت ترین رکاوٹیں قائم نہیں ہوگئیں وہ اپنے اس عزم پر قائم اور عامل رہے۔

(۱۱)

لاہور میں تردیدی سرگرمیاں

(دسمبر ۱۹۱۷ء جنوری ۱۹۱۸ء)

قادیان میں اسلامی جلسہ کے کچھ ہی دنوں بعد ۲۶ر دسمبر ۱۹۱۷ء کو لاہور میں مرزائیوں کی لاہوری پارٹی نے اپنا جلسہ کیا۔ جس میں مولانا امرتسری رحمہ اللہ کو مباحثہ کے لیے مدعو کیا۔ لیکن مولانا جس موضوع پر مناظرہ کرنا چاہتے تھے۔ اس پر مرزائی حضرات بحث کرنے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ اس لیے مولانا بھی تشریف نہ لے گئے۔ لیکن اہالیان لاہور نے ضرورت محسوس کی کہ مرزائیوں کے بالمقابل ایک اسلامی جلسہ بھی منعقد ہو۔ چنانچہ انجمن اہلحدیث لاہور کے زیر اہتمام یکم جنوری ۱۹۱۸ء کو اس جلسے کا انعقاد ہوا۔

ظہر کے بعد جلسہ شروع ہوا۔ دو ایک مقررین کے بعد مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے عصر تک تقریر فرمائی جس کی بابت جلسہ کے رپورٹر کے الفاظ یہ ہیں کہ یہ ”فاتح قادیان کی فاتحانہ تقریر تھی۔“ [1]

عصر کے بعد مناظرہ کا وقت تھا۔ سامعین کا ہجوم بہت زیادہ تھا۔ قادیانیوں کو دعوت بحث دی گئی۔ لیکن غیرت وحمیت کے جذبات ابھارنے کے باوجود کوئی قادیانی سامنے نہ آیا۔ حالانکہ دونوں پارٹیاں موجود تھیں۔ مولانا نے اعلان کیا کہ دو منٹ تک کوئی صاحب سامنے نہ آئے تو تقریر شروع کردوں گا۔ اور آخر کار دو منٹ کے بعد آپ نے تقریر شروع کر ہی دی۔ پھر ایک صاحب تشریف لائے۔ اور ”آخری فیصلہ“ والی دعا پر تھوڑی سی گفتگو کر کے خاموش ہو گئے۔ یہ جلسہ نہایت عظیم الشان تھا۔ اس کی کیفیت کا تصور کر کے عرصہ تک قادیانی حضرات مارزہ براندام رہے۔ [2]

---

[1] اہلحدیث امرتسر ۱۱ر جنوری ۱۹۱۸ء۔ [2] ایضاً ایضاً۔

اسی سلسلہ کا دوسرا جلسہ انجمن مذکور کے زیر اہتمام تقریباً ایک ماہ بعد ۲۷ رجنوری ۱۹۱۸ء کو اسلامیہ کالج (لاہور) کے متصل ہوا۔ اس دفعہ بھی قادیانیوں کو سوالات کا موقع دیا گیا۔ مگر سرے سے کوئی سامنے ہی نہیں آیا۔ ایک صاحب غلام محمد حنفی قادری اپنے ایک مراسلہ میں مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کو لکھتے ہیں (جس سے اس جلسہ کے اثرات ونتائج پر روشنی پڑتی ہے) کہ:

''جو کچھ نتیجہ لیکچروں سے ہوا۔ اور جتنا اثر حاضرین خصوصاً نوجوانان قوم پر پڑا اس کا اندازہ تو مرزا جی کے مریدوں سے پوچھنا چاہئے کئی بیچاروں نے تو مارے غم کے گھر میں چراغ بھی نہیں جلائے ہوں گے۔ فقیر نے کئی مرزائیوں کو آپ کی تشریف آوری پر یہ کہتے پایا۔'' آمدن آناں چوں رفتن جانان پسند خاطر نمی آید'' (یعنی ان کی آمد موت کی طرح ناگوار خاطر ہے۔)

ان کے لیے آپ کی تشریف آوری موجب رنج و ملال ہو تو کیونکہ ان کا بنا بنایا تارپیڈو آپ کے آنے سے بگڑ جاتا ہے۔ مگر ہم غریب مسلمانوں کی تو یہ فلاح و بہبودی کی سبیل ہے۔ [1]

---

[1] ایضاً ۸ر فروری ۱۹۱۸ء۔

(۱۲)

ہوشیار پور، لدھیانہ اور جالندھر میں

مناظرے اور مباحثے

(فروری واپریل ۱۹۱۸ء)

لاہور کے محاذ سے فرصت پاتے ہی ہوشیار پور میں معرکہ کارزار گرم ہوا۔ یہاں انجمن اہلحدیث کے زیر اہتمام ۳/۲ فروری ۱۹۱۸ کو بڑا زوردار مناظرہ ہوا۔ اور قادیانیوں کو ایسی شکست فاش ہوئی کہ عرصہ تک کے لیے ان کا سکون غارت ہو کر رہ گیا۔ چنانچہ اوائل مئی میں جب کہ مولانا امرتسری رحمہ اللہ آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کے سالانہ اجلاس کے سلسلے میں مدراس تشریف لے گئے ہوئے تھے قادیانیوں نے اپنی ذلت و خفت مٹانے کے لیے ٹھیک انہیں تاریخوں میں جلسہ رکھ دیا۔ لیکن مولانا کی غیر موجودگی میں خود ہوشیار پور کے لوگوں نے قادیانی حضرات سے اس طرح نمٹ لیا کہ ان کی پچھلی سیاہی کا رنگ اور پختہ ہو گیا۔ (1)

لاہور اور ہوشیار پور کے بعد اضلاع لدھیانہ و جالندھر کی باری آئی۔ ۱۹۱۸ء کے موسم بہار میں ان دونوں ضلعوں کی دیہی آبادی کے اندر قادیانی مبلغین نے اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں۔ اور خاصی اودھم بپا کی۔ مسلمانوں نے مولانا امرتسری رحمہ اللہ کو طلب کیا۔ آپ ۱۹/ اپریل ۱۹۱۸ء کو ان علاقوں کی گردش کے لیے امرتسر سے روانہ ہوئے۔ اور قادیانیوں کی شورش فروکی۔ مجھے ان علاقوں میں مولانا کے دورے اور گردش کی تفصیلات نہ مل سکیں۔ ہاں بہاول پور کے ایک مراسلہ نگار کا بیان نظر سے گذرا۔ جس میں اس نے لکھا ہے کہ میں ۲۱/ اور ۲۲/ اپریل (۱۹۱۸ء) کو مولانا

---

(1) تفصیل کے لیے دیکھئے ہفت روزہ اہلحدیث امرتسر ۱۵/ فروری، ۳۱/ مئی و ۷/ جون ۱۹۱۸ء۔

امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی تقریریں سن کر قادیانیت سے تائب ہوگیا ہوں۔ (1) اسی طرح مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ۲۳/اپریل ۱۹۱۸ء کو مقام کرتار پور ضلع جالندھر میں قادیانیوں سے ایک کامیاب مناظرہ کیا تھا۔ (2)

(۱۳)

کلکتہ سے جہلم تک

(مئی ۱۹۱۸ء)

اضلاع لدھیانہ و جالندھر کے دورے سے فارغ ہو کر مولانا وطن تشریف لاتے ہی عازم مدراس ہو گئے۔ وہاں ۳/۴/۵/مئی ۱۹۱۸ء کو آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کا کل ہند پیمانہ پر سالانہ اجلاس تھا۔ (اس کی تفصیلات ہمارے موضوع سے خارج ہیں) مدراس سے فارغ ہو کر آپ بنگلور تشریف لائے اور وہاں سے پھر مدراس واپس تشریف لے گئے۔ پھر مدراس سے روانہ ہو کر حسب پروگرام ۱۸/مئی کی دوپہر کو کلکتہ پہنچے۔ ۱۹/مئی کی صبح کوزکریا اسٹریٹ کلکتہ میں جلسہ ہوا۔ جس میں آپ کے رفقاء نے تقریریں کیں۔ اسی روز عصر کے بعد اسی مقام میں آپ کی تقریر ہوئی۔ ۲۰/مئی کو تانی باغ میں رات کے وقت جلسہ ہوا اور مولانا نے تقریر کی۔ ان دنوں قادیانی مبلغین کا وفد کلکتہ پہنچا ہوا تھا۔ اس لیے آپ نے اپنی دونوں تقریروں میں ان کی بھرپور تردید کی۔ انہیں سوال و جواب اور بحث و مناظرہ کے مواقع بھی دیئے۔ اور شکست فاش بھی، اس طرح قادیانی فتنے کا جو پودا آئندہ چل کر کلکتہ میں ایک تناور درخت بن سکتا تھا وہ اپنے آغاز نشوونما ہی میں مضمحل ہو کر رہ گیا۔ (3)

---

(1) ہفت روزہ اہلحدیث امرتسر ۳ و ۱۰/مئی ۱۹۱۸ء۔

(2) ۷/جون ۱۹۱۸ء نیز اس سفر کے سلسلے میں اہلحدیث ۲۶/اپریل ۱۹۱۸ء ملاحظہ ہو۔

(3) ایضاً ۷/جون ۱۹۱۸ء۔

کلکتہ سے واپس ہو کر ۲۵/مئی کی دوپہر کو آپ امرتسر پہونچے۔ اور چند گھنٹے بعد جہلم کے لیے روانہ ہو گئے جہاں ۲۵/اور ۲۶/مئی ۱۹۱۸ء کو انجمن اہلحدیث جہلم کا سالانہ جلسہ تھا۔ اور آریوں اور قادیانیوں کی تردید کا پروگرام بھی۔ آپ کی غیر موجودگی میں مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی قادیانیوں کا حصہ پورا کر چکے تھے۔ [1]

(۱۴)

شملہ کی فضاؤں میں ایمان کی باد بہاری

(جون و جولائی ۱۹۱۸)

اسے حسن اتفاق کہہ لیجئے یا قدرت کی تدبیر لطیف کہ جنگ عظیم اول سے پیدا شدہ حالات کے تقاضوں کے مدنظر حکومت پنجاب نے ۸/جون ۱۹۱۸ء کو شملہ میں ایک پبلسٹی کمیٹی منعقد کرنے کا فیصلہ کر لیا اور اس میں مولانا امرتسری رحمہ اللہ کو بھی مدعو کیا۔ آپ ۶/جون کی شام کو امرتسر سے روانہ ہو کر ۷/جون کو شملہ پہنچے۔ [2] مسلمانان شملہ کی استدعا پر آپ نے ۸/جون کی مصروفیات سے یکسو ہونے کے بعد رات کو جامع مسجد ہال میں ڈھائی گھنٹے قرآن اور دیگر الہامی کتب کے موضوع پر پرزور اور مدلل تقریر فرمائی۔ اختتام تقریر پر ایک گھنٹہ سوال و جواب کے لیے مقرر تھا۔ مگر کسی کو سوال کی جرأت نہ ہوئی۔

اہالیان شملہ کے اصرار پر دوسرے دن ۹/جون کو ڈھائی بجے دن میں پھر جامع مسجد ہال کے اندر آپ کی ایک تقریر ہوئی۔ چونکہ اس وقت شملہ میں مقامی اور بیرونی قادیانیوں کی اچھی خاصی تعداد جمع تھی اور ان حضرات نے حسب عادت شورش بھی مچا رکھی تھی۔ اس لیے آپ نے اپنی اس تقریر کے لیے منصب نبوت کا عنوان منتخب کیا۔ اور اس پر نہایت پر مغز تقریر کرتے

---

[1] ایضاً ایضاً۔ [2] ایضاً ۱۴/۲۱/جون ۱۹۱۸ء۔

ہوئے مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوائے نبوت کی حقیقت کا پردہ اچھی طرح فاش کیا شملہ کا نامہ نگار لکھتا ہے۔

"مولانا موصوف کے خاص طرز بیان، باموقعہ اشعار، مرزا صاحب کی تصانیف سے برجستہ حوالے اور نہایت زبردست دلائل نے وہ اثر کیا کہ بیان سے باہر ہے۔[1]

اخیر میں ایک قادیانی نے مولانا کی تقریر کا اثر زائل کرنے کے لیے بصورت اعتراض آپ پر چند افترا آت کیے۔ آپ نے برجستہ فرمایا کہ اگر میری کسی تحریر سے یہ باتیں ثابت کردو تو گیارہ سو روپے انعام حاضر ہیں۔ مگر جھوٹ اور اس کے لیے ثبوت؟[2] ضدان مفترقان ای تفرق.

بہر حال شملہ میں فریقین کے درمیان یہیں سے تعرض کا جو آغاز ہوا تو اس نے خاصا طول اختیار کرلیا۔ اور تین اطراف سے مناظرہ کی تحریکیں شروع ہوگئیں۔

① ...... ایک تو یہی معترض صاحب تھے جن کا نام منشی عمرالدین تھا۔ جالندھر کے باشندے تھے اور شملہ میں ملازم۔ یہ صاحب "انعامی مباحثہ لدھیانہ" میں منشی قاسم علی سہ صدی[3] کے دست راست رہ چکے تھے۔ ان صاحب نے بڑے ہم ہمے کے ساتھ مباحثہ لدھیانہ والے موضوع پر بحث کی خواہش ظاہر کی۔ اور اس چیلنج کے ساتھ کہ اگر مولانا امرتسری رحمہ اللہ فتح یاب ہوجائیں تو تین سو روپے انعام دیئے جائیں گے۔ ان کی اس تحریک کے بعد ۱۶ رجون (اتوار) کو جامع مسجد ہال میں مولانا کی تقریر ہوئی۔ تقریر کے بعد حاضرین کے روبرو ان صاحب سے تقریباً تمام شرائط کا تصفیہ ہوگیا۔ اور آخر میں وہ کہہ گئے کہ ہم خلیفہ قادیان سے اجازت لے کر روپیہ امانت رکھوادیں گے۔ مگر اس کے بعد انہوں نے دوبارہ مولانا کے سامنے آنے کی ہمت نہ کی۔

② ...... دوم۔ انہیں دنوں لاہوری پارٹی کے امیر مولوی محمد علی ایم اے اپنے لاؤلشکر

---

[1] ایضاً ۲۸ رجون ۱۹۱۸ء۔ [2] ایضاً ایضاً۔

[3] یہ حضرت "سہ صدی" کے لقب سے اس لیے معروف تھے کہ انہیں نے لدھیانہ کے مباحثہ میں شکست کھانے کے سبب تین سو روپے بطور تاوان یا انعام مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے حوالے کیے تھے۔

سمیت شملہ آئے ہوئے تھے۔اس پارٹی نے بھی اپنے ایک سرگرم ممبر کے ذریعہ مباحثہ کی تحریک شروع کی۔ ۱۷/جون سے ۲۴/جون تک مسلسل مراسلت ہوتی رہی۔ جس کے نتیجے میں مناظرے کی تمام شرائط طے ہوگئیں۔لیکن مرزائی فریق نے کسی منصف کی تقرری منظور نہ کی۔ اس پر جب اہالیان شملہ سے استصواب کیا گیا انہوں نے منصف کے بغیر مباحثہ کیا جانا متفقہ طور پر مسترد کر دیا۔اور لاہوری پارٹی خاموش بیٹھ گئی۔

③......اسی دوران قادیانی گروپ (مرزا محمود کی پارٹی) سے بھی مناظرہ کی تحریک شروع ہوئی۔اور بحث و تمحیص کے بعد تمام شرائط بھی طے ہو گئے۔مولانا امرتسری رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

"ان شرائط کے تصفیہ کے بعد میں منتظر رہا کہ مباحثہ ہوگا۔ بعد انتظار رقعہ دے کر کئی معزز اصحاب کا وفد بھیجا۔جس کا جواب آیا کہ ہم نے خلیفہ صاحب قادیان کو تار دیا ہے۔جواب آنے پر اطلاع دیں گے۔"❶

پھر ۳/جولائی کو اطلاع آئی کہ خلیفہ صاحب نے تار دیا ہے کہ میری چٹھی کا انتظار کرو۔ مولانا کو اس وقت تک گھر سے نکلے ہوئے ۲۷/دن ہو رہے تھے۔عید سر پر تھی۔آپ گھر روانہ ہو گئے۔اور چلتے ہوئے قادیانیوں کو یہ چٹھی لکھی۔

"میں مباحثہ سے ناامید ہو کر جاتا ہوں۔آپ اگر اپنے مناظر کو بلانے میں کامیاب ہو جائیں تو میں آجاؤں گا۔"❷

لیکن اس کے بعد قادیانیوں پر سکوت مرگ طاری ہو گیا۔❸

مولانا ۷/جون کو شملہ وارد ہوئے تھے۔اور ۳/جولائی کو واپس ہوئے۔ ۷/جون ۱۹۱۸ء کو ۲۶/شعبان ۱۳۳۶ھ اور ۳/رمضان تھی۔اس طرح شعبان کے چند دن اور رمضان شریف کے تین ہفتے سے زائد عرصہ آپ نے شملہ میں گزارا۔جیسا کہ تفصیل بالا سے ظاہر ہے مناظرہ کی پر زور اور سہ رخی تحریکوں کے باوجود مناظرہ کی نوبت نہ آسکی۔لیکن مولانا نے اپنا کام برابر جاری رکھا۔لکھتے ہیں۔

---

❶ اہلحدیث امرتسر ۱۹/جولائی ۱۹۱۸ء۔ ❷ ایضاً ایضاً۔

❸ ان واقعات کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو اہلحدیث امرتسر ۲۸/جون ۵/۱۲/۱۹/جولائی ۱۹۱۸ء۔

''مرزائی لوگ بھی یہاں (شملہ میں) بہ نسبت دوسرے مقامات کے زیادہ ہیں۔ اور دفتروں میں چھیڑ چھاڑ رکھتے ہیں۔ جس سے مسلمان اور غیر مسلمان سخت شاکی رہتے ہیں۔ اس لیے مجالس وعظ میں ''قادیانی مشن'' کی حقیقت کا اظہار بخوبی ہوتا رہا۔ رمضان میں ہر جمعہ کو جامع مسجد میں مسائل اسلامی پر وعظ ہوتا تھا۔ اتوار کو، جو ملازمت پیشہ کی فرصت کا دن ہوتا ہے ۲/بجے سے ۵/بجے تک جلسہ، حقیقت مرزائیہ کے اظہار کے لیے ہوتا رہا۔''[1] شملہ کا ایک نامہ نگار لکھتا ہے۔

''آپ کا قیام مسلمانان شملہ کے لیے موجب برکت وفلاح تھا۔ جامع مسجد شملہ میں مولانا نے متعدد صحبتوں میں توحید وسنت، اتحاد واخوت اور مرزا صاحب قادیانی کے دعاوی کے متعلق بے نظیر مواعظ سے اہالی شملہ کو فیض بخشا علاوہ اس کے آپ کی قیام گاہ پر صبح اور شام خواص کی مجلس ہوتی۔ اور ہر مذاق کے احباب آپ کے معارف علمیہ اور دلائل فلسفیانہ سے مستفید ہوتے۔ مولانا کا خاص انداز بیان اور موزوں وحسب حال اشعار سے مرصع تقریر مدتوں لوگوں کے کانوں میں گونجتی رہے گی۔ تبحر علیم کے علاوہ خوش خلقی اور خوش طبعی سے آپ کو قدرت نے حصہ وافر بخشا ہے۔ **ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشآء.**

یہ آپ کا خاص اثر تھا کہ مقلد اور غیر مقلد مشترک امور میں خدمت دین کے لیے شیر وشکر تھے۔ بعض مخالفین نے کئی بار رخنہ انگیزی کی کوشش کی مگر نہ صرف ناکام بلکہ بدنام ہوئے...... مولانا کی شخصیت کا اغیار (غیر مسلم) پر بھی ایسا اثر تھا کہ وہ بصد شوق درخواست کرتے کہ انہیں مولانا ممدوح کو پنکھا کرنے کی اجازت ہو۔''[2]

---

[1] اخبار اہلحدیث امرتسر ۱۲/جولائی ۱۹۱۸ء۔
[2] اخبار اہلحدیث امرتسر ۲۶/جولائی ۱۹۱۸ء۔

۱۵

پے در پے بحث و تردید

(اگست ۱۹۱۸ء تا ستمبر ۱۹۱۹ء)

شملہ کے بعد ضلع لائلپور کے ایک دیہی مقام "بار" میں مناظرہ کی نوبت آئی۔ یہ مباحثہ ۱۴/اگست ۱۹۱۸ء کو علی الصباح شروع ہوا۔ نامہ نگار کے حسب بیان نتیجہ یہ ہوا کہ دیہات کا بچہ بچہ مولانا (امرتسری رحمہ اللہ) کو دعائیں دیتا تھا۔ اور مرزائیوں کی شکست کا اعلان کرتا تھا۔ [1] الحمد للہ

۲۲/دسمبر ۱۹۱۸ء کو انجمن اہلحدیث اشاعت اسلام لاہور کا صبح اور دوپہر دو وقت جلسہ ہوا۔ مولانا نے آریوں اور قادیانیوں کے رد میں تقریریں کیں۔ قادیانی حضرات کو دعوت مناظرہ بھی دی۔ مگر انہیں ہمت نہ ہوئی۔ [2]

۴/۵/جنوری ۱۹۱۹ء کو فیتھ فل گنج کانپور میں جلسہ ہوا۔ آخری نشست میں مولانا کی تقریر "اسلام اور قادیانی مشن" کے عنوان پر ہوئی۔ اور قادیانی حضرات کو مباحثہ کا موقع دیا گیا۔ کہنے کو تو وہ سامنے ضرور آئے۔ مگر اِدھر اُدھر کے بہانے ڈھونڈھ کر مناظرہ نہ کیا۔ [3]

یکم اور ۲/مارچ ۱۹۱۹ء کو گوجرانوالہ میں بڑے پیمانہ پر جلسہ ہوا۔ پہلے دن مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے آریوں اور عیسائیوں سے مناظرہ کیا۔ دوسرے دن مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی نے قادیانیوں سے مناظرہ کیا۔ مولانا سیالکوٹی کے بعد مولانا امرتسری رحمہ اللہ اور قادیانیوں کے درمیان مناظرہ ہونا طے تھا لیکن مولانا امرتسری رحمہ اللہ کو دیکھتے ہی قادیانیوں نے راہ فرار اختیار کر لی۔ آخر آپ نے ایک جامع تقریر کے ذریعے قادیانیت کا پول کھولا۔ [4]

پھر ۱۱/۱۲/۱۳/اپریل ۱۹۱۹ء کو کانپور میں پریڈ گراؤنڈ کے اندر بڑے عظیم الشان پیمانے پر

---

[1] اخبار اہلحدیث امرتسر ۲۳/اگست ۱۹۱۸ء۔
[2] ایضاً ۱۰/۱۷/جنوری ۱۹۱۹ء۔
[3] ایضاً ۳۱/جنوری ۱۹۱۹ء۔
[4] ایضاً ۱۴/مارچ ۱۹۱۹ء۔

آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کا آٹھواں کل ہند اجلاس ہوا۔ ۱۱/اپریل کو مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے ''اسلام اور قادیانیت'' کے عنوان پر بڑی پرزور تقریر کی۔ بعد ازاں قادیانیوں سے مناظرہ بھی ہوا۔ جس کے نتیجے میں ردقادیانیت کے سلسلے میں رہی سہی کسر بھی پوری ہوگئی۔ ❶

ماہ ستمبر ۱۹۱۹ء میں آپ پھر تشریف لے گئے۔ اور پھر وہی جام گردش میں آیا۔ مناظرے کے لیے بڑی تحریکیں ہوئیں۔ قادیانی حضرات نے دور ہی دور سے جوش وخروش کا مظاہرہ بھی کیا۔ لیکن سامنے آنے کی جرأت نہ کرسکے۔ مولانا نے ایک ہفتہ مقیم رہ کر چار لیکچر دیے۔ جن میں قادیانیت کی تردید کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے عام حالات کے سدھارنے کی طرف بھی توجہ دلائی۔ ❷

(۱۶)

میرٹھ میں چھیڑ چھاڑ

(دسمبر ۱۹۱۹ء)

پھر دوبارہ عشق کا دل میں اثر پیدا ہوا

۶/۵/۷/دسمبر ۱۹۱۹ء کو شہر میرٹھ میں انجمن اہلحدیث میرٹھ کی طرف سے نہایت عظیم الشان سالانہ اجلاس ہوا۔ ۶/۷/کو مولانا امرتسری رحمہ اللہ حاضر جلسہ تھے۔ آپ کی متعدد تقاریر میں سے ایک تقریر ۷/دسمبر کو صبح نو بجے سے ۱۲/تک ''قادیانی مشن'' پر تھی۔ اتوار کا دن تھا۔ اس لیے تمام سرکاری ملازمین بھی فرصت سے تھے۔ بڑا زبردست اجتماع ہوا۔ اس اجلاس کی کیفیت انجمن مذکور کے سیکرٹری صاحب لکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''اس وقت مجمع بہت کثیر تھا۔ قبل از وقت سامعین جلسہ گاہ میں پہنچ گئے تھے۔ اور بالکل خاموشی کے ساتھ لفظ لفظ کو دل کے کانوں سے سنتے تھے۔ اور ہمہ تن گوش بنے ہوئے تھے۔

---

❶ اخبار اہلحدیث امرتسر ۲/مئی ۱۹۱۹ء۔ ❷ ایضاً ۳۱/اکتوبر ۱۹۱۹ء۔

مولانا مدظلہ نے اس مضمون کو ایسے دلچسپ اور مدلل طریقہ میں بیان فرمایا کہ حاضرین کو بالاتفاق اس مسئلہ کے تسلیم کرنے میں کچھ شک نہ رہا کہ مرزائے قادیانی اور اس کا مذہب یقیناً اسلام سے خارج ہیں۔ اور ان کا اسلام سے کچھ تعلق نہیں۔ آپ نے اپنی تقریر میں بہت سے مسئلوں پر روشنی ڈالی۔ لطف یہ ہے کہ ہر بات اور ہر مسئلہ کا ثبوت ان کی ہی کتاب سے پیش کیا۔'' ❶

اخیر کا ایک گھنٹہ مناظرہ کے لیے مخصوص تھا۔ قادیانی حضرات دہلی سے منشی عمرالدین صاحب کو مدعو کر لائے تھے۔ اس بیچارے کو پچھلے تجربات کی روشنی میں مولانا امرتسری رحمہ اللہ سے مقابلہ کی جرأت نہ ہو سکی۔ اس لیے مناظرہ سے بچنے کی خاطر شرائط مناظرہ پر گفتگو کے دوران فضول بکواس شروع کر دی۔ مولانا نے اس کے تمام شرائط من وعن تسلیم کر لیے۔ تاکہ مناظرہ شروع ہو جائے۔ لیکن اس شخص نے ایک نیا بکھیڑا شروع کر دیا۔ یعنی شملہ، پنجاب اور ادھر ادھر کے دور دراز مقامات سے ثالث بلانے کا مطالبہ پیش کیا۔ آخر ایک صاحب نے عرض کی کہ آپ میرٹھ ہی کے تین آدمیوں کا نام بطور ثالث پیش کریں۔ ہم مولانا امرتسری رحمہ اللہ سے منظور کرا لیں گے۔ اس پر منشی صاحب حواس باختہ ہو کر ایسی غیر متوازن باتیں کہنے لگے کہ سارا مجمع قہقہہ زار بن گیا۔ اس کے بعد مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے مجمع کو خاموشی کی تلقین کی۔ اور اس کے خاموش ہوتے ہی آپ نے قادیانی فریق پر ایک ایسا لطیف اور دلآویز تبصرہ فرمایا کہ غریب قادیانی کی زبان بند ہو گئی۔ اور وہ ایک دم ساکت ومبہوت کھڑا رہ گیا۔ جس کا نتیجہ سیکرٹری صاحب موصوف کے الفاظ میں یہ ہوا کہ:

''عوام پر قادیانی مذہب کی قلعی طشت از بام ہو گئی۔ بے حد محظوظ ہوئے۔ اور مولانا فاتح قادیان کو دل سے دعائیں دیتے ہوئے جلسہ برخاست ہوا۔'' ❷

---

❶ اخبار اہلحدیث امرتسر ۱۳ر فروری ۱۹۲۰ء۔

❷ ایضاً ایضاً۔

(۱۷)

امرتسر میں خلیفہ قادیان کا ''استقبال''

(فروری و اپریل ۱۹۲۰ء)

فروری ۱۹۲۰ء کے آخری عشرہ میں خلیفہ قادیان مرزا محمود صاحب امرتسر وارد ہوئے۔ ۲۲/۲۳ رفروری کو ان کے لیکچروں کا پروگرام اور انتظام تھا۔ مولانا امرتسری ان دنوں امروہہ اور شاہجہانپور تشریف لے گئے تھے۔ جہاں پبلک خطابات کے علاوہ آریوں سے مناظرہ کی بھی مصروفیات تھیں۔ امرتسر میں خلیفہ قادیان کے بالمقابل مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری نے مورچہ جمایا۔ ۲۳ رفروری ۱۹۲۰ء کی دوپہر کو مولانا امرتسری رحمہ اللہ بھی وطن واپس پہنچ گئے۔ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری نے مولانا امرتسری رحمہ اللہ سے اسٹیشن ہی پر ملاقات کی۔ اور صورت حال سے آگاہ کر کے۔ ۶، ۷ بجے شام کے جلسہ کا اعلان و انتظام کر دیا۔ پبلک کا زبردست ہجوم تھا۔ مولانا نے قادیانیت کی قلعی اچھی طرح کھولی۔ دوسرے روز ۲۴ رفروری کو محلّہ کٹرہ بھائی میں بھی...... جہاں دفتر اہلحدیث واقع تھا۔ ایک زبردست جلسہ ہوا۔

ایک طرف مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ اور مولانا امرتسری رحمہ اللہ مرزا محمود کا ''استقبال'' اپنی ان تردیدی سرگرمیوں سے کر رہے تھے۔ دوسری طرف عامۃ المسلمین نے ان کا ''استقبال'' ایک دوسرے اور نرالے ہی ڈھنگ سے کر ڈالا۔ یعنی خلیفہ صاحب کی تقریروں کے دوران نہ صرف کہ آوازے کسے گئے۔ بلکہ ان پر اینٹ، کنکر بھی پڑے۔ اور بیچارے خلیفہ صاحب کو اپنے باپ کی طرح بہت بے آبرو ہو کر امرتسر سے نکلنا پڑا۔ [1]

اس واقعہ پر ابھی پورے دو ماہ بھی نہ گذرے تھے کہ ۱۴ راپریل ۱۹۲۰ء کو خلیفہ صاحب پھر

---

[1] اہلحدیث امرتسر ۵ رمارچ ۱۹۲۰ء۔

امرتسر وارد ہوئے۔ اس وقت چونکہ پورے ہندوستان میں انگریزی استعمار کے خلاف ہلچل مچی ہوئی تھی جس کا مرکز ثقل جلیانوالہ باغ کے تازہ بتازہ خونیں حادثے کے نتیجے میں...... شہر امرتسر تھا۔ اس لیے قادیانیوں نے اعلان کیا کہ خلیفہ صاحب، وزیر اعظم انگلستان مسٹر لائڈ جارج کے بیانات کا جواب دیں گے۔ قادیانی حضرات چونکہ انگریزوں کے بے دام غلام اور ان کے آنریری آلہ کار تھے اس لیے وزیر اعظم انگلستان کے خلاف بولنے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ ہاں اس فریب کے ذریعہ قادیانیوں نے عوام کی ایک خاصی بڑی تعداد جمع کر لی۔ اور خود مسلح ہو کر جلسہ گاہ ''بندے ماترم ہال میں'' پہنچے۔ اور سیاسی موضوع کے بجائے اپنے مذہب کے فروغ کے سلسلے میں تقریر شروع کر دی۔ مولانا عطاء اللہ شاہ حاضر تھے۔ خلیفہ صاحب نے اثنائے تقریر میں ایک حدیث بیان کی۔ مولانا عطاء اللہ نے حوالہ مانگا۔ خلیفہ صاحب حوالہ نہ دے سکے۔ پندرہ منٹ گذر گئے۔ اور خلیفہ صاحب حیران وششدر کھڑے رہے۔ اس کے بعد ہنگامہ آرائی کی شکل پیدا ہو گئی۔ لیکن مولانا عطاء اللہ شاہ نے عوام پر کنٹرول رکھتے ہوئے اپنا مطالبہ جاری رکھا۔ اور جب میاں محمود بالکل مبہوت رہ گئے تو مولانا عطاء اللہ شاہ نے باہر نکل کر اور عوام کو باہر آنے کا اشارہ کر کے ''بندے ماترم ہال'' کے متصل اس طرح اپنا جلسہ جما دیا کہ قادیانی حضرات ہال کے اندر بند ہو کر رہ گئے۔ دو گھنٹہ بعد مولانا عطاء اللہ شاہ کی تقریر ختم ہوئی اور مطلع صاف ہوا تو قادیانی حضرات باہر آ سکے۔ خلیفہ صاحب اپنے مریدوں اور پولیس کے حفاظتی نرغہ میں اپنی قیام گاہ پر پہنچائے گئے۔ جہاں سے انہوں نے اپنے والد کی طرح بہت بے آبرو ہو کر راتوں رات بذریعہ ٹرین امرتسر سے کوچہ قادیان کا رُخ کیا۔

عین اس وقت جب کہ ''بندے ماترم ہال'' کے پاس قادیانیوں کے خلاف ہنگامہ رسوائی برپا تھا مسجد شیخ خیر الدین مرحوم میں مولانا امرتسری رحمہ اللہ خلیفہ قادیان کے شایان شان ''استقبال'' کے طور پر عوام کے ایک بڑے مجمع کے سامنے قادیانی مذہب اور قادیانی سیاست دونوں کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیر رہے تھے۔ [1]

---

[1] اہلحدیث امرتسر ۳۰ راپریل ۱۹۲۰ء۔

(۱۸)

بٹالہ، سیالکوٹ اور گوجرانوالہ میں

(ستمبر و اکتوبر ۱۹۲۰ء)

واقعات امرتسر کے چند ماہ بعد ۱۸ر ستمبر ۱۹۲۰ء کو بٹالہ میں قادیانیوں نے جلسہ کیا۔ اور اعلان کیا کہ تقریروں کے بعد سوال و جواب کا موقع دیا جائے گا۔ اہل بٹالہ نے مولانا امرتسری رحمہ اللہ کو تکلیف دی۔ مگر آپ کی آمد کی خبر سن کر قادیانیوں نے موقع دینے کی ہمت نہ کی۔ [1] ہاں مولانا کے پہنچنے سے یہ فائدہ ہوا کہ اہل بٹالہ نے ایک فوری جوابی جلسے کا اہتمام کیا۔ اور قادیانیوں کی تردید ہاتھ کے ہاتھ ہوگئی۔

اس سے اگلے ماہ اکتوبر ۱۹۲۰ء میں کئی جگہ تردیدی کام ہوا۔ سیالکوٹ میں زبردست جلسہ ہوا۔ ۲۱/۲۲ر اکتوبر کو گوجرانوالہ میں بڑی شان و شوکت سے جلسہ ہوا۔ دونوں جگہ مولانا نے قادیانیت کی پرزور تردید کی۔ اور قادیانی متکلمین کو دعوت مناظرہ بھی دی۔ مگر کسی کو سامنے آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ [2] اسی اکتوبر میں ایک دلچسپ مناظرہ جھنگ کے اندر پیش آیا۔ جس کی روداد اگلی سطور میں ملاحظہ فرمائیے!

---

1. ایضاً کیم اکتوبر ۱۹۲۰ء
2. ایضاً ۲۹ر اکتوبر ۱۹۲۰ء

۱۹

شہر جھنگ میں مناظرہ

(اکتوبر ۱۹۲۰ء)

جھنگ، مغربی پنجاب (پاکستان) میں فیصل آباد سے مغرب کی جانب ایک معروف ضلع اور شہر ہے۔ اس ضلع کے ایک مقام بدھوآنہ میں ۵/اکتوبر ۱۹۲۰ء کو احناف کے ساتھ مولانا امرتسری رحمہ اللہ کا ایک زبردست اور تاریخی مناظرہ ہوا۔ اس مناظرہ سے فارغ ہونے کے بعد شہر جھنگ کے معززین کے اصرار پر ۸/اور ۹/اکتوبر کی درمیانی رات کو مولانا نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے ایک جم غفیر میں ''برکات اسلام'' کے موضوع پر ایک زبردست لیکچر دیا۔ اس دوران قادیانی حضرات بھی بحث و گفتگو کے لیے نامہ و پیام کر رہے تھے۔ اس لیے اخیر رات میں ان کو بھی سوال و جواب کا موقع دیا گیا۔ آغاز گفتگو سے پہلے مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے ردقادیانیت پر ایک پُرزور، مدلل، پرلطف اور پرظرافت تقریر فرمائی۔ تقریر مکمل ہو چکی تو ایک قادیانی بزرگ ہاتھ میں سوٹا لیے ہانپتے کانپتے کھڑے ہوئے۔ اور گفتگو شروع کی۔ لیکن شیر پنجاب کے خوف سے وہ اس قدر حواس باختہ تھے کہ کوئی ایک بات بھی قاعدہ کی نہ کہہ سکے۔ ان کی پوری گفتگو ایک صاحب حاجی نور حسین مقیم جھنگ نے مختصراً قلمبند کی ہے۔ ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ ایسے حضرات بھی بحث و مناظرہ کے لیے قدم اٹھا لیتے تھے جنہیں نہ سخن فہمی کا شعور ہوتا تھا اور نہ اس بات سے واقفیت ہوتی تھی کہ ان کے فریق مقابل نے جو سوال یا دلیل پیش کی ہے اس کے مقابل میں ہماری ذمہ داری کیا ہے؟ بہر حال اس مباحثہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ:

''کسی مرزائی نے شرمساری و خجالت کے مارے سر اونچا نہ کیا جن لوگوں میں نور ایمان تھا، اور انصاف و حقانیت کا مادہ موجود تھا انہوں نے مرزائی مذہب کو سمجھ لیا کہ حق پر نہیں ہے۔ اور بدنصیب لوگ اپنی ضد پر اڑے رہے۔ چونکہ اس مختصر مگر بااثر وصداقت آمیز مباحثہ سے حق اور

باطل کا فیصلہ ہو گیا ہے اس لیے تمام مسلمان اس پر غور و خوض کریں گے۔ اور مرزائیوں کے پھندے و تاویلات رکیکہ میں نہیں آئیں گے۔'' ❶

(۲۰)

قادیان میں دوسرا اسلامی جلسہ

(مارچ ۱۹۲۱ء)

پچھلے صفحات میں ہم بتا چکے ہیں کہ قادیان کے مسلمانوں نے ایک اسلامی انجمن قائم کر کے ۲۴/۲۵ / نومبر ۱۹۱۷ء کو قادیان میں پہلی بار اسلامی جلسہ منعقد کیا تھا۔ اس جلسہ کی روداد اور اس کے اثرات و نتائج کا ذکر بھی ہم مختصراً کر آئے ہیں۔ وہاں کے مسلمانوں کا پروگرام یہ تھا کہ اسی طرح ہر سال ایک جلسے کا اہتمام کریں گے۔ مگر جب اگلے سال ۱۹۱۸ء میں اس جلسے کی تیاری شروع ہوئی تو قادیانی حضرات نے اپنے اثر و رسوخ، مسلسل تگ و دو، جھوٹی اطلاعات اور شرانگیز ریشہ دوانیوں کے ذریعہ حکومت کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ مسلمانوں کو جلسہ کرنے سے روک دے پھر ۱۹۱۹ء اور ۱۹۲۰ء میں بھی یہی کیفیت برقرار رہی۔ اس وقت جنگ عظیم اول کے خاتمہ کے بعد سے ہندوستان میں جو شعلہ بار واقعات پیش آ رہے تھے، اور یہاں کے سیاسی اسٹیج پر جو ہنگامہ عدم تعاون اور طوفان خودسری برپا تھا اس نے اس طرح کی پابندیوں کے لیے یوں بھی راہ ہموار کر دی تھی۔ لیکن بعض سخت گیر اور تنگ نظر انگریز آفیسران کے تبادلے کے بعد ۱۹۲۱ء میں، قادیانیوں کی ہر چند تگ و دو اور ریشہ دوانیوں کے باوجود، قادیان کے مسلمانوں کو جلسہ کرنے کی اجازت مل ہی گئی۔

۱۹/۲۰/۲۱ / مارچ ۱۹۲۱ء کو بڑے ہی تزک و احتشام کے ساتھ جلسہ ہوا۔ علماء اہلحدیث اور

---

❶ ایضاً ۳ / دسمبر ۱۹۲۰ء۔

اکابرین دیوبند کا مشترکہ اجتماع تھا۔ علمائے کرام بڑی تعداد میں ۱۸؍مارچ ہی کو بٹالہ پہنچ چکے تھے۔ بٹالہ میں مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے جمعہ پڑھایا جمعہ کے بعد جلسہ ہوا۔ اس کے آگے جو کچھ ہوا۔ اس کی روداد کے لیے ہم مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے بیان کے جستہ جستہ اقتباسات پیش کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں۔

''۱۹؍مارچ کو گیارہ بجے دوپہر کو قافلہ قادیان میں پہنچا۔ قادیان اور اردگرد کے مسلمان وہاں جمع تھے۔ خلیفہ قادیان نے (اپنی) جماعت کو حکم دے رکھا تھا کہ قلعہ بند ہو جاؤ۔ مکانات، مساجد، باغ اور بہشتی مقبرہ حفاظت میں لے لیے گئے تھے۔ یہاں تک کہ مزار مرزا کو بھی ایک گنبد کے ساتھ ڈھانپا گیا تھا۔ اور لاٹھیوں اور ہاکیوں سے مسلح مریدین پہرے پر کھڑے تھے۔ نیز حکم تھا کہ جلسہ مسلمانان میں کوئی احمدی نہ جائے۔ سوائے سامعون (محررین رپورٹ) کے۔ [1]

''صدر جلسہ مولوی حبیب الرحمٰن صاحب نائب مہتمم مدرسہ دیوبند مقرر ہوئے۔ سب سے پہلے میری تقریر تھی۔ جس کا عنوان تھا ''مرزا صاحب اور ہم'' اس میں میں نے بتایا کہ قرآن شریف میں صاف مذکور ہے کہ باہم متخالف (کلام) کلام الٰہی نہیں ہو سکتا۔ (لیکن) ہم دیکھتے ہیں کہ مرزا صاحب کا سارا کلام ایسا (ہی) ہے۔ (اس کے بعد مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے متعدد مثالوں کے ذریعہ مرزا صاحب کے کلام میں تضاد دکھلایا ہے۔) مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی نے مسئلہ ''حیات مسیح'' پر متعدد تقریریں کیں..... مولوی عبدالسمیع صاحب دیوبندی نے بھی مرزا صاحب کی تردید اور بعض مسائل (ختم نبوت وغیرہ) پر تقریر کی مولوی انور شاہ صاحب مدرس اول مدرسہ دیوبند نے بھی ''حیات مسیح'' پر ایک مختصر سی تقریر کی۔ میری دوسری تقریر تھی ''قادیان اور ہم'' اس میں میں نے قادیان کی فضیلت اور طاعون سے حفاظت کا وعدہ، پھر طاعون کا شیوع باقرار مرزا صاحب بڑی وضاحت سے ثابت کیا۔ اور مولوی مرتضیٰ حسن صاحب نے بھی مرزائی الہامات پر تقریر کی۔ بابو پیر بخش صاحب لاہور نے حیات مسیح کے متعلق ایک مطبوعہ تحریر پڑھی۔'' [2]

---

[1] قادیانیوں کی سراسیمگی کا یہ عالم تھا کہ ٹین کے پیپے کثیر تعداد میں پانی سے بھروا کر رکھ لیے تھے کہ اگر آگ لگ جائے تو ان سے بجھا سکیں۔ دیکھئے اخبار اتحاد امرتسر جلد ۵ شمارہ ۱۵ تا ۱۷۔

[2] اخبار اہلحدیث امرتسر یکم اپریل ۱۹۲۱ء۔

اس جلسے میں مولانا امرتسری رحمہ اللہ کی کل چار تقریریں ہوئیں جن میں سے ایک تقریر سکھ حضرات کے اصرار پر خاص ان کے لیے پنجابی زبان میں ہوئی۔ بقیہ تین تقریریں رد قادیانیت کے سلسلے میں ہوئیں۔ ❶

جلسہ سے لوگوں کی دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ تینوں دن صبح ۸ بجے سے ۱۲ بجے تک، دوپہر بعد ۲ بجے سے ۶ بجے تک اور رات میں ۸ بجے سے ۱۲ ایک بجے تک تقریریں ہوتی تھیں۔ پھر بھی عوام اکتانے کے بجائے ھل من مزید کی استدعا کرتے تھے۔ اس جلسے کی بابت مسلمان تو مسلمان قادیان کے ہندو بھی علی الاعلان کہتے تھے کہ مسلمانوں کا یہ جلسہ جس شان وشوکت اور امن ومحبت سے ہوا ہے۔ مرزا صاحب کے مریدوں کا ایسا جلسہ کبھی نہیں دیکھا۔ ❷

اس جلسہ کی تاریخوں کا اعلان ہوتے ہی قادیانیوں نے مختلف ڈھنگ سے اپنی جلوہ نمائیوں کا آغاز کر دیا تھا جو اُن کے خوف، اندیشے اور گھبراہٹ کی آئینہ دار تھیں۔ لدھیانہ کے پٹے ہوئے مناظر منشی قاسم علی سہ صدی نے تقریباً ایک ماہ پہلے اپنے اخبار ''الفاروق'' میں ایک مضمون لکھا۔ جس میں مولانا امرتسری رحمہ اللہ کو ایام جلسہ میں مباحثہ کرنے کی دعوت دی۔ دعوت کا ملخص یہ تھا کہ جس مضمون پر لدھیانہ میں انعامی مباحثہ ہوا تھا۔ یعنی مرزا جی کا ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء والا اشتہار ''مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ'' جس کا مضمون یہ تھا کہ مولانا ثناء اللہ صاحب اور مرزا جی میں سے جو جھوٹا ہے وہ پہلے مر جائے گا، اسی اشتہار کے مضمون پر پابندی شروط (قدیمہ وجدیدہ) بحث کرو۔ اور جیت جاؤ تو ایک سو روپے ہم سے انعام پاؤ۔

انعام کے لیے منشی صاحب نے اب کی دفعہ یہ صورت تجویز کی تھی کہ روپے کسی کے پاس امانت نہیں رکھے جائیں گے اور نہ شکست وفتح کے فیصلہ کے لیے کوئی حکم مقرر کیا جائے گا۔ بلکہ تیسرے دن آخری پرچہ سنا کر مولانا امرتسری رحمہ اللہ موکد بعذاب قسم کھائیں گے کہ مرزا صاحب کی وہ اشتہاری دعا ان کے بقول اللہ کے حکم سے تھی۔ انہیں اس کی قبولیت کا الہام ہوا تھا۔ اور اس کے مطابق وہ پہلے مر کر جھوٹے ثابت ہوئے۔ بس اس قسم کے کھا لینے پر انہیں ایک سو روپے

---

❶ تفصیل کے لیے دیکھیے اخبار اتحاد امرتسر جلد ۵ شمارہ ۱۵ تا ۱۷۔

❷ ایضاً ایضاً۔

انعام کے طور دے دیئے جائیں گے۔ لیکن اس تجویز کے ساتھ منشی قاسم علی صاحب نے ایسی ایسی پیش بندیاں بھی کر رکھی تھیں کہ روپے کسی حال میں نہ دینے پڑیں۔

مولانا امرتسری رحمہ اللہ تو اس قسم کے مواقع کی تلاش ہی میں رہتے تھے۔ آپ نے منشی جی کے تمام مطالبات تسلیم کرتے ہوئے صرف ایک شرط پیش کی کہ اپنے خلیفہ سے نیابت حاصل کر کے آؤ۔ اور ہمت ہے تو مرد میدان بنو۔ ع

ورنہ خاموش کہ ایں شور وفغاں چیزے نیست [1]

بہر حال ان ساری دھما چوکڑیوں کے باوجود وقت پر منشی قاسم علی اور ان کے رفقاء کو سامنے آنے کی ہمت نہ ہوئی۔ ہاں! ان حضرات نے چند اشتہارات البتہ شائع کیے جن کا مضمون یہ تھا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب دل سے حضرت عیسیٰ کی موت کے قائل ہیں۔ مگر اوپر اوپر سے لوگوں میں حیات مسیح کا اظہار کرتے ہیں۔ اگر سچے ہیں تو موکد بعذاب قسم کھائیں اور دو سو روپے انعام لیں۔

مولانا امرتسری رحمہ اللہ جانتے تھے کہ یہ عوام کو ذہنی انتشار اور شک وتذبذب میں مبتلا کرنے کے لیے قادیانیوں کی پر فریب چال ہے۔ اس لیے آپ نے جلسہ عام میں اعلان کیا کہ اگر منشی قاسم علی (قادیانی سرگردہ) جناب ڈپٹی صاحب کے پاس روپے رکھ دیں تو میں قسم کھانے کے لیے تیار ہوں۔ اس اعلان کے بعد جوں توں کر کے منشی قاسم علی نے ڈپٹی صاحب کے پاس کانپتے ہوئے ہاتھوں سے دو سو روپے رکھ دیئے۔ مگر چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ اور ادھر ادھر کی باتیں بنانی شروع کر دیں۔ مولانا نے کہا کہ تم نوعیت عذاب اور مدت عذاب کی تعیین کرو اور میں قسم کھاتا ہوں۔ لیکن منشی صاحب نے اس سے انکار کر دیا۔ اور انعامی رقم واپس لے لی۔ یہ واقعہ ۲۱/مارچ کو دن میں مولانا امرتسری رحمہ اللہ کی تقریر کے دوران پیش آیا تھا۔ آپ کے بعد مولانا سیالکوٹی نے خاص اسی قسم اور تعیین نوعیت ومدت عذاب پر پر مغز تقریر کی۔ اس تقریر کے دوران مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے اٹھ کر فرمایا۔

''اچھا روپیہ دینے کو تو یہ شرط شروط لگاتے ہیں میں بغیر روپیہ لیے ہی ان کی تسلی کیے دیتا

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے اخبار اہلحدیث امرتسر ۲۵/مارچ ۱۹۲۱ء۔

ہوں......(اس کے بعد آپ نے فرمایا) میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں۔اور مرزا اپنے دعوے میں جھوٹا ہے۔‘‘

آپ کے بعد مولانا سیالکوٹی نے بھی ایسے ہی الفاظ میں قسم کھائی۔اور کہا کہ جن تیس دجالوں کی خبر حدیث میں وارد ہے، ان میں سے ایک ہم مرزا صاحب کو مانتے ہیں کہ وہ بھی انہیں کی طرح جھوٹا ہے۔

ان دونوں بزرگوں...... مولانا امرتسری رحمہ اللہ اور مولانا سیالکوٹی...... کا قسم کھانا تھا کہ سارے جلسہ میں شادمانی کی لہر دوڑ گئی۔اور قادیانیوں کا حال ان کی تمام تر چلتر بازیوں کے باوجود یہ ہوا کہ فغلبوا هنالک وانقلبوا صاغرين.(وہیں کے وہیں مغلوب ہو کر رہ گئے۔ اور ذلیل وخوار ہو کر واپس پلٹے)۔ ❶

قادیانی حضرات نے اپنی ان چالبازوں سے جو توقعات قائم کر رکھی تھیں وہ مولانا کی مومنانہ بصیرت اور حکمت عملی کے سبب الٹ کر رہ گئیں۔مولانا امرتسری رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

’’جب ہمارے قسم کھانے کے بعد جلسہ برخاست ہوا تو بجوائے آیت ورايت الناس يدخلون في دين الله افواجا.لوگ جوق در جوق توبہ کرنے کو آتے تھے۔‘‘ ❷

گردو پیش کے لوگوں پر اس جلسہ کا جو اثر ہوا وہ ایک بزرگ مولوی میر محمد صاحب ساکن بھانبڑی ضلع گورداسپور کی زبانی سنئے۔لکھتے ہیں۔

موضع کوٹ ارایاں، وٹھیکری والا، وچوہدری والا، وتاڑی راجپوتاں، وکاہنوواں، وکیڑی، ورجوا، وبھٹیاں، وموضع برائے، وملک پور، وبٹالہ، دسری گوبند پور اور خصوصاً بھامڑی اور ارد گرد قادیان وغیرہ وغیرہ بعض گاؤں میں تو عاجز کا گذر ہوا۔اور بعض گاؤں کے لوگوں سے ملاقات ہوئی لوگوں کے بیان سے معلوم ہوتا تھا کہ قادیانی گروہ کو اب یہ لوگ بہ نسبت پہلے کے سخت حقارت کی نظر سے دیکھتے اور یاد کرتے ہیں۔اور بعد اس کے یہ عاجز قصبہ فتح گڑھ ضلع گورداسپور میں اسلامیہ جلسہ میں حاضر ہوا۔اور اس علاقہ کے لوگوں سے ملاقات ہوئی۔گفتگو

---

❶ دیکھئے اخبار اہلحدیث امرتسر یکم اپریل ۱۹۲۱ء واخبار اتحاد امرتسر جلد ۱۵ تا ۱۷۔

❷ اخبار اہلحدیث امرتسر یکم اپریل ۱۹۲۱ء۔

سے ثابت ہوتا تھا کہ یہ لوگ قادیانی گروہ کو بالکل باطل راستے پر خیال کرتے ہیں۔ خاکسار کے خیال میں قادیانی گروہ کا اثر گردونواح قادیان میں روپیہ میں ایک آنہ باقی رہ گیا ہے۔ اگر اسی دھوم دھام سے محمدی جلسے لوگوں کے نصیب ہوتے رہے۔ اور علماء کرام خصوصاً جناب فاتح قادیان اور مولانا ابراہیم سیالکوٹی جلسہ میں تشریف لاتے رہے تو قادیانی گروہ کا اثر گردونواح قادیان میں دامن جھاڑ کر، خیر باد کہہ کر آنسو گراتا ہوا رخصت ہو جائے گا۔''[1]

یہی صاحب ایک اور مراسلے میں موضع کاہنووان کی بابت وہاں کے لوگوں سے اپنی گفتگو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''خاکسار نے دریافت کیا کہ آپ کے قصبہ میں کس قدر احمدی لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم بیس آدمی مستقل تھے۔ اور مذبذب کئی آدمی تھے۔ لیکن جلسہ محمدی (قادیان) کے بعد تمام لوگوں نے توبہ کی۔ مگر ایک مذبذب رہا۔ امید ہے کہ وہ بھی توبہ کر جائے گا۔''[2]

(۲۱)

مالیر کوٹلہ میں دو مناظرے

(مارچ و اپریل ۱۹۲۱ء)

مالیر کوٹلہ مشرقی پنجاب (ہند) کے ضلع سنگرور کا ایک معروف مقام ہے۔ تقسیم ہند سے پہلے اسے ایک ریاست کی حیثیت حاصل تھی۔ اور اس پر ایک مسلم خاندان حکمران تھا۔ خاندان ریاست کے ایک فرد میاں محمد علی خان تھے۔ جو مرزا صاحب قادیانی کے ساتھ پیچ در پیچ رشتوں میں گتھے ہوئے تھے۔ یہ حضرت اتنے پرجوش قادیانی تھے کہ مالیر کوٹلہ چھوڑ کر قادیان میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ انہوں نے خاندان کی بیگمات میں سے سب سے اہم شخصیت کو جو بو صاحبہ کے لقب سے مشہور تھیں۔ والی ریاست کی خالہ اور چچی تھیں۔ اور شیعہ مذہب رکھتی

---

[1] ایضاً ۲۲ر جولائی ۱۹۲۱ء۔ [2] ایضاً ۴ر نومبر ۱۹۲۱ء۔

تھیں......اس بات پر آمادہ کرنا چاہا کہ وہ خاندان کی دیگر بیگمات کو قادیانیت سے ''مستفیض'' کریں۔ بو صاحبہ نے جواب دیا کہ میں علماء کو بلا کر مباحثہ کرانے کے بعد صحیح رائے قائم کرسکوں گی۔

ان کی اس تجویز پر ۲۸ مارچ ۱۹۲۱ء کو ان کی پس پردہ موجودگی میں مناظرہ ہوا۔ مولانا امرتسری رحمہ اللہ اسلامی مناظر کی حیثیت سے مدعو تھے۔ بو صاحبہ کے ساتھ دیگر مستورات بھی تھیں۔ اندر سے سوال آیا کہ ''حضرت عیسیٰ کی زندگی کا کیا ثبوت ہے''؟ اس پر دوپہر تک بحث ہوتی رہی۔ اس کے بعد پوچھا گیا کہ ''سچے ملہموں کی صداقت معلوم کرنے کے کیا معیار ہیں''؟ اس کے جواب میں صداقت کے معیار مقرر کر کے ان پر مرزا صاحب جانچے گئے۔ اور جھوٹے ثابت ہوئے۔ اہل اسلام کو کافی کامیابی ہوئی۔

خاتمہ گفتگو پر میاں محمد علی خان کے منہ سے نکل گیا کہ ہم پبلک مباحثہ کرنے پر تیار ہیں۔ ادھر سے ان کے بھتیجے احسان علی خان (شیعہ) نے کہا: پبلک مباحثہ کا میں ذمہ دار ہوتا ہوں۔ مولانا امرتسری رحمہ اللہ سے پوچھا گیا۔ آپ کب وقت دے سکتے ہیں؟ ''مولانا نے کہا:'' میری طرف سے کل ہی سے شروع کر لیجئے۔ لیکن قادیانی فریق نے عذرات پیش کیے۔ آخر ۱۳/۱۴/۱۵ اپریل ۱۹۲۱ء کی تاریخیں مقرر ہوئیں۔

مولانا امرتسری رحمہ اللہ ۱۲ اپریل کو مالیر کوٹلہ پہنچ گئے۔ قادیانیوں نے ''باعزت فرار'' کے لیے مبحث اور شرائط طے کرنے میں ایسی ایسی اڑچنیں ڈالیں کہ چار روز تک شرائط اور مبحث ہی کا تصفیہ ہوتا رہا۔ اور بالآخر ان کی متعدد غیر منصفانہ شرطیں مان لی گئیں۔ تا کہ مناظرہ شروع ہو سکے۔

۱۷ اپریل کو مناظرہ شروع ہوا۔ مباحث یہ تھے۔

① ...... حیات مسیح

② ...... معیار صداقت مامورین

③ ...... پیشینگوئیوں پر اصولی بحث

④ ...... صداقت مرزا

⑤...... مولانا ثناء اللہ صاحب کے ساتھ مرزا صاحب کا آخری فیصلہ تین روز تک مناظرہ ہوتا رہا۔ قادیانی حضرات کی وہی بلکہ اس سے بھی ابتر کیفیت رہی جو پچھلے مناظروں اور مباحثوں میں رہا کرتی تھی۔ چونکہ قادیانیوں نے حکم کا تقرر کسی بھی طرح منظور نہ کیا تھا اس لیے یہ طے ہوا کہ طرفین کی تحریریں شائع کر کے فیصلہ ناظرین وقارئین پر چھوڑ دیا جائے۔ [1] معلوم نہیں یہ تحریریں شائع ہوئیں یا نہیں؟ لیکن مناظرہ سننے والوں کا متفقہ بیان جو چالیس حضرات کے دستخط سے شائع ہوا ہے اس میں اس مناظرہ کا نتیجہ یوں بیان کیا گیا ہے۔

"ہم خدا لگتی کہتے ہیں کہ مرزائیوں کو سخت شکست ہوئی۔" [2]

اور مالیر کوٹلہ کے مفتی صاحب کا بیان یہ ہے کہ:

"عام پبلک اہل اسلام بلکہ ہنود نے بھی جو بکثرت اس مباحثہ میں شریک رہے، یہ رائے قائم کی ہے کہ مولوی ثناء اللہ صاحب غالب رہے۔ اور جماعت قادیانی مغلوب رہی...... اور جو مقصود اس مباحثہ میں تھا کہ عوام الناس قادیانیوں کے دھوکہ میں نہ آویں وہ حاصل ہو گیا۔" [3]

جہلم میں تردید اور کپورتھلہ میں مناظرہ

(اپریل مئی اور ستمبر ۱۹۲۱ء)

۳۰ر اپریل اور یکم مئی ۱۹۲۱ء کو انجمن اہلحدیث جہلم کا سالانہ اجلاس ہوا۔ مولانا امرتسری رحمہ اللہ اور مولانا سیالکوٹی نے مختلف عنوانات کے علاوہ رد قادیانیت پر بھی تقریریں کیں۔ اور سوال وجواب کے مواقع بھی دیئے۔ لیکن قادیانی حضرات اس طرح خاموش رہے گویا وہ شہر میں ہیں ہی نہیں۔ [4]

---

[1] پوری تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو اخبار اہلحدیث امرتسر ۲۹/۲۲ر اپریل ۱۹۲۱ء۔

[2] ایضاً ۲۰ر مئی ۱۹۲۱ء۔ [3] ایضاً ایضاً۔

[4] ایضاً ۱۳ر مئی ۱۹۲۱ء۔

وسط ستمبر ۱۹۲۱ء میں (غالباً ۱۷ ریا ۱۸ تاریخ کو) ریاست کپورتھلہ میں قادیانی مسلم مناظرہ ہوا۔ کپورتھلہ ایک غیر مسلم ریاست تھی، جسے اب ضلع کی حیثیت حاصل ہے۔ یہ امرتسر کے مشرق میں واقع ہے۔ یہاں کے مدار الہام (وزیر اعظم) ایک مسلمان (میاں عبدالحمید صاحب) تھے۔ مناظرہ انہیں کے زیر اہتمام انہیں کی کوٹھی پر ہوا تھا۔ موصوف خود سوال کرتے اور جواب طلب فرماتے تھے۔ مولانا امرتسری رحمہ اللہ قادیانیوں کے بالمقابل تھے۔ مباحثہ میں حق کی بین فتح ہوئی۔ مذبذبین اور غیر جانبداروں کو بہت فائدہ ہوا۔ [1]

قادیان میں تیسرا اسلامی جلسہ

(مارچ ۱۹۲۲ء)

۲۵/۲۶/۲۷/مارچ ۱۹۲۲ء کو قادیان میں سابقہ روایات اور پچھلی شان وشوکت کے ساتھ پھر اہل اسلام کا جلسہ ہوا۔ پچھلے جلسہ کے برعکس اس جلسہ میں قادیانیوں نے بھرپور شرکت کی۔ اور والغوا فیہ لعلکم تغلبون پر عمل کرتے ہوئے دوران تقریر کافی شور مچایا ماضی قریب ہی میں ننکانہ میں سکھوں کے آپسی کشت وخون اور دارو گیر کے واقعات گذر چکے تھے۔ اس لیے جب شور زیادہ ہوا تو ان سے کہا گیا کہ اگر فساد کی نیت ہے تو پنجاب کے مقام ننکانہ کا نقشہ ذہن میں جما لو۔ اس آواز کا ایسا اثر ہوا کہ غیر معمولی خاموشی ہوگئی۔

اس دفعہ خلیفہ قادیان بھی میدان میں آئے۔ کئی ایک اشتہار شائع کیے۔ جن کے جوابات فوراً جلسہ ہی میں دیئے جاتے رہے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ جناب نے علماء کو مباہلہ اور مباحثہ...... یا ان کے اپنے الفاظ میں تبادلہ خیالات...... دونوں کی دعوت دی۔ یہاں دیر ہی کیا تھی۔ سب سے پہلے اہلحدیث کانفرنس کے واعظ ومبلغ متعینہ قادیان ونواح قادیان

---

[1] ایضاً ۱۴ / ۱۰ / اکتوبر ۱۹۲۱ء۔

مولوی میر محمد صاحب اٹھے کہ میں اپنے نو بیٹوں اور دو بیویوں سمیت مباہلہ کرنے کو حاضر ہوئے۔ پھر دیگر علمائے کرام یکے بعد دیگرے اٹھتے چلے گئے یہاں تک کہ پورے بائیس اصحاب نے اعلان کیا کہ ہم مباہلہ کرنے کو حاضر ہیں۔ کسی مرزائی نے آواز دی کہ شیر پنجاب...... مولانا امرتسری رحمہ اللہ کیوں نہیں پیش ہوتا۔ مولانا نے فرمایا: میرا فیصلہ باپ سے ہو چکا ہے جو اصل مدعی تھا۔ بعد ڈگری پانے کے اب نئے سرے سے بیٹے سے میں کیوں کروں؟ اس سے باپ کی ہتک لازم آتی ہے۔"

مباحثہ کے لیے بھی منظور دی گئی۔ اور شرط رکھی گئی کہ کوئی مسلم آدمی منصف ہو۔ جس کے فیصلے سے آئندہ کو بحث ختم کی جائے۔ مگر خلیفہ صاحب کی اشتہار بازی کا مقصود، واقعی مقابلہ کرنا نہ تھا، بلکہ مریدوں کو اپنے دام تزویر میں پھنسائے رکھنے کے لیے یہ محض ایک چال تھی۔ اس لیے میاں محمود دونوں مقابلوں...... مباہلہ اور مباحثہ...... کو مختلف حیلوں سے ٹال گئے۔ ع

خود سوئے ماندید، حیارا بہانہ ساخت

لدھیانہ کے پٹے ہوئے کھلاڑی منشی قاسم علی پھر بڑے جوش سے اٹھے کہ اگر مولوی ثناء اللہ میرے پیش کردہ الفاظ میں قسم کھا جائیں کہ مرزا صاحب کی کوئی ایک پیشینگوئی بھی جھوٹی ہوئی ہے تو میں پانچ سو روپیہ انعام دیتا ہوں۔ مولانا نے فرمایا: بہت اچھا روپیہ ڈپٹی صاحب کے پاس رکھیے۔ یہ سنتے ہی منشی صاحب روپیہ لینے کو بھاگے ہوئے گئے۔ مگر واپس نہ آئے۔

ایام جلسہ ہی میں قادیانیوں نے اعلان کیا کہ ہماری مسجد میں جلسہ ہوگا۔ جس میں سوال کرنے کی اجازت ہوگی۔ یہ خوش خبری سن کر اہلحدیث کانفرنس کے دو واعظ ان کے جلسہ میں حاضر ہوئے۔ ان کی تقریر کے سلسلے میں ایک حوالہ طلب کیا۔ وہ بیچارے ورق گردانی ہی کرتے رہ گئے۔ اس پر اہل اسلام نقارۂ فتح بجاتے ہوئے واپس آ گئے۔ [1]

اس اسلامی جلسہ قادیان کے بعد اہلحدیث کانفرنس کے ایک مبلغ مولوی عبدالرحیم شاہ صاحب نے قادیان کے گردو پیش کے تین مقامات دیال گڑھ، ملک پور، اور گودر پور کا دورہ کرنے کے بعد جو رپورٹ بھیجی اس کا خلاصہ یہ تھا کہ وہاں کے لوگوں نے بیک زبان یہ بیان کیا کہ:

---

[1] اخبار اہلحدیث امرتسر ۷/ اپریل ۱۹۲۲ء۔

''مرزائی جو وسوسے سال بھر میں لوگوں کے دلوں میں ڈالتے رہتے ہیں وہ اس جلسہ سے یوں دور ہو جاتے ہیں۔ جیسا لاحول سے شیطان دور ہو جاتا ہے...... اگر کچھ مدت جلسہ قادیان ہوتا رہا تو قادیان میں بھی بجائے مرزائیت، محمدیت کی آواز آنے لگ جائے گی۔'' ❶

اسی طرح اہلحدیث کانفرنس کے ایک دوسرے مبلغ مولوی محمد امین صاحب نے چھ مقامات، بہادر حسین، مانیاں، ڈلہ، فتح گڈھ چوڑیاں، چہ برائی اور دھرم کوٹ کے لوگوں سے ملاقات کے بعد ان کے تاثرات قلمبند کیے ہیں کہ:

''مرزائی، اسلامی جلسہ کے اثر کی وجہ سے خاموش ہو گئے ہیں...... جس قدر مرزائیوں نے سال بھر کوشش کی تھی اس ایک ہی جلسہ نے اس کا خاتمہ کر دیا ہے...... ڈلہ کے مرزائی جنگ وجدل کی تیاریاں کر رہے ہیں۔'' ❷

(۲۴)

فیروز پور، بیری اور گوجرانوالہ میں مناظرے اور جگہ جگہ تردیدی سرگرمیاں

(جون، ستمبر، اکتوبر، نومبر ۱۹۲۲ء)

فیروز پور میں ۳؍جون ۱۹۲۲ء کو ایک صاحب کی کوٹھی پر...... جو وہاں محکمہ نہر کے افسر تھے...... ایک مناظرہ ہوا۔ مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے بالمقابل منشی فرزند علی صاحب تشریف فرما تھے۔ مرزا صاحب کی صداقت زیر بحث تھی۔ ۵؍گھنٹے تک سلسلہ گفتگو جاری رہا۔ مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے قادیانی مناظر کے پیش کردہ دلائل کی دھجیاں بکھیرتے ہوئے مرزا صاحب کی وہ پیشینگوئیاں پیش کیں جن کے ٹھیک ٹھیک وقوع پر مرزا صاحب نے اپنی صداقت کا دار ومدار رکھا تھا۔ مثلاً

---

❷ ایضاً ایضاً۔ ❸ اہلحدیث امرتسر ۵؍مئی ۱۹۲۲ء۔

آسمانی منکوحہ کے خاوند سلطان محمد کی موت کی پیشینگوئی وغیرہ آپ نے دکھلایا کہ ان پیشینگوئیوں کے عدم وقوع سے مرزا صاحب خود اپنے مقرر کئے ہوئے اصول کے مطابق جھوٹے ثابت ہوئے۔

قادیانی مناظر مولانا کے پیش کردہ استدلال کا کوئی جواب نہ دے سکا۔ جس کا اثر حاضرین پر بہت اچھا ہوا۔ (1)

اسی ماہ جون میں ۳۰ر تاریخ کو بیری میں مناظرہ ہوا۔ بیری، تحصیل ننکانہ ضلع شیخوپورہ، پنجاب (پاکستان) کے ایک گاؤں کا نام ہے۔ وہاں مرزائی مبلغوں نے کچھ اثر دکھایا۔ تو دردمندان اسلام نے علماء کرام کو بلایا۔ مولانا امرتسری رحمہ اللہ مناظر مقرر ہوئے۔ مقابل میں حافظ روشن علی قادیانی تھے۔ یہی صاحب مالیر کوٹلہ میں بھی مولانا کے بالمقابل پیش آئے تھے۔ اور شکست سے ''سرفراز'' ہوئے تھے۔

مباحثہ دو مضامین پر ہوا۔ ایک صداقت مرزا، اور دوسرا حیات و وفات عیسیٰ علیہ السلام دلچسپ بات یہ ہوئی کہ حافظ روشن علی نے کہا کہ ہم مدعی ہیں اس لیے پہلی اور آخری تقریر ہماری ہوگی۔ مولانا نے فرمایا یہ اصول مناظرہ کی رو سے صحیح ہے مگر مرزا صاحب کی سنت کے خلاف ہے۔ پھر آپ نے تبلیغ رسالت ص ۷ کے حوالہ سے اپنا یہ دعویٰ ثابت کیا۔ حافظ روشن علی نے معمولی سی چوں چاں کے بعد بات مان لی۔ اور مولانا نے اپنی تقریر شروع کی۔ تقریر کے بعد تھوڑی سی زدوخورد ہوئی۔ اور حافظ نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس مباحثہ کا اثر یہ ہوا کہ دو آدمیوں نے (اور بروایت سیرت ثنائی ص ۳۳۷ چھ آدمیوں نے) توبہ کی۔ اور جس قادیانی ملانے موضع بیری میں اس فتنے کی تخم ریزی کی تھی اسے لوگوں نے وہاں سے نکال دیا۔ (2)

جلسۂ قادیان کے بعد ان دو اہم مناظروں کے علاوہ اور بھی کی تردیدی جلسے اور چھوٹے بڑے مناظرے پیش آئے۔ ۲۲/۲۳/۲۴/۲۵ر ستمبر ۱۹۲۲ء کو بٹالہ میں...... جو قادیان سے صرف گیارہ میل کے فاصلے پر ہے اور قادیان کا ریلوے اسٹیشن بھی ہے...... تردید قادیانیت کے سلسلے

---

(1) ایضاً ۱۶ر جون ۱۹۲۲ء۔ (2) اہلحدیث امرتسر ۱۴ر جولائی ۱۹۲۲ء

میں بڑا پرزور جلسہ ہوا۔ ❶ مولانا اس جلسے کے روح رواں تھے۔ مگر علالت کے باعث شریک نہ ہو سکے تھے۔ ❷

۲۸/۲۹ اکتوبر ۱۹۲۲ء کو شہر گجرات (پنجاب، پاکستان) میں بڑی دھوم سے جلسہ ہوا۔ قادیانی حضرات کو دعوت مباحثہ دی گئی۔ مگر سامنے نہ آئے۔ ❸

ازاں بعد گوجرانوالہ، وزیر آباد، قصور وغیرہ میں یکے بعد دیگرے جلسے ہوئے، اور ہر جگہ یہی حال رہا۔ صرف گوجرانوالہ میں (جس کے جلسے ۴/۵ نومبر ۱۹۲۲ء کو ہوئے) مولوی غلام رسول راجیکی، قادیانی مناظر کی حیثیت سے تشریف لائے۔ نتیجہ وہی ہوا جو ہمیشہ ہوا کرتا تھا۔ ❹

---

❶ ایضاً ۲۹ ستمبر ۱۹۲۲ء ❷ ایضاً ۱۳ اکتوبر ۱۹۲۲ء

❸ ایضاً ۱۰ نومبر ۱۹۲۲ء ❹ ایضاً ۱۷ نومبر ۱۹۲۲ء

(۲۵)

دو مہینے حیدر آباد دکن میں

(جنوری، فروری، مارچ ۱۹۲۳ء)

جیسا کہ معلوم ہے ستمبر ۱۹۴۸ء سے پہلے تک حیدر آباد دکن ایک مسلم ریاست تھی جس پر ایک طویل عرصے سے خاندان آصفیہ کی حکمرانی چلی آ رہی تھی۔ یہاں کے مخصوص دینی حالات کے سبب مولانا امرتسری کو یہاں مدعو کیا گیا۔ آپ ۱۶/جنوری ۱۹۲۳ء کو وہاں تشریف لے گئے۔ اور دو ماہ بعد ۱۶/مارچ ۱۹۲۳ء کو امرتسر واپس ہوئے۔ سفر کے دوران اور سفر کے بعد آپ نے متعدد مضامین میں اس سفر کے پس منظر، غرض وغایت اور حالات واثرات پر روشنی ڈالی ہے۔ ذیل میں ہم ان تمام مضامین کے مجموعہ سے اختصار کے ساتھ اس سفر کی مصروفیات کا ایک خاکہ پیش کر رہے ہیں۔ مولانا لکھتے ہیں۔

"ریاست حیدر آباد دکن باوجود ایک اسلامی ریاست ہونے کے عام طور پر مذہبی مسائل سے لوگ بے خبر ہیں۔ بے خبری کا نتیجہ ظاہر ہے۔ قادیانی تصنیفات کا اثر ریاست کے بعض عہدہ داروں پر بڑا اثر پڑا تو ان کی تحریک سے ماتحتوں میں بھی آیا۔ یہاں تک کہ اچھی خاصی تعداد ریاست حیدر آباد دکن میں قادیانی نبوت کی امت کی بن گئی...... سکندر آباد متصل حیدر آباد کے ایک سوداگر عبداللہ الہ دین صاحب ۱۹۱۵ء میں قادیانی نبی کے امتی ہو گئے۔ یہ صاحب اپنے خیال کے بڑے پکے راسخ ہیں۔ قادیانی ہوتے ہی انہوں نے ان کو ہر قسم کی قوت پہنچانی شروع کی کبھی کوئی رسالہ ہے، کبھی کوئی اشتہار ہے۔ کبھی دعوت مناظرہ ہے تو کبھی دعوت مباہلہ۔ اس لیے حیدر آباد اور سکندر آباد وغیرہ کے مسلمان بہت تنگ ہوئے کہ آئے دن کی چھیڑ چھاڑ سے نجات کیوں کر ملے۔ آخر انہوں نے نجات اسی میں سمجھی کہ امرتسر سے اسی کو بلائیں جو جناب مرزا صاحب کی ٹکر کھائے ہوئے ہے۔

اور مرزا صاحب اس کی ٹکر سے دار الفنا چھوڑے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ان کا ایک معتمد، جلسہ اہلحدیث کانفرنس دہلی منعقدہ ۹ر۱۰ر دسمبر (۱۹۲۲ء) میں پہنچا کہ مجھے لے چلے۔ ان دنوں تو میں نے علالت طبع کا عذر کیا۔ آخر تقاضا پر تقاضا سے بمجبوری ۱۳/ جنوری ۱۹۲۳ء کو چل پڑا۔ ۱۶ر کو پہنچ کر قیام سکندر آباد میں کیا۔ میرے ساتھ امرتسر سے مولوی محمد امین، اور دہلی سے مولوی محمد صاحب جونا گڑھی بھی پہنچے۔'' ❶

''مرزا صاحب کا ایک الہام ہے انی مهین من اراد اهانتک (جو کوئی تیری (مرزا کی) اہانت کا ارادہ کرے گا (یعنی وقوع میں بھی نہیں محض ارادہ پر) میں اس کو ذلیل کروں گا) اس الہام کا مقابلہ میں بتعلیم القرآن مجید عرصے سے مجھے القاء ہے کہ انی معین من اراد اهانته یعنی میں (خدا) اس کی مدد کروں گا جو مرزا (مدعی مسیحیت) کی تردید کرے گا جس پر اس کی اہانت خود بخود لازم آ جائے۔ چونکہ اصل بات یہی ہے کہ میں تردید مرزا کے لیے (حیدر آباد دکن) گیا تھا۔ اس لیے اسٹیشن پر مذکورہ دو فقروں کا میں مقابلہ دیکھتا تھا...... پھر آخر کیا ہوا؟ اس کا گواہ خود ایک مرزائی مبلغ غلام احمد (ہیرالال) ہے جو اسٹیشن پر نظارہ دیکھ رہا تھا...... کہ مخلوق الٰہی مصافحہ کرنے کو ٹوٹ رہی ہے جن کا نظارہ دیکھ کر در و دیوار سے آواز آ رہی تھی۔ انی معین من اراد اهانته بالکل سچا القاء ہے۔'' ❷

''چھاؤنی سکندر آباد (متصل حیدر آباد) میں ایک خاندان ہے جس کا نام ہے ''علاء الدین خاندان'' اس خاندان کے چار بھائیوں میں سب سے بڑا بھائی سیٹھ عبداللہ ہے۔ جو مرزا صاحب کا مصدق (احمدی) ہے۔ (جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے) باقی تینوں بھائی خاں صاحب احمد، غلام حسین، قاسم علی صاحبان یہ محمدی سنی ہیں۔ ان بھائیوں میں قادیانی مذہب کے متعلق تکرار رہتی تھی۔ ابھی

---

❶ اہلحدیث امرتسر ۲۳ر فروری ۱۹۲۳ء ❷ ایضاً ۲۳ر مارچ ۱۹۲۳ء

ہمارے عام جلسہ ہائے وعظ شروع نہیں ہوئے تھے کہ ایک روز قبل، (۱۸ر جنوری ۱۹۲۳ء کو) ان بھائیوں نے چاہا کہ اپنے مکان پر خاص مجلس میں گفتگو سنیں۔ چنانچہ چاروں برادران کے علاوہ ان کے ماموں حاجی پیر محمد وغیرہ اور دو تین ممبران انجمن سکندر آباد بھی شریک مجلس تھے۔ وہاں پر پہلے گفتگو آخری فیصلہ والے اشتہار پر چلی۔ ان تینوں بھائیوں میں سے اوّل الذکر گویا اس خانگی مجلس کے صدر تھے۔ ایک ایک سوال کا جواب لیتے جاتے تھے۔ جب قادیانیوں کے جواب میں ۱۳ر جون ۱۹۰۷ء کا اخبار بدر میں نے پیش کیا کہ اس میں مرزا صاحب اپنی دعا کو بحال رکھ کر میری موت کے منتظر ہیں۔ اس کا جواب خان صاحب نے قادیانی پارٹی سے اس کی تردید کا بارہا مانگا۔ مگر وہ نہ دے سکے۔ جب بارہا مانگنے پر بھی نہ دے سکے تو آخر خان صاحب نے مجھ سے کہا کہ اچھا، اسے چھوڑیئے! یہ لوگ مباہلہ کرنا چاہتے ہیں۔ آپ مباہلہ کی بابت کیا فرماتے ہیں۔ میں نے کہا: میں تیار ہوں۔ مگر مباہلہ کا اثر مجھ پر فوراً اثر ہونا چاہیے۔ اس دعویٰ کی دلیل میں نے تفسیر معالم التنزیل سے ایک مرفوع روایت پیش کی۔ (اس کے معنی پر بحث ہوئی۔ دوسرے روز خان صاحب نے جامعہ عثمانیہ کے علماء سے اس کے معنی دریافت کیے۔ ان سب نے بالاتفاق وہی معنی بتایا جو میں نے بتایا تھا۔) ❶

''۱۹ر جنوری (۱۹۲۳ء) سے ہماری تقریریں عام جلسوں میں شروع ہوئیں، چند روز تک مولوی محمد صاحب دہلوی میرے ساتھ رہے۔ آپ توحید وسنت پر مضامین بیان کرتے تھے، اور میں قادیانی مذہب پر جب آپ مجھ سے جدا ہو کر مدراس وغیرہ مقامات کو چلے گئے تو اب میں اکیلا ہی رہ گیا جو دونوں مضامین بیان کرتا تھا۔ چونکہ عام رائے قادیانی مضامین سننے کی زیادہ خواہش مند تھی اس لیے زیادہ وقت اسی کام پر خرچ ہوتا رہا۔'' ❷

''۱۹ر جنوری کو پہلا جلسہ وعظ (سکندر آباد میں) ہوا۔ جس میں ہزاروں کی تعداد

---

❶ ایضاً ایضاً، قوسین کی عبارت کے الفاظ ہمارے ہیں، صرف مفہوم مولانا کا ہے۔
❷ ایضاً ۳۰ر مارچ ۱۹۲۳ء

میں مسلمانان حیدر آباد شریک تھے۔ بس اُس ایک تقریر کا غلغلہ اٹھا کہ اُس کے بعد (۳/ مارچ سے پہلے تک) سکندر آباد کی باری نہ آسکی۔ بلدہ حیدر آباد اور بیرون بلدہ میں جلسے ہوتے رہے۔ ۳/ مارچ تک مختلف مقامات پر ۲۴ (اور ۳/ مارچ کا سکندر آباد والا اجلاس ملا کر ۲۵) جلسہ ہائے وعظ ہوئے۔ (اس کے بعد مولانا کم وبیش دس دن علاقہ حیدر آباد میں مزید ٹھہرے رہے) لیکن دس دنوں کے جلسوں کی تعداد کا علم کسی ذریعہ سے نہ ہو سکا۔ص) (ان جلسوں میں) میں اعلان کرتا رہا کہ میں قادیانی نبی کی تردید نہیں کرتا۔ بلکہ ان کے ملفوظات آپ تک پہنچاتا ہوں۔ بس کتب مرزا سے حوالہ جات پڑھ پڑھ کر سنائے جاتے۔ (بلکہ بعض اوقات کسی اور شخص کے ہاتھ میں کتاب دے کر پڑھوا دیے جاتے۔ ان میں تعارض ہوتا تو لوگ خود بخود سمجھ جاتے۔ غلطی ہوتی تو معلوم کر لیتے) حیدر آبادی پبلک قادیانی نبی کا کلام سن کر حیرانی میں بزبان حال کہتی ہے۔ ع

آنچہ می شنوم بہ بیداری ست یا رب یا بخواب

کیا کوئی شخص کلمہ اسلام منہ پر لا کر ایسے ایسے الفاظ منہ سے نکال سکتا ہے۔ مثلاً قول مرزا

آنچہ داد ست ہر نبی را جام
داد آں جام را مرا بتمام [1]
انبیاء گرچہ بودہ اند بسے
من بعرفان نہ کمترم ز کسے

(نزول المسیح ص ۹۹ وروحانی خزائن، ص ۴۷۷، ج ۱۸)

”(میں نے یہاں) آکر دیکھا کہ قادیانی مضامین سننے کا لوگوں میں بے حد شوق ہے۔ جلسوں میں ہزار ہا آدمیوں کا مجمع ہوتا ہے۔ ایسا کہ معمولی آواز کا اتنی دور پہنچنا مشکل ہے۔ پھر لطف یہ کہ اس ہجوم میں ہر مذہب وملت کے لوگ ہوتے، مسلم، غیر مسلم، مقلد، غیر مقلد، شیعہ، سنی، حتیٰ کہ مہدوی [2] بھی بکثرت شریک ہوتے ہیں۔“ [3]

---

[1] ایضاً ۱۶/ مارچ ۱۹/۲۳ء۔

[2] سید محمد جونپوری ایک مدعی مہدویت گذرے ہیں۔ ان کو مہدی ماننے والی جماعت مہدوی کہلاتی ہے۔

[3] اخبار اہلحدیث امرتسر ۲۳ فروری ۱۹۲۳ء

''میری تقریروں سے مسلمانوں کو ایسی دلچسپی ہوئی کہ ہزاروں کی تعداد میں جلسہ میں آتے ۔اور تقریر کے علاوہ سینکڑوں کتابیں میری تصنیف تردید قادیانی کی خریدتے ۔اور بزبان قال کھلا کہتے کہ ہم پر اللہ نے بڑا فضل کیا۔ ورنہ ہم تو بے خبری میں پھنس جاتے۔ [1] ان کو حیرت ہوتی کہ اس قسم کے اقوال مرزا ہم سے چھپائے رکھے (گئے) تھے۔'' [2]

''ان تقریروں میں میں نے مسلمانان حیدر آباد دکن کو توجہ دلائی کہ یہاں ایسی بڑی ذی شان اسلامی ریاست میں اس جھگڑے کا فیصلہ نہ ہوا تو کہاں ہوگا؟ حضور نظام خلد اللہ ملکہ اس کام کو دینی خدمت جان کر متوجہ ہو کر مرزا صاحب قادیانی کے دعاوی پر فریقین کی تقریریں سنیں، جو تحریری کی جائیں۔ جہاں پہنچ کر معلومات کا ذخیرہ کافی فراہم ہو جائے تقریریں ختم کرا کر فیصلہ لکھ دیں...... لیکن اس فیصلہ کا اثر یہ نہ ہوگا کہ فریق مغلوب کو غالب کا مذہب اختیار کرنے پر مجبور کیا جائے۔ کیونکہ ایسا کرنا آیت قرآنی **لا اکراہ فی الدین** (دین کے بارے میں جبر کرنا جائز نہیں) کے خلاف ہے۔

اس تحریک کا نتیجہ یہ ہوا کہ میری بے خبری ہی میں حیدر آبادی مسلمانوں نے حضور نظام کی خدمت میں درخواست دی کہ قادیانی مذہب کے متعلق گفتگو کرا کر فیصلہ کیا جائے۔ تا کہ مسلمانوں میں آئے دن کے جھگڑے ختم ہوں۔ (حضور ممدوح نے وزیر مذہبی اور باب حکومت...... ارباب کونسل...... کی رائے طلب فرمائی) وزیر مذہبی نے اس معاملہ میں سرکاری دخل اندازی سے انکار کر دیا۔'' [3]

قادیانیوں کی مذبوحی حرکات

مولانا امرتسری نے حیدر آباد وارد ہو کر جب امت قادیانیہ کی نقاب کشائی شروع کی تو حیدر آباد سے قادیان تک ہلچل مچ گئی۔ مولانا کی اچوک ضربوں سے اپنے گرتے ہوئے قصر نبوت کو سنبھالنے کے لیے انہوں نے عجیب عجیب مذبوحی حرکات کا مظاہرہ کیا۔ مولانا کے حیدر آباد وارد ہوتے ہی ہر قسم کی کارروائیوں سے پہلے ایک نجی مجلس میں ۱۸ رجنوری ۱۹۲۳ء کو جو

---

[1] ایضاً ۹ رمارچ ۱۹۲۳ء۔ [2] ایضاً ۲ رمارچ ۱۹۲۳ء۔ [3] ایضاً ۲ رمارچ ۱۹۲۳ء۔

مباحثہ ہوا اس کی کیفیت اوپر گذر چکی ہے۔ اس کے علاوہ ان کی مزید کارروائیاں اور حرکتیں مولانا ہی کے الفاظ میں مختصراً ملاحظہ فرمایئے۔ آپ اسلامی جلسوں کی کارروائیوں اور کارگذاریوں کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

① قادیانی امت نے بھی جلسہ وعظ کیا۔ نیت میں اخلاص کے بجائے شر دیکھئے کہ جس بنگلہ میں ہم کو ٹھہرایا گیا تھا...... اسی کے میدان میں بالکل ہماری قیام گاہ کے سامنے کیا...... اسی روز اہل اسلام کا جلسہ بھی حیدر آباد میں تھا۔ ہم تو ادھر چلے گئے۔ یہاں لوگ آئے اور قادیانی لیکچراروں پر ہنسی کھلی اڑاتے ہوئے چلتے بنے۔ غالباً یہ اس نیت بد کا بدلہ ملا جو ہمارے قیام گاہ میں جلسہ کرنے سے ان کے دل میں مخفی تھی۔

② دوسرا جلسہ شہر میں کیا۔ وہاں بھی جب اس مضمون پر پہنچے کہ حضرت مرزا صاحب کی ایک دو پیشینگوئیاں اسی طرح ہوئیں جس طرح آنحضرت ﷺ کی حدیبیہ والی پیشگوئی ہوئی۔ یہ سنتے ہی لوگوں نے شی شی کے آوازے کسے۔ بلکہ کسی منچلے نے ایک دو روڑے بھی ادھر ادھر چلائے جن کی وجہ سے جلسہ میں انتشار پیدا ہو کر لیکچرار صحن سے اٹھ کر اندر چلے گئے۔ وہاں جتنے آدمی سما سکے ان کو تھوڑا بہت سنایا۔ اس کے بعد ان کو جلسہ کرنے کا حوصلہ نہ ہوا۔

③ تیسرا واقعہ یہ ہوا کہ سیٹھ عبداللہ الہ دین کے بھائیوں نے ان کو مجبور کیا کہ قادیانی علماء سے مباحثہ کرائیں۔ چنانچہ ۳۱ر جنوری ۱۹۲۳ء کو ان کے مکان پر ایک مختصر ساخانگی مباحثہ ہوا...... مباحثہ تحریری تھا...... میں سچ کہتا ہوں کہ میرے مقابلہ میں جتنی دفعہ احمدی دوست آئے ہیں...... ان سب کے برابر یہاں سکندر آباد میں ان کو ذلت نصیب ہوئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ باوجود قرارداد اس امر کے کہ مباحثہ دو روز ہوگا صرف ایک ہی روز کر کے ایسے خاموش ہوئے کہ ''کاٹو تو لہو نہیں'' ہر چند انجمن اہلحدیث سکندر آباد نے اپنے سلسلہ خط و کتابت سے ان کو بلایا مگر وہ ایسے سوئے کہ دیکھنے والا کہے ''چنان خفتہ اندر کہ گوئی مردہ اند'' ...... اس مباحثہ میں حیدر آبادی احمدیوں کے علاوہ قادیان سے بھی دو عالم (مولوی فضل دین وکیل اور شیخ عبدالرحمٰن) آئے تھے۔ موخر الذکر مناظرہ کرتے تھے۔ باقی ان کی امداد۔''[1]

---

[1] ایضاً ۲۳ر فروری ۱۹۲۳ء۔

اس مباحثہ کی مفصل روداد۔ ''قادیانی مباحثہ کون'' کے نام سے دفتر اہلحدیث امرتسر سے شائع ہوئی تھی۔ جو ہمیں دستیاب نہ ہوسکی۔ البتہ اس مباحثہ پر حیدر آباد کے بارہ اکابر علماء نے جو حاضر مجلس تھے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ جو انجمن اہلحدیث سکندر آباد کے ایک مطبوعہ ٹریکٹ کے ضمن میں درج ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے۔

''دونوں فریقوں کی گفتگو سننے کے بعد ہم لوگ جس نتیجہ تک پہنچے ہیں وہ حسب ذیل ہے۔ بحث اس میں تھی کہ مرزا صاحب قادیانی اپنے الہامی دعویٰ میں سچے تھے یا نہیں؟ مولوی ثناء اللہ صاحب نے مرزا صاحب کی حسب ذیل عبارت (جو محمدی بیگم کے شوہر کے متعلق ہے) پیش کی۔

''میں بار بار کہتا ہوں کہ نفس پیشگوئی داماد احمد بیگ کی تقدیر مبرم ہے، اس کی انتظار کرو۔''

اس کے بعد مرزا صاحب نے اپنا آخری فیصلہ (اس پیشگوئی کی بابت) ان لفظوں میں درج کیا ہے کہ:

''اگر میں چھوٹا ہوں تو یہ پیشگوئی پوری نہ ہوگی اور میری موت آجائے گی۔''

مولوی ثناء اللہ صاحب نے اس کے بعد یہ بیان دیا۔ ① داماد احمد بیگ (مسمی بہ سلطان احمد) اس وقت تک زندہ ہے۔ ② مرزا غلام احمد قادیانی صاحب کو موت آچکی۔

احمدی جماعت نے ان کے اس بیان کو تسلیم کیا۔ اس لیے ہم لوگ نہایت آسانی کے ساتھ اس نتیجہ تک پہنچ گئے کہ مرزا صاحب اپنے قول کے موافق جھوٹے ہیں۔ اور یہی مولوی ثناء اللہ صاحب کا دعویٰ تھا۔ اگرچہ اس کے بعد احمدی مناظر نے جواب دینے کی کوشش کی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ بجائے مولوی ثناء اللہ صاحب کے خود مرزا صاحب کے اقوال و یقینیات کی تردید میں مصروف تھے۔ [1]

④ چوتھا واقعہ یہ ہوا کہ قادیانی جماعت نے بسرکردگی عبداللہ علاء الدین ایک اشتہار دیا کہ مولوی ثناء اللہ اگر تردید مرزا میں سچا ہے تو ہمارے پیش کردہ حلف نامے کے مطابق قسم کھائے۔ ہم اس کو پانچ سو روپیہ انعام دیں گے۔ حلف کے الفاظ بھی خود ہی قلمبند کیے۔ جن کا خلاصہ یہ تھا کہ مولانا قسم کھائیں کہ عیسیٰ علیہ السلام بجسد عصری آسمان پر اٹھالے گئے ہیں۔ ہنوز زندہ

---

[1] ''قادیانی حلف کی حقیقت'' ص ۲، ۲۲ شائع کردہ انجمن اہلحدیث سکندر آباد۔

ہیں اور وہی آخری زمانہ میں آسمان سے اتریں گے۔ مرزا صاحب اپنے دعویٰ میں جھوٹے اور مفتری ہیں۔ اور اس قسم کے ساتھ ہی یہ دعا کریں کہ "اے قادر ذوالجلال! اگر میں اپنے اس حلف میں محض ضد وتعصب یا ہٹ دھرمی یا نافہمی سے کام لے رہا ہوں تو مجھ پر ایک سال کے اندر موت وارد کر، یا کسی ایسے غضبناک وعبرتناک عذاب میں مبتلا کر کہ جس میں انسانی ہاتھ کا دخل نہ ہو۔"

اس اشتہار کے شائع ہوتے ہی ۲۵ر جنوری ۱۹۲۳ء کے اجلاس منعقدہ مشیر آباد میں مولانا امرتسری نے حیدر آبادی پبلک کے سامنے ایک جوابی تجویز پیش کی۔ جسے سب نے تسلیم کیا۔ اور اس کے مطابق دوسرے دن ۲۶ر جنوری کو آپ کا جوابی اشتہار شائع ہوا۔ جس کا عنوان ہی یہ تھا کہ "میں قادیانی کذب پر حلف اٹھانے کو تیار ہوں۔"

اشتہار میں قادیانیوں کی تمام پر فریب چالوں کا پردہ فاش کرتے ہوئے اور یہ بتلاتے ہوئے کہ میں اس سے پہلے قادیانی کذب پر ۱۹ر جنوری ۱۹۲۳ء کو سکندر آباد کے اجلاس میں حلف اٹھا چکا ہوں آپ نے ایک نکتے کی بات لکھی جسے بنیادی شرط کی حیثیت حاصل تھی۔ آپ نے لکھا۔

"چونکہ میرا مقابلہ دراصل مرزا صاحب آنجہانی سے تھا۔ ان کے بعد بحیثیت قائم مقام ان کے خلیفہ سے ہے اس لیے میں حق رکھتا ہوں کہ یہ شرط لگاؤں کہ خلیفہ قادیان مع اپنی صدر انجمن احمدیہ کے ممبروں کے اس مضمون کی دستخطی تحریر مجھے دیں کہ:

"مولوی ثناء صاحب امرتسری مرزا قادیانی کی تکذیب اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات پر قسم کھائیں۔ سال تک قدرتی موت سے جس میں انسانی ہاتھوں کا دخل نہ ہو بچ رہیں تو میں (میاں محمود خلیفہ ثانی قادیان مع ممبران صدر انجمن احمدیہ) مرزا صاحب قادیانی کا مذہب چھوڑ کر جمہور مسلمانوں میں مل کر مرزا صاحب قادیانی کی تکذیب کیا کریں گے۔ اور اپنے کل مبلغوں کو بھی یہی حکم دیں گے۔"

اس دستخطی تحریر پر میں اپنی پہلی قسموں (جو قادیان اور سکندر آباد وغیرہ میں کھا چکا ہوں، ان کے) علاوہ نئے سرے سے کذب مرزا اور حیات عیسیٰ علیہ السلام پر بحولہ وقوتہ قسم کھاؤں گا۔ انشاء اللہ [1]

---

[1] اہلحدیث امرتسر ۲۳ر فروری ۱۹۲۳ء۔

اس اشتہار کا شائع ہونا تھا کہ قادیانی محاذ پر...... اس موضوع سے متعلق...... بالکل سناٹا چھا گیا۔

⑤ پانچواں واقعہ یہ ہے کہ ۷ ارجنوری کو عبداللہ علاء الدین اور ان کے بھائیوں کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا۔ جس کی نوعیت یہ تھی کہ ان بھائیوں اور بعض دیگر خاندانی متعلقین نے متفقہ طور پر دو حلف نامے تجویز کیے تھے۔ اور ان کے الفاظ بھی قلمبند کر لیے تھے۔ ایک پر مولانا امرتسری سے دستخط لینا تھا۔ جس کا خلاصہ مفہوم، حیات عیسیٰ اور کذب مرزا پر قسم کھانا تھا۔ دوسرے پر مرزا محمود سے دستخط لینا تھا۔ جس کا خلاصہ مفہوم وفات عیسیٰ اور صدق مرزا پر قسم کھانا تھا۔ طے یہ تھا کہ جو فریق قسم کھانے سے انکار کرے، یا قسم کھانے کے بعد ایک سال کے اندر وفات پا جائے وہ جھوٹا اور اس کا مدمقابل سچا سمجھا جائے گا۔ اور اس سے تعلق رکھنے والا فریق، دوسرے فریق کا مذہب اختیار کر لے گا۔

جب حلف سے متعلق مذکورہ بالا اشتہار اور جوابی اشتہار کی کارروائیاں مکمل ہو گئیں تو ۶ رفروری ۱۹۲۳ء کو مولانا امرتسری نے قادیانیوں کے مجوزہ حلف نامے پر بغیر کسی ترمیم کے دستخط کر دیئے۔ اور ان کے بعد دکن کے دیگر علماء اسلام نے بھی دستخط کر دیئے۔ بعد ازاں دوسرا حلف نامہ مرزا محمود کے پاس قادیان بھیجا گیا۔ میاں محمود نے دستخط کرنے کے بجائے قطعی طور پر چپ سادھ لی۔ جب مولانا امرتسری مہینوں بعد حیدر آباد سے وطن واپس آ گئے اور ان کی واپسی پر بھی ایک ماہ کا عرصہ بیت گیا تو میاں محمود نے طے شدہ معاہدہ کی سو فیصدی خلاف ورزی کرتے ہوئے مجوزہ حلف نامے کے بجائے اپنی طرف سے ایک گھڑے گھڑائے حلف نامے پر دستخط کر کے بھیج دیا۔ اب اس کے سوا کوئی صورت نہ تھی کہ اصل حقیقت منظر عام پر لائی جائے۔ چنانچہ انجمن اہلحدیث سکندر آباد نے یہ پوری کارروائی اس کے مکمل پس منظر سمیت ایک پمفلٹ (قادیانی حلف نامہ کی حقیقت) کی شکل میں شائع کر کے قادیانیوں کے فرار اور فریب کا پردہ چاک کیا۔ [1]

---

[1] دیکھئے ٹریکٹ مذکورہ از ص ۸ تا ص ۲۰۔

⑥ چھٹا واقعہ یہ ہوا کہ یہی عبداللہ علاء الدین صاحب (غالباً قادیانی علماء کے سکھانے پڑھانے پر) اپنے برادران سمیت ایک روز مولانا کے پاس حاضر ہوئے۔ اور فرمانے لگے کہ حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص امام وقت کو نہ پہچانے وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔ چونکہ مرزا صاحب امامت کے مدعی ہیں اس لیے ان کو نہ ماننے سے اس وعید کا خطرہ ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ اس امام سے مراد نماز کا امام نہیں بلکہ امام دین اور سلطان وقت ہے۔ اور اس پر آپ نے متعدد احادیث سے شہادت پیش کی۔

عبداللہ علاء الدین صاحب نے کہا کہ ان احادیث سے تو بیشک یہی ثابت ہوتا ہے۔ مگر میں کل ایسی حدیثیں لاؤں گا جن سے ثابت ہوگا کہ امام سے مراد امام روحانی ہے۔ اس کے بعد یہ حضرت اس طرح غائب ہوئے کہ ان کا ''کل'' آیا ہی نہیں۔ [1]

⑦ ساتویں حرکت قادیانیوں نے یہ کی کہ ''حضرت عیسیٰ کی وفات'' کے نام سے ایک ٹریکٹ شائع کیا۔ اس میں ایک دعویٰ درج کیا کہ ''حضرت عیسیٰ کی وفات مولوی ثناء اللہ کے قلم سے'' اور اس کے ثبوت کے لیے حوالہ دیا مولانا کی تفسیر ثنائی جلد ۳ کا۔ اس کے جواب میں مولانا نے اعلان کیا کہ اگر میری تفسیر میں یہ دکھا دیا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں تو میں ایک سو روپے ابھی انعام دیتا ہوں۔ اس اعلان کا ہونا تھا کہ قادیانی حضرات کو سانپ سونگھ گیا۔ [2]

⑧ آٹھواں اور آخری وار قادیانیوں نے یہ کیا کہ ہر طرف سے تھک ہار کر اور مایوس ہو کر عوام کو مولانا امرتسری سے متنفر کرنے کے لیے مسلمانوں کے باہمی فرقہ وارانہ اختلافات کو ہوا دینے اور ان کے سوئے ہوئے مخالفانہ جذبات کو بیدار اور مشتعل کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ ان (قادیانیوں) نے مولانا امرتسری کے نام کے ساتھ نمایاں طور پر ''اہلحدیث'' اور ''وہابی'' لکھنا شروع کیا۔ اور اخبار اہلحدیث سے الٹے سیدھے حوالے اور اقتباسات نقل کر کے اس عنوان کا ایک لمبا چوڑا اشتہار مرتب کیا کہ ''مولوی ثناء اللہ کا مذہب کیا ہے؟'' اس اشتہار سے مجموعی طور پر

---

[1] اخبار اہلحدیث امرتسر ۳۰ر مارچ ۱۹۲۳ء۔ [2] ایضاً ایضاً۔

یہ تاثر دینا مقصود تھا کہ مولوی ثناء اللہ وہابی ہیں۔ وہ غیر وہابیوں کو "شیطان والا" کہتے ہیں۔ائمہ اربعہ کے مذہب کو دین میں رخنہ قرار دیتے ہیں۔ اور ان کے مقلدین کو اہل سنت سے خارج مانتے ہیں۔

چونکہ حیدر آبادی پبلک کا سوادِ اعظم حنفی مذہب کا پیرو ہے۔ پھر شافعیوں کی بھی ایک جمعیت ہے۔ اور ان دنوں پورے ہندوستان میں اہلحدیث حنفی جھگڑا شباب پر تھا۔ اور "وہابی" کا لفظ سنتے ہی عوام پر مجنونانہ غضب کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ اس لیے قادیانیوں کو یقین تھا کہ ان کا یہ وار خطا نہیں جا سکتا۔ اور اس اشتہار کے شائع ہوتے ہی مولانا امرتسری حیدر آباد سے مار بھگائے جائیں گے۔ لیکن قادیانیوں کا یہ وار بھی خالی گیا۔ اور صرف خالی ہی نہیں گیا بلکہ انہوں نے بڑی حسرت ویاس کے ساتھ اہل حیدر آباد کی یہ ظرافت ملاحظہ کی کہ جب دیواروں پر یہ اشتہارات چسپاں ہوئے تو اہل حیدر آباد نے موٹے موٹے لفظوں میں ان اشتہارات پر یہ جملہ لکھ دیا کہ:

"خاوند مارتا ہے تو جورو روتی ہے"

ان اشتہارات کو پڑھ کر سب کی زبان پر یہی جاری تھا کہ "مولوی ثناء اللہ اگر وہابی ہے تو ہم بھی وہابی ہیں" جس روز یہ اشتہار شائع ہوا اس روز مجمع اتنا زیادہ تھا کہ اس سے پہلے کبھی نہ تھا۔ [1]

یہ قادیانیوں کے ترکش کا آخری تیر تھا۔ اس کے ساتھ ہی ان کا میگزین خالی ہو گیا۔ مسلسل ناکامیوں سے ان کے حوصلے پہلے ہی ٹوٹ چکے تھے۔ اب انہوں نے صورت حال کے سامنے ہتھیار ڈالتے ہوئے خاموشی اختیار کر لی۔

اثرات وتاثرات

حیدر آباد میں مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے ورود کا جو مقصود اور وہاں پر آپ کا جو مشن تھا اس میں آپ پورے طور پر کامیاب رہے۔ قادیانیوں کی ایک خاصی بڑی تعداد تائب ہوئی۔ بعض حضرات کی توبہ اخبارات میں بھی شائع ہوئی۔ مذبذبین پختہ ہو گئے۔ قادیانی فریب کے جال کی

---

[1] ایضاً ۱۶ / مارچ ۱۹۲۳ء۔

کڑیاں بکھر گئیں۔ اور بے خبر عوام، قادیانی مذہب کے حقائق سے آگاہ ہو کر خطرات سے محفوظ ہو گئے۔

مقامی اخبارات اور جرائد نے آپ کی مساعی اور تگ ودو کو اپنے کالموں اور صفحات میں آپ کے شایان شان جگہ دی تھی۔ یعنی آپ کی مساعی کی تفصیلات، تقریروں کے خلاصے، اور ان کے نتائج واثرات حیدر آبادی اخبارات کے پہلے صفحات پر شاہ سرخیوں کے ساتھ شائع ہوتے تھے۔

شعرائے کرام نے بھی ہر جگہ آپ کا شاندار خیر مقدم کیا۔ یہ لوگ آپ کے کارناموں کو بڑے دلکش انداز میں منظور کرتے۔ اور آپ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے قادیانیت اور اس کے بانی کو اپنی ظرافت طبع کا تختہ مشق بناتے۔ ایک بار قادیانی اخبار الفضل میں ایک غزل کے اندر مرزا صاحب کو ''رسول قدنی'' کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا۔ بس کیا تھا۔ اس لفظ پر شعرائے حیدر آباد کی رگ ظرافت پھڑک اٹھی۔ اور انہوں نے ہر اجلاس میں ایسی نظمیں اور غزلیں پیش کرنی شروع کیں۔ جن میں ''رسول قدنی'' کی بندش کی جاتی تھی۔ مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے کی صرف دو نظمیں درج کی ہیں جن کا لہجہ نسبتاً زیادہ نرم تھا۔ ایک نظم میں شاعر نے مرزا صاحب کے پس پردہ حقائق کی پردہ دری کرتے ہوئے مولانا امرتسری کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

ابر پنجاب سے نکلی جو چمکتی بجلی
بجھ گئی شمع شبستان رسول قدنی [1]

ایک اور شاعر اپنی اصل نظم پیش کرنے سے پہلے مولانا امرتسری کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کرتا ہے۔

تری تقریر سن کر حق و باطل سے ہوا آگاہ
ثناء اللہ! ثناء اللہ! ثناء اللہ!

---

[1] اہلحدیث امرتسر ۲۳ر فروری ۱۹۲۳ء۔

ترا احساں ادا کیا ہو، مگر اتنا تو کہتا ہوں
جزاک اللہ، جزاک اللہ، جزاک اللہ

اور اس خراج عقیدت کے بعد جو نظم پیش کی ہے اس میں مرزا صاحب کا ذکر خیر بڑے ہی دلچسپ انداز میں کیا ہے۔ صرف دو شعر ملاحظہ ہوں۔ شاعر کہتا ہے۔

ایام جیسے آئے ہیں، حائض جو ہے مشہور ❶
ہم پاؤں پڑیں ایسے "رسول قدنی" کے؟
لاشہ پس مردن، خرد جال پہ آیا ❷
کیا رتبے ہیں واللہ "رسول قدنی" کے ❸

شہریار دکن کی طرف سے اعزاز اور وظیفہ

حیدر آباد کے خواص وعوام میں مولانا کے علمی کمالات اور اسلامی خدمات کا جو غلغلہ بلند ہوا اس سے شہریار دکن کج کلاہ حیدر آباد بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ چنانچہ عین اس وقت جبکہ آپ حیدر آباد میں اپنا مشن مکمل کر کے قادیان کے چوتھے سالانہ جلسہ میں شرکت کے لیے کسی قدر عجلت کے ساتھ واپسی کا ارادہ فرما رہے تھے۔ شاہ دکن کی جانب سے اس خواہش کی اطلاع پہنچی کہ کل صبح شرف ملاقات فرمائیں۔ اس باریابی اور اس کے نتیجہ کا اظہار حیدر آباد کے ایک اخبار "مشیر دکن" مورخہ ۱۵/ مارچ ۱۹۲۳ء میں اس طرح کیا گیا ہے۔

"پرسوں مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری بارگاہ خسروی میں باریاب ہوئے تھے۔ اس وقت آپ نے اپنی تفسیر اور بعض دیگر تصانیف بطور ہدیہ ملاحظہ خسروی میں گذارنے کا شرف حاصل کیا۔

مولوی ثناء اللہ صاحب کی روانگی وطن کے وقت آپ کی مشایعت کے لیے ریلوے اسٹیشن

---

❶ مرزا صاحب کے اس الہام کی طرف اشارہ ہے کہ یریدون ان یروا طمثک (لوگ تیرا حیض دیکھنا چاہتے ہیں) اربعین ۴ ص ۱۹ تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۱۴۳۔

❷ مرزا صاحب نے ریل کو خرد جال لکھا ہے۔ اور آپ مرنے کے بعد لاہور سے بٹالہ تک ریل گاڑی ہی پر لائے گئے۔ اسی طرف اشارہ ہے۔

❸ اہلحدیث امرتسر ۱۶/ فروری ۱۹۲۳ء۔

پر بہت سے لوگوں کا مجمع تھا۔ ٹرین کے حرکت میں آنے سے کچھ ہی قبل ان کو اطلاع موصول ہوئی کہ بارگاہ خسروی سے ازراہ مراسم خسروانہ وعطوفات شاہانہ سو روپیہ کلدار ماہوار کا وظیفہ تاحیات جاری فرمایا گیا ہے۔ اس نوید کو تمام حاضرین نے نہایت مسرت وانبساط کے ساتھ سنا اور سب نے بارگاہ باری تعالیٰ میں اعلیٰ حضرت خسرو دکن کے لیے ترقی واقبال اور دینی ودنیاوی مقاصد کے برآنے کی قلبی جوش کے ساتھ دعا کی۔ اور مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب منصور و مسرور اپنے وطن کو واپس تشریف لے گئے۔ ❶

اس اعزاز پر مولانا کو ہر طرف سے مبارکبادی کے پیغامات دیئے گئے۔ اور خوشیاں منائی گئیں۔ مگر بعض تنگ نظر علماء کی نگاہ میں...... جنہیں آج وسعت نظری کے تمغے دیئے جا رہے ہیں...... مولانا کا یہ اعزاز کانٹے کی طرح کھٹکتا رہا۔ چنانچہ انہوں نے کچھ عرصہ بعد اپنی ریشہ دوانیوں کے ذریعہ یہ وظیفہ بند کرا دیا۔ مگر مولانا کو اس کی کیا پرواہو سکتی تھی۔

کہ ہے زندگی بازی زاھدانہ

ایک روحانی پیشوا کی طرف سے خلعت فاخرہ

مولانا محمد علی مونگیری کی شخصیت سے ہندوستان کا کون سا لکھا پڑھا شخص ناواقف ہوگا۔ آپ ندوہ کے بانی وناظم، مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کے خلیفہ، بہار کے امیر شریعت اور عیسائیوں کے مقابلے میں ایک بڑے مناظر مصنف تھے۔ مونگیر سے قادیانی فتنہ کے استیصال میں آپ کی مساعی کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ مولانا امرتسری کی حیدرآبادی خدمات سے آپ جس قدر متاثر ہوئے اس کا اندازہ مولانا امرتسری کے اس بیان سے کیا جا سکتا ہے۔

''حضرت ممدوح نے جب حیدرآباد میں خاکسار (یعنی مولانا امرتسری) کی ناچیز خدمات سنیں تو اپنے سر کی خاص پگڑی (شملہ) اور کرتہ کا کپڑا بذریعہ ڈاک پارسل اس خادم کو بھیجا۔ جو بلحاظ مذہبی تقدس کے حیدرآبادی منصب سے زیادہ قابل فخر ہے۔ دونوں (مادی اور روحانی) طرح سے معلوم ہوتا ہے کہ حیدرآباد میں میری خدمات اللہ کے ہاں قبول ہوئی ہیں۔ لہ الحمد۔'' ❷

---

❶ ایضاً ۳۰ رمارچ ۱۹۲۳ء۔ ❷ ایضاً ۲۵ رمئی ۱۹۲۳ء۔

وطن کو مراجعت

دو ماہ کی مسلسل تگ و دو کے بعد مولانا مراجعت فرمائے وطن ہوئے۔ ۱۶/ مارچ ۱۹۲۳ء مطابق ۲۷/ رجب ۱۳۴۱ھ بروز جمعہ صبح ۷/ بجے بمبئی میل سے امرتسر پہنچے۔ اور اسی روز رات کو اپنے محلہ کی مسجد میں لوگوں کے ایک اجتماع کے اندر ایک گھنٹہ تک حیدر آباد اور سکندر آباد کے واقعات کی ''حکایت لذیذ'' بیان کی۔ ❶

قادیان میں چوتھا اسلامی جلسہ اور قادیانیوں کے لیے سامان عبرت

(مارچ ۱۹۲۳ء)

حیدر آباد سے واپسی کے بعد دوسرے ہی دن ۱۷/ مارچ ۱۹۲۳ء یوم سنیچر کی شام کو مولانا امرتسری رحمہ اللہ قادیان روانہ ہو گئے (۳)۔ قادیان میں ۱۷/۱۸/۱۹/ مارچ کو اہل اسلام کا سالانہ جلسہ تھا۔ یہ جلسہ اب کی دفعہ بھی حسب دستور بڑی شان و شوکت کے ساتھ ہوا۔ اور اس دفعہ بھی اہلحدیث اور دیوبندی علماء کا جمگھٹ رہا۔ قادیانیوں نے پہلے سے زیادہ خلل اندازی کی کوشش کی۔ اشتہار بازی بھی کی۔ طرفین سے مناظرہ کے لیے چیلنج اور جوابی چیلنج بھی ہوئے۔ غرض وہ سب کچھ ہوا جو پچھلے جلسوں میں ہوا کرتا تھا۔ ہاں اب کی دفعہ ایک عجیب قدرتی حادثہ پیش آیا۔ جس میں قادیانیوں کے لیے خاصا سامان عبرت تھا۔ مولانا امرتسری لکھتے ہیں۔

''میرے قادیان جانے سے کچھ پہلے ایک واقعہ عجیب رقت انگیز ہوا۔ ایک احمدی لڑکا عبدالرحمٰن لوہار، عمر، شاید ۱۴، ۱۵ سال ہوگا ایک ڈنڈا ہاتھ میں لیے ہوئے گھر سے کہتا ہوا بازار میں نکلا کہ ''یہ ڈنڈا میں ثناء اللہ کے سر پر ماروں گا'' قادیان کی آبادی سے باہر آٹا پیسنے کی ایک مشین ہے۔ عبدالرحمٰن مذکور اسی مشین میں (شاید کسی کام کو) گیا۔ جاتے ہی مشین میں پھنس کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ انا للہ

---

❶ ایضاً ۲۳/ مارچ ۱۹۲۳ء۔ ❷ اہلحدیث امرتسر ۲۳/ مارچ ۱۹۲۳ء۔

مرحوم ایک بیوہ عورت کا لڑکا تھا۔ ہمیشہ اس بیوہ کے حال پر رحم آتا ہے۔ اللہ اس کو تسلی دے اور اس کا کفیل ہو۔ قادیانی دوستو! ان فی ذالک لعبرۃ لمن یخشی. ❶

دہلی ضلع لاہور میں ایک مناظرہ

جلسہ قادیان کے بعد حسب دستور قادیانیت کی تردید کا کام انجام پاتا رہا۔ ۹ر نومبر ۱۹۲۳ء کو موضع دہلی ضلع لاہور میں ایک فیصلہ کن مناظرہ کی نوبت آئی۔ مولانا مدعو کیے گئے۔ مگر آپ کو شدید مصروفیات کے سبب حاضر ہونے کی مہلت نہ تھی۔ اس لیے سید عبدالرحیم شاہ صاحب لکھوی کو اپنے قائم مقام کی حیثیت سے بھیج دیا۔ شاہ صاحب نے بڑی ہوش مندی سے حق نیابت ادا کیا۔ چنانچہ مجلس مناظرہ کے صدر نے ...... جو ایک سکھ، سردار نرائن سنگھ صاحب تھے۔ بڑے دوٹوک الفاظ میں فیصلہ لکھا کہ "ہمارے رائے میں اہلحدیثوں کو کامل فتح ہوئی۔ اور مرزائیوں کو بری طرح شکست ہوئی۔ ❷

(۲۷)

قادیان میں پانچواں اسلامی جلسہ اور مولانا امرتسری کے خلاف جوش تشدد

(اپریل ۱۹۲۴ء)

مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے تحریر و تقریر کے میدان میں جس طرح قادیانیت کی قلعی کھول رکھی تھی۔ اور اس نبوت جدیدہ پر ایمان لانے والے اساطین کو جس طرح بیچ چوراہے پر ننگا کر رکھا تھا اس کے جواب میں ان کے پاس زبان و قلم کے استعمال کی کوئی گنجائش نہیں رہ گئی تھی۔ خلافت کدۂ قادیان سے قادیانیت کی تائید میں جو دلائل نمودار ہوتے تھے۔ مولانا کے قلم سے

---

❶ ایضاً ۳۰ر مارچ ۱۹۲۳ء۔ ❷ ایضاً ۳۱ر دسمبر ۱۹۲۳ء۔

دوسرے ہی دن ان کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیر دی جاتی تھیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قادیانیت کے بڑے بڑے ستون گرنے لگے۔ اہلحدیث کے اکثر شماروں میں متفرقات کے عنوان کے تحت قادیانیت سے توبہ کی رپورٹیں شائع ہونے لگیں۔ اس صورت حال سے قادیانی کیمپ میں بڑی بوکھلاہٹ مچی۔ اور آخر کار قادیانیوں نے وہی روش اپنائی جو ایک ہارا ہوا جواری اپنایا کرتا ہے۔

مولانا امرتسری جہاں دینی قیادت و سیادت کے تخت پر جلوہ نشین تھے۔ وہیں آپ کی سیاسی حیثیت بھی اتنی بلند اور مستحکم تھی کہ ملک کے کسی اہم سیاسی موڑ پر آپ کو نظر انداز کیا جانا ممکن نہ تھا۔ ۱۹۲۳ء کے اواخر میں اسمبلی کے ہندوستانی ممبران کے انتخاب کی مہم زوروں پر تھی۔ امرتسر کے حلقہ سے چودھری ظفر اللہ خاں بھی امیدوار کی حیثیت سے کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں نے ان کے خلاف اشتہارات شائع کیے۔ ان اشتہارات سے مولانا کا کوئی تعلق نہ تھا۔ لیکن قادیانی جانتے تھے کہ مولانا امرتسری، چودھری ظفر اللہ کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ اور آپ کی خاموش کنارہ کشی بھی چودھری صاحب کے الیکشن پر اثر انداز ہوئے بغیر نہیں رہے گی۔ اس لیے دینی اور سیاسی دونوں محاذ پر مسلسل شکست سے نجات حاصل کرنے کے لیے قادیانیوں نے سوچا کہ آپ کی طاقتور اور فاتح شخصیت کو ہمیشہ کے لیے راستہ سے ہٹا دیا جائے۔ چنانچہ ایک صاحب نے آپ کے پاس ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا۔

''مکرمی مولوی ثناء اللہ آپ چودھری ظفر اللہ کے خلاف تقریر کرتے ہیں۔ معلوم ہو کہ اگر آپ نے زبان بند نہ کی تو آپ کو جان سے مارا جائے گا۔'' [1]

مولانا نے حکام بالا کی اطلاع کے لیے یہ خط شائع کر دیا۔ اور اپنی بابت وہی کہا جو ایسے موقع پر ایک پامرد مومن اور نڈر جرنیل کا شعار ہو سکتا ہے۔ فرمایا۔

''یہ امر صرف حکام کی اطلاع کے لیے ظاہر کیا گیا ہے۔ میرے دل پر اس کا کوئی اثر نہیں۔ کیونکہ فرمان الٰہی پر میرا ایمان ہے۔'' وما كان لنفس ان تموت الا باذن الله. [2]

---

[1] اہلحدیث امرتسر ۳۰ر نومبر ۱۹۲۳ء۔ [2] ایضاً ایضاً۔

اس خط کی اشاعت پر ابھی صرف چار ماہ کا عرصہ گزرا تھا کہ یکم ۲/۳/اپریل ۱۹۲۴ء کو قادیان میں حسب دستور اہل اسلام کا جلسہ ہوا۔ جلسہ سابقہ روایات اور سابقہ دھوم دھام کے ساتھ ہوا۔ اور اس کے نتائج واثرات بھی حسب سابق حوصلہ افزا رہے۔ اس لیے ان تفصیلات کو قلمبند کرنے کی تو اب چنداں حاجت نہیں۔ البتہ اس دفعہ قادیانیوں نے جو انتہا پسندانہ اقدام کیا اور جس مقصد کے تحت کیا اس کی تفصیلات لائق ملاحظہ ہیں۔ مولانا لکھتے ہیں۔

(۲/اور ۳/اپریل کی درمیانی شب کو) حسب معمول گیارہ بجے شب کے جلسہ برخاست ہوا۔ واعظین وسامعین اپنے اپنے ڈیروں میں چلے گئے۔ چند مسافر ایسے تھے جو بیچارے بے پناہی کی حالت میں جلسہ گاہ میں پڑے رہے۔ روشنی کے گیس جل رہے تھے۔ یہ بے پناہ گہری نیند سو رہے تھے کہ ایک جماعت لٹھ بند بسر کردگی ممبران کونسل آف قادیان آئی۔ اور آتے ہی پوچھا ثناء اللہ کہاں ہے؟ ان خوابیدہ مسافروں نے بیدار ہو کر کہا۔ یہاں نہیں، بولے بتاؤ کہا ہے؟ انہوں نے کہا اپنے ڈیرے میں ہوں گے۔ مسافروں نے کہا آخر تم لوگوں کو اس وقت ان سے کیا کام ہے؟ بولے ایک اشتہار دینا ہے۔ مسافر بولے، صبح دیدیجئے گا۔ ہمیں کیوں اس وقت تنگ کر رہے ہو۔ اتنا کہنا تھا کہ ٹھاس ٹھاس لکڑی (لاٹھی) چلنے لگی۔ چنانچہ ان نہتے مسافروں میں سے کئی ایک کو سخت چوٹیں آئیں۔ ایک مسافر ابراہیم بٹالوی بیچارے کو بیشمار زخم لگے۔ سر میں جو زخم ہیں ان کی گہرائی تین انچ ہے۔ پولیس تفتیش کر رہی ہے۔ مجروموں اور گواہوں کے بیانوں میں چند سر کردہ ارکان کے نام بھی لیے گئے ہیں۔ جو ماتحتوں کو حکم دیتے تھے۔ سر کردوں میں ہمارے سہ صدی دوست منشی قاسم علی اور موجودہ خلیفہ قادیان کے ماموں میر اسحاق وغیرہ بھی ہیں۔

صبح (۳/اپریل) کے جلسہ میں صاحب مجسٹریٹ نے حکم دیا کہ جلسہ میں کوئی شخص لاٹھی نہ رکھے۔ چنانچہ سب لاٹھیاں لے لی گئیں...... ۳/اپریل کو علمائے احناف تو امرتسر آ گئے۔ اور علمائے اہلحدیث کو موضع بھانبڑی میں دعوت تھی۔ جو قادیان سے قریباً چار میل کے فاصلے پر بجانب مشرق ہے۔ یہ گاؤں سالم اہلحدیث کا ہے...... وہاں ۶/اپریل صبح کے وقت جلسہ ہو رہا تھا کہ معلوم ہوا ایک بڑی جماعت قادیانی لٹھ بند سپاہیوں کی بسر کردگی منشی قاسم علی مارچ کرتی

ہوئی اس گاؤں میں آئی۔ بدلے ہوئے تیور سے ادھر ادھر دیکھنے لگی...... جب قرائن ایسے دیکھے کہ یہاں ہمارے لٹھ کام نہ دیں گے تو اپنا سامنہ لے کر واپس چلے گئے۔''❶

قادیانیوں کا اصل نشانہ تو مولانا امرتسری تھے، جنہیں وہ پا نہ سکے۔ لیکن جن نہتے اور بے گناہ مظلوموں کے خلاف انہوں نے ''دادِ شجاعت'' دی تھی ان کی فریاد رسی کے سلسلے میں مسلمانوں نے غفلت و کوتاہی سے کام نہ لیا۔ ضابطے کی تمام کارروائیاں مکمل کیں۔ لیکن ساڑھے تین ماہ کے طویل اور صبر آزما عرصے کے بعد بھی جب پولیس کی طرف سے کوئی کارروائی سامنے نہ آئی تو مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے ۱۸/ جولائی ۱۹۲۴ء کے ''اہلحدیث'' میں ایک کھلی چٹھی شائع کر کے ڈپٹی کمشنر ضلع گورداسپور کو اس طرف متوجہ کیا۔ آپ کے توجہ دلانے کے بعد ۲۸/ جولائی کو تھانہ دار نے قادیان میں جا کر ملزموں کے بیانات لکھے۔ بعض غیر حاضر تھے۔ ان کی حاضری کے لیے ۱۰/ اگست کی تاریخ مقرر کی۔❷ آخر خان محمود خان سب انسپکٹر بٹالہ نے بڑی سراغ رسانی کے بعد ۲/ ستمبر ۱۹۲۴ء کو حسب ذیل چھ افراد کو گرفتار کر لیا۔ اور ایک ملزم فیض محمد انسپکٹر زمیندارہ بنک کی گرفتاری کا حکم منٹگمری بھیجا۔ چھ افراد یہ ہیں۔

① منشی قاسم علی ایڈیٹر ''فاروق'' قادیان

② میر محمد اسحاق (ماموں خلیفہ) قادیان

③ عبدالعزیز، انسپکٹر احمدی سکول قادیان

④ عبداللہ، کلرک دعوت تبلیغ ⑤ فخرالدین کتب فروش

⑥ عبدالرحمٰن طالب علم ایف، اے۔❸

گرفتاری کے بعد باقاعدہ فوجداری مقدمہ کا آغاز ہوا۔ دس گیارہ ماہ کی طویل تحقیق و تفتیش اور متعدد پیشیوں کے بعد مئی ۱۹۲۵ء میں پانچ افراد بری قرار دیئے گئے۔ اور دو افراد پر فرد جرم عائد کی گئی۔ جنہیں جون ۱۹۲۵ء میں چار، چار ماہ قید کی سزا دی گئی۔❹

---

❶ ایضاً ۱۱/ اپریل ۱۹۲۴ء۔ ❷ ایضاً ۸/ اگست ۱۹۲۴ء۔

❸ ایضاً ۱۲/ ستمبر ۱۹۲۴ء۔ ❹ ایضاً ۲۲/ مئی ۲۶/ جون ۱۹۲۵ء۔

عظمت کردار

اس موقع پر مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے کردار کی عظمت بھی قابل دید وشنید ہے۔ ٹھیک انہیں ایام میں جب کہ مولانا کے خلاف قادیانیوں کا جوش جہاد شباب پر تھا، کابل میں (۳۱/اگست ۱۹۲۴ء) کو ایک قادیانی مبلغ...... مولوی نعمت اللہ...... سنگسار کر دیا گیا۔ ہندوستان میں اس واقعہ کی تفصیلات ابتداء ناقص طور پر پہنچیں۔ قادیانیوں نے شور مچایا کہ محض مذہبی اختلاف کی بناء پر ہمارے ایک مبلغ کے ساتھ یہ رویہ برتا گیا ہے۔ جو انتہا پسندانہ سنگدلی کا آئینہ دار ہے۔ اور عدل وانصاف کی دنیا میں اپنے لیے کوئی وجہ جواز نہیں رکھتا۔ اس موقع پر ہندوستان کے عام علماء نے امیر افغانستان کے اس اقدام کی ستائش کی۔ اور اسے قتل مرتد کے احکام سے تعلق رکھنے والی احادیث کے عین مطابق قرار دیا۔

لیکن عام علماء کی روش کے برخلاف مولانا امرتسری نے...... جو قادیانیوں کے سب سے بڑے حریف اور معتوب تھے...... اس واقعہ پر اظہار تاسف کیا۔ اور علمی اور فقہی دلائل اور شہادات کی بناء پر یہ ثابت کیا کہ قتل مرتد والی احادیث جس سیاق وسباق میں اور جن قیود وشرائط کے ساتھ وارد ہوئی ہیں۔ ان کے مدنظر قادیانی حضرات ان احادیث کی زد میں نہیں آتے۔ اس لیے حکومت افغانستان کا یہ اقدام افغانستانی سیاست کا ایک حصہ تو قرار دیا جا سکتا ہے لیکن اسے شرعی حد یا تعزیر نہیں قرار دے سکتے۔ ❶

مولانا کی عظمت کردار کا یہ کتنا تابناک باب ہے کہ جو دشمن شب وروز آپ کے قتل کی تاک میں ہے۔ آپ اس کی گردن پر لٹکتی ہوئی شمشیر برہنہ کو ہمیشہ کے لیے نیام کے اندر کرا دینا چاہتے ہیں۔ اور اس سلسلہ میں اپنے پرجوش ہمراہیوں کی ملامت کی بھی پروا نہیں کرتے۔ وما یلقھا الا الذین صبروا. وما یلقھا الا ذو حظ عظیم.

---

❶ ایضاً ۳/اکتوبر ۱۹۲۴ء۔

۲۸

لاہور میں ہلچل، جلسے اور مناظرے

(مئی و جون ۱۹۲۵ء)

لاہور (جسے اب پاکستان کا دل کہا جاتا ہے) ایک عرصہ دراز سے دینی اور سیاسی تحریکوں کا مرکز ثقل چلا آرہا ہے۔ یہاں قبوری شریعت کے پیروکاروں کی ایک انجمن ''حزب الاحناف'' ہوا کرتی تھی۔ اس انجمن نے ۲۲/۲۳/۲۴/ مئی ۱۹۲۵ء کو بڑے ہنگامہ خیز دینی جلسے منعقد کئے۔ ان جلسوں کی مختصر روداد یہ ہے کہ مقررین اور صدارت نشینوں نے اپنی دھواں دھار تقریروں میں پورے زور شور سے یہ بات دہرائی کہ سوائے چند پیر پرستوں، تعزیہ پرستوں، غیر اللہ پرستوں اور نذر و نیاز خوروں کے کوئی کلمہ گو مسلمان نہیں۔ سب کافر ہیں۔ یہاں تک کہ مولانا ظفر علی خان کو بھی کافر ٹھہرایا گیا۔ جو مسلمانان ہند کی آنکھوں کا تارہ اور مولانا امرتسری کے الفاظ میں مسلم قوم کی قربان گاہ کا بڑا دنبہ تھے۔ بھلا ایسے کفر ساز حضرات مرزا قادیانی کو کیوں کر بخشتے۔ ان کے پیر جماعت اور مرشد طریقت نے ایک جلسہ میں اعلان کیا کہ ''مرزا کافر ہے۔ جو کوئی اس کو مسلمان ثابت کردے میں اس کو دس ہزار روپیہ انعام دوں گا۔''

اس اعلان کا ہونا تھا کہ قادیانی سورما ہاتھ دھو کر حزب الاحناف کے پیچھے پڑ گئے۔ مگر حزب الاحناف کے ان کفر سازوں میں اتنی لیاقت نہ تھی کہ قادیانیوں سے نمٹ سکیں۔ جس سے عامۃ المسلمین میں ایک اضطرابی لہر چل پڑی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ حضرات تو تکفیر کا شوشہ چھوڑ کر بیٹھ گئے۔ لیکن اس کا خمیازہ عام مسلمانوں کو بھگتنا پڑا۔ قادیانیوں نے چیلنج پر چیلنج دینے شروع کردیئے۔ پھر ۳۰/۳۱/ مئی کو فاتحانہ ناز و انداز اور تزک و احتشام کے ساتھ فروغ قادیانیت کے لیے باقاعدہ جلسے کا انعقاد کیا۔

اس نازک صورت حال کے پیدا کرنے کی ذمہ دار اگرچہ حزب الاحناب تھی جو تمام اہلحدیثوں کو عموماً اور مولانا امرتسری کو خصوصاً کافر بلکہ اکفر قرار دیتی تھی، لیکن جب مسلمانوں پر

اس صورت حال کے مضر اثرات پڑنے کا اندیشہ ہوا تو حزب الاحناف کے بجائے لاہور کی انجمن اہلحدیث نے فوری طور پر ایک جلسہ کے انعقاد کا اہتمام کیا۔ کیونکہ

خلق الله للحروب رجالا

ورجالا لقصعة وثريد

(اللہ نے کچھ لوگوں کو جنگ کے لیے پیدا کیا ہے،

اور کچھ لوگوں کو خوان یغما کے لیے)

یہ جلسہ ۳۱ر مئی ۱۹۲۵ء یوم اتوار کو منعقد ہوا۔ مولانا امرتسری نے تقریر کی پہلے مرزا صاحب کے الفاظ میں ان کے دعوئے ذکر کئے۔ پھر ان کی چند پیشینگوئیوں سے ان کے کذب پر شہادت پیش کی اس ضمن میں آپ نے پیشینگوئی متعلقہ طاعون قادیان اور آخری فیصلہ والے اشتہار کا مفصل تذکرہ کیا۔ اور مرزا صاحب کا کذاب ہونا ثابت کیا۔

قادیانیوں کی طرف سے ایک صاحب منشی محمد دین ملازم شملہ مناظرہ کے لیے پیش ہوئے۔ مگر شیر پنجاب کی ایک ہی جھپٹ میں ان کا کام تمام ہوگیا۔ خلاصہ گفتگو یہ تھا کہ منشی صاحب نے مرزا جی کو ظلی نبی کہا۔ مولانا نے پوچھا کہ ظلی نبی کون ہوتا ہے؟ جواب ملا، جو اصل سے جملہ کمالات حاصل کرے۔ مولانا نے پوچھا جملہ کمالات میں ایک کمال خاتم النبیین ہونا بھی ہے۔ کیا مرزا صاحب کو وہ بھی حاصل تھا؟ منشی صاحب نے خاصے ٹال مٹول کے بعد فرمایا۔ ہاں! مرزا صاحب کو یہ وصف بھی حاصل تھا۔ مولانا نے دریافت کیا کہ جب مرزا صاحب کو ختم نبوت کا کمال حاصل تھا تو انہوں نے یہ کیسے لکھ دیا کہ میرے بعد بھی کئی نبی آسکتے ہیں؟ اس پر قادیانی مناظر اس طرح سٹپٹایا کہ اس سے کوئی جواب نہ بن سکا۔ اسی گھبراہٹ میں اس نے مولانا کے ایک سوال کے جواب میں کہہ دیا کہ ظل الشی اصل ہوتا ہے۔ اس جواب پر اس کی ایسی درگت بنی کہ بے چارے کے لیے خاموشی کے سوا چارہ نہ رہا۔

اس مجلس کے بعد قادیانیوں نے اپنی ناکامی کا داغ دھلنے کے لیے کسی دن مزید بحث کرنے کا تقاضا کیا۔ ادھر سے دیر ہی کیا تھی۔ ۳ر جون ۱۹۲۵ء بروز بدھ کو بیرون موچی دروازہ لاہور میں مجلس مناظرہ منعقد ہوگئی۔ چونکہ اگلے دن سرگودھا میں عیسائیوں سے مناظرہ کا پروگرام

تھا۔اور اس کے لیے مولانا امرتسری کو دس بجے رات میں لاہور سے روانہ ہوجانا ضروری تھا اس لیے قادیانیوں سے مناظرہ کا وقت نماز مغرب کے بعد سے ۱/۲/۹ بجے رات تک طے کیا گیا تھا۔مجلس شروع ہوتے ہی قادیانی مناظر نے خلاف ضابطہ خود پہلے تقریر کرنے پر اصرار کیا۔اور چاہا کہ اسی لے دے میں وقت گذار دے۔مولانا امرتسری اس کا مقصد بھانپ گئے۔فرمایا، میں باتباع حضرت موسیٰ اجازت دیتاہوں کہ آپ ہی پہلے تقریر کریں۔القوا ما انتم ملقون. مولانا کے اس انداز نے مجمع پر ایک عجیب اثر کیا۔مناظرہ شروع ہوا۔اور نتیجہ وہی ہوا جس کی طرف مولانا کے افتتاحی کلمات اشارہ کر چکے تھے۔یعنی فوقع الحق وبطل ما کانوا یعملون. اس کے بعد لاہور میں قادیانیوں کی شورشیں دب گئیں۔اور مسلمانوں کا اضطراب سکون سے بدل گیا۔ ❶

سرگودھا میں

مناظرہ سرگودھا کے ایام میں شمالی سرگودھا کے ایک مقام چک ۹۹ سے کچھ حضرات آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض پرداز ہوئے کہ قادیانیوں نے ہمارے درمیان خاصی اودھم مچارکھی ہے۔آپ مداوا فرمایئے! مولانا خودتو تشریف نہ لیجا سکے،البتہ مولوی محمد امین صاحب مبلغ اہلحدیث کانفرنس کوروانہ کردیا،جنہوں نے بڑی اچھی طرح حق نیابت ادا کیا۔ ❷

مولانا امرتسری رحمہ اللہ کا یہ کمال تھا کہ موصوف نے اپنی سرگرم جدوجہد اور مسلسل تحریرات کے ذریعہ بہت سے مناظر تیار کرلیے تھے۔اور اپنی بے پناہ مصروفیات کے سبب جہاں خود تشریف نہ لیجا سکے تھے وہاں اپنے ان فیض یافتگان کو بھیج دیتے تھے۔اس طرح کے واقعات کثرت سے ملتے ہیں۔لیکن ہم نے بالعموم انہیں نظر انداز کردیا ہے۔

---

❶ تفصیل کے لیے دیکھئے اہلحدیث امرتسر ۵/جون ۱۲/جون ۱۹۲۵ء۔

❷ ایضاً ۱۹/جون ۱۹۲۵ء۔

(۲۹)

قادیان میں چھٹا اسلامی جلسہ

(مولانا امرتسری کی عدم شرکت اور اس کی تلافی)

(جون ۱۹۲۵ء)

۶/۷/۸/ جون ۱۹۲۵ء کو قادیان میں اہل اسلام کا چھٹا سالانہ جلسہ تھا۔ جو اپنی سابقہ روایات کے مطابق انجام پذیر ہوا۔ مولانا امرتسری جلسہائے قادیان کی تحریک کے روح رواں تھے۔ لیکن جب آپ ۴/۵/ جون ۱۹۲۵ء کو عیسائیوں سے سرگودھا میں بڑے پیمانے پر مناظرہ کرنے کے بعد ۶/ جون کو امرتسر واپس پہنچے تو آپ کی مسلسل غیر موجودگی کے سبب دفتری کام اس کثرت سے رکے پڑے تھے کہ آپ کو جلسہ قادیان میں شرکت کی مہلت نہ مل سکی۔ [1]

قادیان کے اس جلسہ میں بعض علماء دیوبند نے مرزا صاحب کے معارف قرآنیہ پر طنز وتعریض کی۔ جس کے نتیجے میں مرزا محمود نے علماء دیوبند کو اپنے بالمقابل تفسیر نویسی اور معارف نمائی کا چیلنج دیا۔ اس چیلنج کو علماء دیوبند سے پہلے مولانا امرتسری نے قبول کر کے مرزا محمود کو میدان میں آنے کے لیے للکارا۔ اور ان کے میدان میں نہ آنے پر مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے ''نکات مرزا'' تحریر فرما کر مرزا صاحب کی نکتہ دانی اور معارف سنجی کا بھانڈا اپنے چوراہے پر پھوڑ دیا۔ [2] اور اس طرح جلسہ قادیان میں آپ کی عدم شرکت سے جو کمی محسوس کی جا رہی تھی وہ زیادہ مکمل طور پر پوری ہوگئی۔

---

[1] دیکھئے اہلحدیث امرتسر ۱۲/ جون ۱۹۲۵ء۔

[2] رسالہ ''نکات مرزا'' کے تعارف کے سلسلے میں اس کی کسی قدر تفصیل آگے آئے گی۔

(۳۰)

میرٹھ میں تاریخی اجلاس اور قادیانیت کی تردید

(اکتوبر ۱۹۲۵ء)

انجمن اہلحدیث میرٹھ و مظفر نگر بہت ہی فعال، حساس اور جذبۂ حیات سے لبریز انجمن تھی۔ اہل باطل کے خلاف اس کے جدوجہد کی داستان طویل بھی ہے اور تابناک بھی ہم نے اپنے موضوع کی مناسبت سے قادیانیت کے خلاف اس انجمن کے بعض ان اقدامات کی طرف اشارے کئے ہیں جن میں مولانا امرتسری رحمہ اللہ کا حصہ رہا ہے۔

اس انجمن نے ۹/۱۰/اور ۱۲/اکتوبر ۱۹۲۵ء کو بہت بڑے پیمانے پر جلسہ عام کا اہتمام کیا تھا۔ اس جلسہ میں ہندوستان کے تمام چیدہ اور اکابر علمائے اہلحدیث کھنچ کھنچ کر جمع ہو گئے تھے۔ اور یہ جلسہ اپنی گوناگوں خصوصیات کے سبب ایک تاریخی جلسہ کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ اس جلسہ کے صدر متفقہ طور پر حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب محدث مبارکپوری رحمہ اللہ منتخب ہوئے تھے۔ اس جلسہ میں قادیانیت کے تعلق سے مولانا امرتسری کا جو حصہ تھا۔ وہ نائب سیکرٹریان انجمن کے الفاظ میں مختصراً یہ تھا۔

''حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے ''اسلام اور دیگر مذاہب'' کے عنوان پر بڑی زبردست اور روح پرور تقریر فرمائی۔ آپ کی تقریر میں اہل اسلام کے علاوہ عیسائی، آریہ سماجی، سناتن دھرمی، قادیانی صاحبان کا امید سے زیادہ عظیم الشان مجمع تھا۔ اور حاضرین بہت ہی محظوظ ہوئے۔ جناب مولانا ثناء اللہ صاحب نے دوسری تقریر ''قادیانی مشن'' پر فرمائی۔ مولانا کو اس فرقہ ضالہ کی تردید میں روز اول ہی سے جو کمال حاصل ہے اس کے بیان کی ضرورت نہیں۔ چاروں طرف سے دوران تقریر میں جزاک اللہ اور مرحبا کی صدا بلند ہو رہی تھی۔ قادیانی صاحبان کی کافی تعداد بھی تقریر میں شریک تھی۔ [1]

---

[1] اہلحدیث امرتسر ۱۱/دسمبر ۱۹۲۵ء۔

پشاور سے گوجرانوالہ تک

(فروری ۱۹۲۶ء)

۱۹۲۶ء کے آغاز ہی میں مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے اپنے سفر حج کے ارادے کا اعلان کر دیا تھا۔ اور اس کے لیے تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ لیکن ان تیاریوں کے ساتھ ساتھ آپ کو رد قادیانیت کے سلسلے میں بھی خاصا مصروف وقت گذارنا پڑا۔ گویا

ہے مشق سخن جاری، چکی کی مصیبت بھی
اک طرفہ تماشہ ہے حسرت کی طبیعت بھی

اس سلسلہ میں پشاور اور گوجرانوالہ کی کارروائیاں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ پشاور کی کارگذاری ایک صاحب محمد امین (غالباً مولوی محمد امین مبلغ آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس) کے الفاظ میں یہ ہے۔

"پشاور میں مرزائیوں نے خفیہ خفیہ اپنا اثر بہت پھیلا رکھا ہے۔ اس لیے وہاں کے مسلمان عرصہ سے متقاضی تھے کہ مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب تشریف لائیں۔ چنانچہ ۱۵/فروری ۱۹۲۶ء کو موصوف کے ساتھ میں بھی پشاور پہنچا۔ گجرات سے حافظ عنایت اللہ صاحب بھی پہنچ گئے۔ مولوی بہرام خان مبلغ اہلحدیث کانفرنس پہلے ہی سے وہاں تھے۔ ۱۶/ ۱۷/ ۱۸/ (فروری ۱۹۲۶ء) کو صدر پشاور میں تقریریں ہوئیں۔ اور ۱۹/ کو اسلامیہ کلب شہر پشاور میں۔ اور ۲۰/ کو مسجد مہابت خان میں۔ مولانا صاحب کی تقریر خاص مسئلہ توحید پر ہوئی۔ دو تقریریں قادیانی مشن پر ہوئیں۔ جن سے مرزائی کیمپ میں زلزلہ پڑ گیا۔

مرزائیوں نے مولانا کی توجہ پھیرنے کے لیے ایک اشتہار دیا کہ مولوی ثناء اللہ ہمارے سامنے موکد بعذاب حلف اٹھائیں۔ جس کے بعد ایک سال کے اندر اگر مر جائیں تو ہم (مرزائی) سچے۔ اور بعد مریں تو وہ سچے مولانا صاحب نے فرمایا یہ مضمون کوئی نیا نہیں۔ میں

جہاں جاتا ہوں مرزائیوں کی طرف سے یہی مضمون نکلتا ہے۔ میں اس کا جواب یہ دیا کرتا ہوں کہ ہر مقام کے مرزائیوں سے تو میں ایسی حلف خوری نہیں کرسکتا۔ کیوں کہ یہاں والوں سے کروں تو سال بعد راولپنڈی والے یہی کہیں گے۔ وہاں کروں تو سال بعد جہلم والے کہیں گے۔ پھر لاہور والے وغیرہ۔ اس لیے اگر تم کو اپنی راستی پر اعتماد ہے تو میاں محمود خلیفہ کو سامنے لاؤ۔ تاکہ فیصلہ تمام ہو سکے۔ کیونکہ وہ مرزا صاحب کا قائم مقام ہے۔ ورنہ خالی خولی حلف دلانا چاہتے ہو تو قادیان میں حلف اٹھا چکا ہوں جس کا ذکر تمہارے اخبار الفضل مورخہ ۴/ اپریل ۱۹۲۱ء میں موجود ہے۔ مرزائیوں نے اس تجویز کو منظور نہ کیا۔ مگر اہل شہر حاضرین نے بہت معقول سمجھا۔

الحمدللہ ہم بخیریت ۲۰/۲۱ کی درمیانی شب کو چل کر ۲۱ کو بوقت عصر امرتسر پہنچے۔ [1]

لیکن ابھی امرتسر میں سکون سے بیٹھے بھی نہ تھے کہ گوجرانوالہ کے لیے رخت سفر باندھنا پڑا۔ وہاں ۲۷/۲۸/ فروری ۱۹۲۶ء کو انجمن اہلحدیث کا سالانہ جلسہ تھا۔ جس میں پہلے دن عیسائیوں سے اور دوسرے دن قادیانیوں سے بڑے زبردست پیمانے پر مناظرے ہوئے۔ حاضری آٹھ دس ہزار سے کم نہ تھی۔ مولانا عبدالمجید خادم لکھتے ہیں۔

”دوسرے دن (۲۸/ فروری ۱۹۲۶ء کو) مولانا نے ختم نبوت پر تقریر فرمائی۔ جس پر مرزائیوں کو مناظرے کے لیے وقت دیا گیا۔ مرزائیوں کی طرف سے مولوی غلام احمد قادیانی پیش ہوئے۔ مگر وہ تو مولانا استدلال چھوڑ آپ کے انداز بیان اور طرز کلام ہی سے ایسے حواس باختہ ہوئے کہ کوئی معقول بات ہی نہ کر سکے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چھ مرزائی بھرے جلسہ میں مرزائیت سے تائب ہو کر مشرف باسلام ہو گئے۔ اور اس مناظرہ کا اثر نہ صرف اہل شہر پر بلکہ قرب وجوار کے لوگوں پر بھی بہت ہی اچھا رہا۔ [2]

گوجرانوالہ کی قادیانی جماعت نے بھی پشاوری قادیانیوں والا ہتھیار استعمال کیا۔ یعنی مرزا کے کذب پر موکد بعذاب حلف کے مطالبہ والا پشاوری اشتہار اپنے نام سے شائع کر کے مولانا

---

[1] اہلحدیث امرتسر ۲۶/ فروری ۱۹۲۶ء۔

[2] سیرت ثنائی ص ۳۳۳، ۳۳۴، نیز دیکھئے اہلحدیث امرتسر ۲۳/ اپریل ۱۹۲۶ء ص ۷۔

سے حلف کا مطالبہ کیا۔ اس کے جواب میں مولانا نے علاوہ سابقہ جواب کے بھرے جلسہ میں کذب مرزا پر حلف اٹھالی۔ اور اس طرح ان کا یہ تیر بھی اوچھا گیا۔ ❶ مگر قادیانیوں کی وہ غالیانہ باطل پرستی ہی کیا جو دیانت وسلامت روی کی راہ اختیار کرلے۔ چنانچہ ابھی آپ نے گوجرانوالہ میں تازہ بتازہ قسم کھائی ہی تھی کہ ریاست پٹیالہ سے ۹/ مارچ سنہ مذکورہ کو قادیانیوں کا ایک خط پہنچا۔ جس میں موکد بعذاب حلف کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ آخر کار مولانا نے اہلحدیث ۲/ اپریل ۱۹۲۶ء کی اشاعت میں ''آخری جواب'' کے عنوان سے ایک اداریہ سپرد قلم کیا۔ اور پچھلے تمام خدائی فیصلوں اور قادیان، حیدرآباد دکن، اور گوجرانوالہ میں کھائی ہوئی موکد بعذاب قسموں اور حلفوں کا بقدر ضرورت تذکرہ کرکے اپنا آخری جواب شائع کردیا۔ جواب کا عنوان ہی یہ تھا ''اللہ کی قسم میں مرزا صاحب قادیانی کو الہامی دعویٰ میں سچا نہیں جانتا۔'' اس طرح مولانا نے قادیانی کیمپ سے اچھالی جانے والی ''موکد بعذاب'' حلف کی گیند خود انہیں کیمپ میں پھینک گرائی۔ اور مرزا صاحب کے صدق وکذب کے جانچنے کا یہ قادیانی معیار بھی دنیا والوں کے سامنے مرزا جی کے کذب کی ایک علامت پیش کرگیا۔

سرزمین مونگیر میں

(مارچ ۱۹۲۶ء)

گوجرانوالہ سے امرتسر پہنچتے ہی مولانا نے ایک طویل سفر کے لیے رخت سفر باندھا۔ ۲/ مارچ ۱۹۲۶ء کو امرتسر سے نکلے۔ اور ۲۲/ مارچ کو واپس ہوئے۔ سفر کے پروگرام کی مختصر داستان یہ ہے کہ آپ نے پہلے بنارس میں نزول فرمایا۔ وہاں دو تقریریں ہوئیں۔ پھر دہلی اور بنارس کے ممبران اہلحدیث کانفرنس کے ہمراہ ۵/ مارچ کو چھپرہ وارد ہوئے۔ جہاں ۵/۶/۷/ مارچ ۱۹۲۶ء کو آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کا تیرہواں کل ہند اجلاس تھا۔ چھپرہ کے

---

❶ اہلحدیث ۲/ اپریل ۱۹۲۶ء۔

بعد مدرسہ احمدیہ سلفیہ دربھنگہ کے جلسہ مذاکرۂ علمیہ میں تشریف لے گئے اور وہاں تین تقریریں کیں۔ ۱۰ مارچ کو دربھنگہ سے کلکتہ کے لیے روانہ ہوئے۔ ۱۱ کی صبح کلکتہ پہنچے اور جمعیۃ العلماء کے چار روزہ کل ہند اجلاس منعقدہ ۱۱ تا ۱۴ مارچ میں شرکت کی۔ اس دوران جماعتی خدمات بھی انجام دیتے رہے۔ کلکتہ سے واپس ہوتے ہوئے مونگیر اترے۔ مونگیر کی اہمیت تین وجوہات کی بنا پر سے خاصی زیادہ تھی۔

① یہ مولانا محمد علی مونگیری رحمہ اللہ بانی تحریک ندوۃ العلماء اور ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء کا مسکن اور وطن تھا۔

② یہاں قادیانیوں نے بڑی طاقتور حیثیت اختیار کر رکھی تھی جس کی وجہ سے مولانا امرتسری رحمہ اللہ بار بار مدعو کیے جا رہے تھے، لیکن ابھی تک پہنچ نہ سکے تھے۔

③ مولانا محمد علی مونگیری نے اسلام دشمن فرقوں کے خلاف خاصا کام کیا تھا۔ اور مقامی طور پر فتنہ قادیانیت کے توڑنے میں ان کی مساعی کو بڑی اہم حیثیت حاصل تھی۔ اس طرح مولانا امرتسری اور مولانا محمد علی مونگیری کے مزاج میں بڑا تناسب و توافق پایا جاتا تھا۔ اور غالباً مولانا مونگیری نے اپنی اسی افتادِ طبع کے باعث مولانا امرتسریؒ کے حیدر آبادی کارناموں سے متاثر ہو کر انہیں اپنی خلعت خاص سے نوازا تھا۔ جو ان کی قدردانی اور حسن عقیدت کی کھلی علامت ہے۔

بہر حال مولانا امرتسری مونگیر وارد ہوئے۔ آپ کے اپنے الفاظ میں یہاں کی کیفیت مختصراً یہ ہے۔

"مونگیر میں حضرت مولانا محمد علی صاحب بہت پرانے بزرگوں میں ہیں۔ عرصہ سے آریہ اور قادیانی تحریکات کے لیے مجھے بلاتے تھے۔ مگر میں نہ جا سکتا تھا۔ گو مولانا ابراہیم سیالکوٹی اور مولانا ابو القاسم بنارسی ایک دو دفعہ ہو آئے تھے جن کو میں نعم البدل جانتا تھا۔ مگر مولانا کا تقاضا کم نہ ہوا۔ اب جو کلکتہ گیا تو خیال ہوا کہ مونگیر بھی ہوتے چلیں۔ چنانچہ ۱۷ مارچ کو مونگیر پہنچا اور ۱۹ تک وہاں رہا۔ تین وعظ مونگیر میں اور ایک جمال پور مسجد اہلحدیث میں ہوا۔ جن میں

توحید وسنت کے علاوہ آریوں اور قادیانیوں کا ذکر بھی کافی ہوا۔ مونگیری احباب کی محبت دل میں لے کر سیدھا دہلی روانہ ہوا۔ ۲۱ر کا دن دہلی میں گذار کر ۲۲ر مارچ کو صبح امرتسر پہنچا۔ [1]

حجاز مقدس میں

(۱۹۲۶ء)

۱۹۲۶ء کے وسط میں مولانا امرتسری حج کے سلسلہ میں سرزمین حجاز میں ورود فرماتھے۔ مشاہدات حجاز کے دوران بطلان قادیانیت کا ثبوت اس دور افتادہ اور مقدس زمین سے بھی فراہم کیا۔ چنانچہ آپ نے وہاں سے ایک مضمون بھیجا۔ اس کے ضمن میں آپ کا ارشاد ہے۔

''مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا اعلان ہے کہ مسیح موعود (یعنی مرزا صاحب) کی صداقت کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں جو ارشاد ہے **واذا العشار عطلت** (اونٹ بیکار چھوڑ دیئے جائیں گے) وہ زمانہ آگیا ہے۔ کیونکہ اونٹ سب بیکار ہوگئے ہیں۔

یہاں یہ حالت ہے کہ ساحل جدہ پر اترتے ہی اونٹوں کی ضرورت ہوئی۔ سینکڑوں ہزاروں اونٹ، مسافران حجاز کو مکہ معظّمہ اور وہاں سے مدینہ منورہ لیے جا رہے ہیں۔ جو زبان حال سے کہتے ہیں کہ جناب مرزا صاحب قادیانی اپنے دعویٰ میں صادق نہ تھے۔ ورنہ ہم اس حال میں نہ ہوتے۔

مکہ معظّمہ میں رسالہ ''المنار'' مصر دیکھنے میں آیا۔ جس میں ایک مضمون قادیانی تردید میں تھا۔ اس کے دیکھنے سے میرے دل کی وہی کیفیت ہوئی جو کسی شاعر نے کہا ہے۔

گدگدی اٹھتی ہے دل میں پارسا کو دیکھ کر ناممکن ہے کہ میں قادیانی مضمون دیکھوں اور دخل نہ دوں۔ چاہے مکہ معظّمہ میں ہوں یا مدینہ منورہ میں۔ چنانچہ فوراً ایک مضمون عربی زبان میں لکھ کر ایڈیٹر حضرت الفاضل سید رشید رضا صاحب کو دیدیا۔''

---

[1] اہلحدیث امرتسر ۲۶ر مارچ ۱۹۲۶ء۔

اس کے بعد مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے وہ مضمون درج فرمایا ہے جو آخری فیصلے کے ضروری حصے کے اقتباس اور اس کے نتیجے کی تفصیل پر مشتمل ہے۔ ❶

(۳۴)

حالات میں اتار چڑھاؤ اور اس کے اثرات

(۱۹۲۶ء تا ۱۹۲۸ء)

حج سے واپسی کے بعد مولانا کی سرگرمیاں پھر جسب سابق شروع ہوگئیں۔ مناظروں میں مسلسل شکست خوردگی کے سبب قادیانیوں کے حوصلے ٹوٹ رہے تھے۔ اور انہوں نے اس محاذ سے پسپائی اختیار کرنی شروع کردی تھی۔ اس لیے اب مولانا کی زیادہ تر خدمات، عام جلسوں کے ذریعہ انجام پاتی تھیں۔ ان جلسوں کی تعداد زیادہ ہے اور تفصیلات اہم۔ تنہا اکتوبر و نومبر ۱۹۲۶ء میں سیالکوٹ، کوٹلی لوپاران منٹگمری، ملتان، وزیر آباد اور مالیر کوٹلہ وغیرہ میں بڑے پیمانے کے جلسوں کا ذکر ملتا ہے۔ اور ان جلسوں کی ایک خصوصیت یہ نظر آتی ہے کہ مولانا امرتسری کے پہلو بہ پہلو اسلام کے پرجوش خادم، شعلہ بار صحافی اور ہنگامہ خیز مقرر مولانا ظفر علی خان ایڈیٹر اخبار زمیندار لاہور بھی ان جلسوں میں رونق پذیر نظر آتے ہیں۔

کہیں کہیں قادیانیوں کے ساتھ ایک آدھ مباحثہ کی تفصیلات بھی ملتی ہیں۔ مثلاً منٹگمری میں ۶/۵/۷ نومبر ۱۹۲۶ء کو جو عظیم الشان جلسے ہوئے۔ اور جن کی ایک نشست میں مولانا نے معیار نبوت پر مدلل اور پرمغز تقریر فرما کر قادیانی نبوت کے بخیئے ادھیڑے اس میں ایک صاحب نے سوال و جواب کی کوشش کی۔ اور کچھ دیر تک بحث و مباحثہ بھی ہوا۔ لیکن اب قادیانیوں میں پہلا سا دم خم باقی نہیں رہ گیا تھا۔ اس لیے مباحثہ کی نوبت کم ہی آرہی تھی۔ اسی دوران کئی ایسے اسباب پیدا ہوگئے۔ جنہوں نے مناظروں کی شدت اور رفتار میں خاصی کمی پیدا کردی۔ ان اسباب کا مختصر خاکہ یہ ہے۔

---

❶ دیکھئے اہلحدیث ۲۵/جون ۱۹۲۶ء۔

① یہی وہ عبرتناک دور ہے۔ جب خود قادیان میں ایک نیا طوفان اٹھا۔ خلیفہ قادیان مرزا بشیر الدین محمود اور ارکان خلافت واعیان جماعت کے درمیان خانہ جنگی شروع ہوئی۔ اور بڑے گھناؤنے قسم کے کردار سے پردے ہٹنا شروع ہوئے۔ خلیفہ صاحب کے کریکٹر کے ایسے ایسے پہلو طشت از بام ہوئے جن کا تصور ایک عام راست باز انسان کے بارے میں بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس خانہ جنگی نے زور اور طول پکڑا۔ اشتہار بازی سے آگے بڑھ کر معاملات، عدالت تک پہنچے۔ پھر حرب وضرب کی نوبت آئی۔ ان حالات میں خلیفہ قادیان اور ان کے حواریوں کو پبلک کے سامنے آنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ اس طرح وہ طوفان بحث وجدال جو ایک عرصہ سے سرزمین پنجاب میں قادیانیوں اور مسلمانوں کے درمیان برپا تھا۔ اس نے ایک بالکل ہی دوسرا رخ اختیار کرلیا۔ اور بحث ومناظرہ کے تلاطم خیز سمندر کی سطح پر سکون کے آثار ہویدا ہونے لگے۔

② ملک کی سیاسی فضا جو ایک عرصہ سے تغیر پذیر تھی۔ اور ہندو مسلم کشیدگی، بلوے اور فسادات جن کا آغاز کافی عرصہ پہلے سے ہو چکا تھا۔ اب انہوں نے ایسا رخ اختیار کیا کہ ملک کے عام باشندوں کی دلچسپیاں مذہبی مناظروں اور مباحثوں سے ہٹ گئیں۔ انہیں ملک اور بیرون ملک کے نئے نئے پر پیچ مسائل کو سمجھنے اور اس کی گتھیاں سلجھانے کی صورت متعین کرنے یا کم از کم اس کی روشنی میں اپنا طریق کار اور موقف متعین کرنے اور اس کے مطابق قدم اٹھانے میں زیادہ مزہ آتا تھا، مذہبی کشاکش کی فضا پر سیاسی کشاکش کی فضا کے اس غلبہ نے بھی مناظرات کی شدت کم کرنے میں خاصا موثر رول ادا کیا۔

ان اسباب کے نتیجے میں تقریباً ڈھائی برس تک قادیانیوں کی مناظرہ بازی کی مہموں کا پتہ نہیں چلتا۔ لیکن جب ان کی خانہ جنگی کے نتیجہ میں عمل جراحی مکمل ہو گیا۔ خلیفہ صاحب کے مخالفین یا تو مسلمانوں سے جا ملے، یا لاہوری پارٹی میں شامل ہو گئے۔ اور خلیفہ صاحب کے گرد صرف ان کے مخلص مریدوں کی جماعت رہ گئی تو انہوں نے پھر اپنی سابقہ سرگرمیاں شروع کر دیں۔ اور مناظرات ومباحثات کے اکا دکا واقعات کا آغاز ہونے لگا۔ چنانچہ ۱۹، ۲۰/ نومبر ۱۹۲۸ء کو سیالکوٹ میں کچھ چھیڑ خانی ہوئی۔ لیکن قادیانی حضرات نے کسی مباحثہ کے بغیر ہی

رخصت اختیار کرلی۔ [1] پھر ۲۳/۲۴/دسمبر ۱۹۲۸ء کو دسمبر ۱۹۲۸ء کو جہلم میں ایک ہلکا سا مباحثہ ہوا۔ مولانا نے قادیانی مناظر کے ایک سوال کے جواب میں خود مرزا صاحب کی تصنیف کا ایسا دو ٹوک حوالہ پیش کیا کہ بیچارہ مبہوت ہو کر رہ گیا۔ اور معمولی سی زدوخورد کے بعد اس نے ہتھیار ڈال دیئے۔ [2] البتہ اس دوران پٹھان کوٹ میں ایک اہم مناظرہ پیش آیا۔ جس کی تفصیل اگلی سطور میں پیش خدمت ہے۔

۳۵

مناظرہ پٹھان کوٹ

(نومبر ۱۹۲۸ء)

اس مناظرہ کی جو روداد ملتی ہے اس سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ اس کی بنیاد کیونکر پڑی؟ اور اس کے عوامل واسباب کیا تھے؟ لیکن روداد نویس نے جو تفصیلات قلمبند کی ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مناظرہ بڑا ہی اہم اور فیصلہ کن تھا۔ اس کا سلسلہ دو دن تک قائم رہا۔ اور ہر دن دو دو اجلاس ہوئے مسلمانوں کی طرف سے کئی بڑے بڑے عالم پیش ہوئے، جو مختلف مجلسوں میں باری باری مناظرہ کرتے رہے۔ مناظرہ ۲۴/۲۵/نومبر ۱۹۲۸ء کو تھا۔

"دوسرے روز کے پہلے اجلاس میں مسلمانوں کی طرف سے فاتح قادیان مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری اور مرزائیوں کی طرف سے مولوی اللہ دتہ جالندھری پیش ہوئے۔ فاتح قادیان نے مسیح موعود کے متعلق احادیث سے ثابت کیا کہ آپ فج الروحاء سے احرام باندھ کر تلبیہ وتہلیل کرتے ہوئے حج بیت اللہ فرمائیں گے۔ نیز آپ بعد وفات مقبرہ رسول پاک میں...... جہاں آپ کے ہر دو مصاحب، حضرت ابوبکر صدیق وعمر فاروق رضی اللہ عنہما مدفون ہیں...... دفن ہوں گے اور پھر قیامت میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب کرام کے ہمراہ مقبرہ مبارکہ سے اکٹھے اٹھیں گے۔ چونکہ مرزا قادیانی کو نہ حج بیت اللہ نصیب ہوا۔ نہ مدینہ منورہ میں مقبرہ رسول میں دفن

---

[1] اہلحدیث امرتسر ۷/دسمبر ۱۹۲۸ء۔ [2] ایضاً ۴/جنوری ۱۹۲۹ء۔

ہوئے۔ اس لیے مسیح موعود نہ تھے۔

مولانا نے مقبرہ رسول کا ایک نقشہ بھی کتاب ''وفاء الوفا'' سے دکھایا۔ جس میں قبر مسیح کے لیے جگہ چھوڑی ہوئی ہے۔ مولانا کے ان دلائل کا کوئی جواب مرزائی مناظر سے نہ بن پڑا۔

غرض مناظرہ کا خاتمہ اہل اسلام کی شاندار فتح اور مرزائیوں کی شرمناک شکست پر ہوا۔ ہر دو روز ہجوم خلق بیشمار رہا۔ اور دور دور سے لوگ مناظرہ سننے کے لیے آئے تھے۔ اہل اسلام کے علاوہ آریہ وعیسائی صاحبان بھی کثرت سے موجود تھے۔ [1]

۳۶

مسوری سے راولپنڈی تک

(اگست، ستمبر ۱۹۲۹ء)

۹ / ۱۰ / ۱۱ / ۱۲ / اگست ۱۹۲۹ء کو اہل مسوری نے بڑے اہتمام کے ساتھ چار روزہ اجلاس منعقد کیا۔ اور ملک کے نامور اکابر علماء کو دعوت دی۔ مولانا امرتسری بھی جلوہ افروز ہوئے۔ حالات کا تقاضا تھا کہ جو اسلام دشمن طاقتیں اندرون ملک اسلام کو تہ وبالا کرنا چاہتی ہیں ان کی حقیقت طشت از بام کی جائے۔ اس کے لیے قرعہ فال مولانا امرتسری کے نام ہی نکل سکتا تھا۔ آپ نے تین تقریریں کیں رپورٹر رقمطراز ہے۔

''جناب مولانا ثناء اللہ صاحب شیر پنجاب کی ''عیسائی مشن'' قادیانی مشن اور ''دین فطرت'' کے عنوان سے مدلل تقریریں ہوئیں۔ اور صاف طور پر ثابت کردیا کہ عیسائیت کے اصول ایسے خلاف عقل ہیں جن کو ماننے کے لیے کوئی صاحب عقل تیار نہیں...... مرزا غلام احمد صاحب نے جو ثبوت نبوت کے اپنے الہامات میں پیش کیے (آپ نے ان کو معیار قرار دے کر) دلائل سے ثابت کردیا کہ مرزا صاحب نبی تو کیا ایک معمولی سچے انسان کہلانے کے قابل نہیں۔ [2]

---

[1] اہلحدیث امرتسر ۱۵/ فروری ۱۹۲۹ء۔ [2] اہلحدیث امرتسر ۴/ اکتوبر ۱۹۲۹ء مختصراً۔

مسوری سے واپس ہوتے ہوئے مولانا نے ضلع انبالہ میں نزول فرمایا۔ وہاں ابھی آپ مصروف ہی تھے کہ راولپنڈی کا رخ کرنا پڑا۔ کیونکہ راولپنڈی میں قادیانی حضرات کی شورش تبلیغ فزوں تر ہو رہی تھی۔ اہل اسلام کی طرف سے مولانا کا پے در پے بلاوا ہو رہا تھا۔ اور ۲۸ ستمبر ۱۹۲۹ء کو مسلمانوں کا اجلاس عام تھا۔ مولانا نے اجلاس میں شرکت کی۔ اور دوسرے دن ۲۹ ستمبر ۱۹۲۹ء کو خان صاحب شیخ محمد اسمٰعیل آنریری مجسٹریٹ کے مکان پر صبح نو بجے مناظرہ کے لیے مجلس منعقد ہوئی۔ لیکن فریقین (قادیانیوں اور مسلمانوں) نے ایک دوسرے کی گلہ گزاریاں شروع کر دیں۔ جو سب کی سب مقامی تھیں۔ اس لیے مناظرہ کا وقت موخر کر کے ۳ بجے سے ۴ بجے تک رکھا گیا۔

وقت مقررہ پر مناظرہ شروع ہوا۔ مولانا نے سوال اٹھایا کہ ''مرزا صاحب نے دانیال نبی کی پیشگوئی اپنے حق میں لکھی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ مسیح موعود ۱۳۳۵ھ تک زندہ رہے گا۔ اور مرزا صاحب نے اپنی الہامی عمر بھی اسی کے مطابق بتائی ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ موصوف بجائے ۱۳۳۵ھ کے ۱۳۲۶ھ میں فوت ہو گئے۔ نو سال پیشتر کیوں؟

اس کے جواب کے لیے قادیانی مناظر نے بڑی ہیرا پھیری کی۔ اور بہت کچھ ہاتھ پاؤں مارے۔ لیکن وہ مولانا کے پنجہ گرفت میں اس طرح جکڑا رہا کہ بالآخر اسے اعتراف کرنا پڑا کہ ''ملہم کا الہام کوئی حجت نہیں'' اس پر مولانا نے فرمایا کہ ''اگر ملہم کا الہام حجت نہیں تو قصہ ہی ختم ہے۔ اگر یہ الہام حجت نہیں تو وہ الہام بھی حجت نہیں جس میں ذکر ہے کہ انا جعلناک المسیح الموعود یعنی خدا نے مرزا صاحب کو الہام کیا ہے کہ اے مرزا ہم نے تجھ کو مسیح موعود بنایا۔ یہ بھی حجت نہیں۔ اور اس کا غلط ہونا بھی باعث تعجب نہیں تو جانے دیجئے۔ سارے قصے ختم۔ ہاتھ لائیے مصافحہ کریں۔''

اتنے میں ساڑھے چار بج گئے۔ قادیانی مناظر نے اپنے جلسہ کا عذر کیا جس کی بابت چار بجے کا اشتہار تھا۔ اور مالک مکان نے دیر ہو جانے کا عذر کیا۔ اس لیے جلسہ برخاست ہو گیا۔ [1]

---

[1] ایضاً ۱۱ اکتوبر ۱۹۲۹ء۔

منٹگمری میں جلسہ ومناظرہ اور ’’ذلت کی بارش‘‘

(اکتوبر ۱۹۲۹ء)

مناظرہ راولپنڈی کے صرف تین ہفتہ بعد منٹگمری میں انجمن اہلحدیث کی طرف سے ایک تبلیغی اجتماع ہوا۔ قادیانی امت کی شامت آئی تو انہوں نے یہاں بھی مناظرہ کے لیے قدم اٹھالیا۔ اور موضوع بحث وہی ’’نکتہ لطیف‘‘ رکھا جس پر راولپنڈی میں طبع آزمائی ہو چکی تھی۔ مولانا امرتسری ایک عنوان ’’ذلت کی بارش‘‘ کے تحت مباحثہ راولپنڈی کی روداد کے تذکرہ کے دوران ضمناً لکھتے ہیں۔

’’جلسہ تبلیغ منٹگمری ۲۰؍ اکتوبر کو جلسہ میں مباحثہ ہوا۔ جس میں قادیانی پارٹی مقابل تھی۔ اس مباحثہ کی کیفیت دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ قادیانی پارٹی ایسی پھنسی کہ ’’نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔‘‘ ❶

چونکہ موضوع بحث وہی دانیال نبی کی پیشینگوئی، اور مرزا صاحب کے اپنے الہام کے مطابق ان کی قبل از وقت وفات کا معاملہ تھا اس لیے اس مناسبت سے مولانا امرتسری ’’چیلنج‘‘ کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔

’’ہماری دعویٰ ہے کہ ہمارے اس مواخذہ کا جواب امت مرزائیہ کی دونوں بلکہ تینوں بلکہ چاروں پارٹیاں، پنجابی، پوربی، بنگالی، دکنی یا برمی مل کر بھی نہیں دے سکتیں۔ دے سکتی ہوں تو اپنے امیر اور خلیفہ سے اجازت لے کر ہم سے باقاعدہ مباحثہ کر لیں۔‘‘ ❷

مولانا کے اس غیرت خیز چیلنج اور حمیت انگیز للکار کے جواب میں قادیانی کیمپ پر تقریباً سال بھر تک سکتہ طاری رہا۔ اور یہ مخصوص موضوع کیا معنی بلکہ کسی بھی موضوع پر گفتگو کرنے کے لیے وہ لوگ سامنے نہ آئے۔

---

❶ اہلحدیث امرتسر یکم نومبر ۱۹۲۹ء۔ ❷ ایضاً ایضاً۔

۳۸

موضع مونگ ضلع گجرات میں مناظرہ

(اکتوبر ۱۹۳۰ء)

ضلع گجرات (مغربی پنجاب پاکستان) میں ایک قصبہ ہے مونگ۔ یہاں مرزائی حضرات نے بڑی شورش مچا رکھی تھی۔ جس کے دفعیہ کے لیے ۱۱/اور ۱۲/ اکتوبر ۱۹۳۰ء کو بڑے زبردست پیمانے پر مناظرہ ہوا۔ کل تین مجلسیں ہوئیں۔ پہلی اور دوسری مجلس کے اسلامی مناظر مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی رحمہ اللہ تھے۔ موضوع بحث علی الترتیب ''حیات مسیح'' اور ''ختم نبوت'' تھا۔ مولانا سیالکوٹی کی گرفت سے مرزائی مناظر اس طرح زچ ہوئے کہ خاموشی کے سوا کوئی راہ نہ مل سکی۔

تیسرا مباحثہ ''صداقت مرزا'' کے موضوع پر ہوا۔ اسلامی مناظر مولانا امرتسری تھے۔ مولانا نے مرزائی مناظر کی تقریر کے جواب میں ابتداء ایک ایسی تمہید بیان فرمائی جو بقول نامہ نگار کے ''سارے مباحثہ کی جان اور مرزائی نزاع کے لیے بم کا گولہ تھی۔'' تمہید کے بعد آپ نے ۱۵/ اپریل ۱۹۰۷ء کے ''آخری فیصلہ'' والے اشتہار کو اور اس کے بعد آسمانی نکاح اور سلطان محمد کی موت سے متعلق مرزا صاحب کی پیشینگوئیوں کو بحث کی خراد پر چڑھا دیا۔ مرزائی مناظر ہر سہ مسائل میں قطعی لاجواب ہوگیا۔ نامہ نگار لکھتا ہے کہ ''یہ مناظرہ ہر طرح سے ابر رحمت ثابت ہوا۔'' الحمد للہ۔ [1]

---

[1] اہلحدیث امرتسر ۲۴/ اکتوبر ۱۹۳۰ء۔

بٹالہ میں جلسہ اور مناظرہ

(نومبر ۱۹۳۰ء)

۱۵ر نومبر ۱۹۳۰ء کو بٹالہ میں اسلامی جلسہ ہوا۔ ۱۹۲۷ء میں قادیان کے اندر جو بلوے اور فسادات ہوئے اس کے بعد وہاں اسلامی جلسوں کے انعقاد کا تذکرہ نہیں ملتا۔ غالباً حکومت کی طرف سے رکاوٹ ہوگئی ہوگی۔ پھر کچھ برسوں کے بعد انعقاد کا تذکرہ ملتا بھی ہے۔ تو اس شکل میں کہ پنجاب کی ہنگامہ خیز سیاسی پارٹی ''احرار'' کے زیر سایہ اور زیر انتظام، جس سے مولانا امرتسری کسی حد تک کنارہ کش رہتے تھے۔ ہاں قادیان میں جلسے کی بندش کے ساتھ ہی بٹالہ میں بڑے پیمانے پر جلسوں کے انعقاد کا تذکرہ آتا ہے۔ اس لیے غالباً بٹالہ میں یہ جلسے قادیان کے بدل کے طور پر منعقد ہوا کرتے تھے۔ بٹالہ اور قادیان کے درمیان صرف ۱۱ر میل کا فاصلہ ہے اس لیے ۱۵ر نومبر کے مذکورہ اجلاس میں قادیان اور گردو پیش سے لوگ بہت بڑی تعداد میں حاضر رہے۔ قادیانیوں کو تبادلہ خیال کا موقع دیے جانے کا اعلان تھا۔ مولانا امرتسری نے اسلام اور قادیان کے موضوع پر بڑی پر زور تقریر کی۔ اس کے بعد ایک گھنٹہ مباحثہ ہوا۔ نامہ نگار لکھتا ہے۔

''مباحثہ کیا تھا؟ قادیان تک اس سے زلزلہ پڑا ہوگا۔ قادیانی مناظر مع اپنے ہمراہیوں کے ہر فقرہ پر گرتا جاتا تھا۔ پبلک نے بیک آواز تسلیم کیا کہ اہلحدیث کی فتح ہوئی۔'' لہ الحمد [1]

---

[1] اہلحدیث امرتسر ۲۱ر نومبر ۱۹۳۰ء۔

(۴۰)

قادیان کے دردانیال پر حملہ

(نومبر ۱۹۳۱ء)

قادیان سے تین چار میل کے فاصلہ پر بھٹیاں نامی ایک مقام ہے۔ جس کے گرد اگر تقسیم ہند سے پہلے خالص مسلم آبادی تھی۔ قادیان میں اسلامی جلسوں کی بندش کے بعد نومبر ۱۹۳۱ء میں اسلامی اجلاس منعقد کرنے کے لیے قادیان کے بدل کے طور پر اس مقام ''بھٹیاں'' کا انتخاب ہوا۔ اس علاقے میں قادیانی مبلغین نے کافی تگ و دو بھی جاری کر رکھی تھی۔ اس لیے بھی یہاں ایک بڑے پیمانے کے جلسے کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔

پروگرام کے مطابق ۲۸/۲۹/۳۰/ نومبر ۱۹۳۱ء کو مسلمانوں نے بڑا زبردست جلسہ منعقد کیا۔ مولانا امرتسری اس کے روح رواں تھے۔ اسلام کی دعوت اور قادیانیت کی تردید بڑے پرشوکت انداز میں ہوئی۔ قادیانی حضرات بھی بڑی تعداد میں آئے۔ لیکن اپنا ڈیرہ مسلمانوں سے الگ تھلگ لگایا۔ اور اپنے ڈیرہ پر جلسہ بھی منعقد کیا۔ مسئلہ ختم نبوت پر فریقین میں بحث بھی ہوئی۔ اور مباحثہ کے بعد مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے مرزا صاحب کے ''آخری فیصلہ'' والے اشتہار پر ایک نئے انداز سے تقریر بھی کی۔ نامہ نگار لکھتا ہے۔

''اس جلسہ کا اثر نہ صرف قادیان کے دردانیال پر ہوگا۔ بلکہ قادیان کا تخت حکومت بھی متزلزل ہو جائے گا۔ انشاء اللہ۔'' [1]

نوٹ:

بھٹیاں چونکہ قادیان کے بالکل قریب ہے اس لیے نامہ نگار نے اسے قادیان کے دردانیال سے تعبیر کیا ہے۔ اس نمبر کا عنوان بھی نامہ نگار ہی کا عطیہ ہے۔

---

[1] اہلحدیث امرتسر ۴ر دسمبر ۱۹۳۱ء۔

(۴۱)

بٹالہ میں پھر جلسہ اور مناظرہ

(فروری ۱۹۳۲ء)

فروری ۱۹۳۲ء میں اہل بٹالہ نے پھر ایک جلسہ کیا۔ اور ۲۰/فروری کو پھر ایک دلچسپ مناظرہ ہوا۔ اس مناظرہ کی بنیاد مولانا امرتسری کی ایک تقریر تھی۔ جس کا عنوان تھا۔ ''قرآن اور قادیان'' اس تقریر میں آپ نے بڑے دلچسپ اور ظرافت سے بھرپور انداز میں فرمایا کہ مرزا صاحب محمد ثانی ہونے کے مدعی ہیں۔ لیکن وہ ان اغراض و مقاصد کی تعمیل و تکمیل نہ کر سکے جنہیں محمد ﷺ مکمل کر کے اس دنیا سے رخصت ہوئے تھے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ مرزا صاحب کو عمر بہت کم ملی۔ کیونکہ وہ صرف ایک ہزار اکتیس سال زندہ رہے۔ اور اتنی چھوٹی سی عمر میں وہ کیا کچھ کر سکتے تھے۔

فکر معاش ، ذکر خدا ، یاد رفتگاں
اتنی سی زندگی میں کوئی کیا اور کیا کرے

مرزا صاحب کی عمر کی بابت آپ نے یہ دعویٰ یوں ہی نہیں کر دیا تھا۔ بلکہ لگے ہاتھوں آپ نے قادیانی حوالوں سے نہایت ٹھوس طور پر ثابت کیا کہ مرزا صاحب کے بیانات کا قطعی اور دو ٹوک نتیجہ یہ ہے کہ آپ کی عمر ایک ہزار اکتیس برس ہے۔

اس کے بعد مولانا نے تصویر کا دوسرا رخ پیش کیا۔ آپ نے مرزا صاحب ہی کے کچھ دوسرے حوالوں سے ثابت کیا کہ جناب مرزا صاحب ''خدائی الہام'' کی بنیاد پر اپنی عمر ۷۵ سے ۸۵ سال کے درمیان بتلایا کرتے تھے۔ مولانا نے پوری تحدی اور چیلنج کے ساتھ فرمایا کہ اگر مندرجہ دونوں متضاد حوالوں میں قادیانی حضرات تطبیق دیدیں تو میں ایک تیسرا حوالہ پیش کروں گا۔ جو ان دونوں سے متعارض ہوگا۔ (غالباً وہ حوالے مراد تھے جن سے مرزا صاحب کی عمر صرف گیارہ سال ثابت ہوتی ہے)۔

اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے قادیانی مناظر اس طرح شیر پنجاب کے پنجہ میں جکڑا رہا کہ ہزار کوششوں کے باوجود نہ چھوٹ سکا۔ اور بڑی ناکامی کے ساتھ رخصت ہوا۔ ❶

مناظرہ وزیر آباد

(اپریل ۱۹۳۲ء)

۱۰/اپریل ۱۹۲۳ء یوم اتوار کو وزیر آباد (پنجاب) میں ایک زبردست مناظرہ ہوا۔ قادیانیوں کی طرف سے مولانا امرتسری کے مقابل ایک نیا رنگروٹ لایا گیا تھا۔ تقریر کا موقع پہلے چونکہ قادیانیوں کو دیا گیا تھا۔ اس لیے اس شخص نے چند قرآنی آیات کے محرف مضمون کو معیار نبوت قرار دے کر انہیں مرزا صاحب پر چسپاں کیا۔ مولانا نے فرمایا کہ اگر یہی آیات مرزا صاحب کی نبوت کی شاہد ہوتیں تو مرزا صاحب آخری فیصلہ والا اعلان فرما کر ایک دوسرا ہی طریق فیصلہ کیوں اختیار کرتے؟ اس طرح مولانا نے بحث کا رخ آخری فیصلہ والے اشتہار کی طرف پھیر دیا۔ پھر کیا تھا، قادیانی کیمپ میں کھلبلی مچ گئی اور تین گھنٹے کے طویل وقفہ مناظرہ میں ان سے اس کا کوئی جواب نہ بن سکا۔

پھر مولانا نے مرزائی حوالے سے ثابت کیا کہ مرزا صاحب دنیا میں مسیح موعود کی مدت قیام چالیس سال بتلاتے ہیں۔ لیکن خود دعوائے مسیحیت کے اٹھارہ سال بعد اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔ لہٰذا وہ خود اپنے مقرر کیے ہوئے معیار کے مطابق جھوٹے ٹھہرے۔ مولانا امرتسری کی یہ دوسری ضرب تھی جس سے قادیانی مناظر اخیر تک نہ سنبھل سکا۔

اثنائے مناظرہ میں مولانا امرتسری رحمہ اللہ حسب معمول اشعار بھی چست کرتے چلتے تھے۔ ایک موقع پر آپ نے ایک شعر پڑھا۔

---

❶ اہلحدیث امرتسر ۴/مارچ ۱۹۳۲ء۔

عجب مزہ ہو کہ محشر میں ہم کریں شکوے
وہ منتوں سے کہیں چپ رہو خدا کے لیے

اس پر قادیانیوں نے اودھم مچائی کہ شعر فحش ہے۔ اور اس معاملہ کو اس قدر طول دیا کہ بالآخر مولانا ظفر علی خان کو...... جو مجلس مناظرہ کی زینت تھے...... حکم تسلیم کیا گیا۔ انہوں نے کہا اس میں ایک لفظ بھی فحش نہیں ہے۔ مطلب صرف اتنا ہے کہ مولانا امرتسری قیامت کے روز فریاد کریں گے کہ یا الٰہی! مرزا غلام احمد قادیانی سے پوچھ کہ اس نے مسلمانوں میں کیوں تفرقہ پیدا کر دیا؟ اور مرزا صاحب منتوں سے کہیں گے۔ میاں چپ رہو۔ اس تشریح نے مجمع میں سرور وولولہ پیدا کر دیا۔

قادیانی مناظر چونکہ نو عمر تھا اس لیے مولانا اس پر بھی ایک شعر چست کیے بغیر نہ رہ سکے۔ فرمایا

کچھ جوانی ہے ابھی، کچھ ہے لڑکپن ان کا
دو جفا کاروں کے قبضہ میں ہے جوبن ان کا

اس شعر کا جو اثر طرفین پر پڑ سکتا ہے اسے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

یہ مناظرہ بڑا عظیم الشان اور اثر انگیز تھا۔ ملک ہدایت اللہ صاحب سوہدروی مرحوم لکھتے ہیں۔

”ہمارا یقین ہے کہ اس قسم کے دو تین مناظرے مختلف مقامات میں ہو جائیں تو پنجاب سے قادیانیت کا بیج اکھڑ جائے۔ انشاء اللہ۔“ [1]

---

[1] الحدیث امرتسر ۶/ مئی ۱۹۳۲ء۔

لاہور، جہلم، امرتسر اور اٹاوہ میں مناظرے

(جولائی ۱۹۳۲ء اپریل، اکتوبر، نومبر ۱۹۳۳ء)

ضلع لاہور میں مشرقی جانب ایک مقام ''گنج'' واقع ہے۔ ۱۷ر جولائی ۱۹۳۲ء کو یہاں ''وفات مسیح''، ''ختم نبوت'' اور ''صداقت مرزا'' پر مناظرہ ہوا، مولانا سیالکوٹی صدر تھے۔ اور مولانا امرتسری کے مبعوثین ومتوسلین مناظرے مولانا امرتسری بھی زیب مجلس تھے۔ خاموش تھے اور رہنمائی کر رہے تھے۔ مناظرہ ختم ہو چکا تو لوگوں نے اصرار وتقاضہ کیا کہ مولانا تقریر فرمائیں۔ آپ نے تقریر شروع کی۔ لیکن قادیانیوں نے غل غپاڑے مچائے۔ اور اپنے لیے بھی وقت کا مطالبہ کیا۔ نصف گھنٹہ انہیں بھی وقت دیا گیا۔ اور پہلے دیا گا۔ بعد میں مولانا نے تقریر فرمائی اور قادیانیت کا بچا کھچا بخیہ بھی ادھیڑ کر رکھ دیا۔ ❶

۲۱/۲۲/۲۳ر اپریل ۱۹۳۳ء کو جہلم میں انجمن اہلحدیث جہلم کی طرف سے انجمن کے دستور قدیم کے مطابق سالانہ جلسہ منعقد ہوا۔ اور اس میں مرزائیوں سے پرزور مناظرے ہوئے۔ ان مناظروں میں مولانا امرتسری نے مرزا صاحب کی تحریرات سے یہ حقیقت واشگاف کی کہ مرزا صاحب کی کل عمر صرف گیارہ سال ثابت ہوتی ہے۔ ❷

۲۲ر اکتوبر ۱۹۳۳ء کو قادیانیوں نے ایک خاص تبلیغی پروگرام کے تحت ''یوم تبلیغ'' منایا۔ اس دن جگہ جگہ خوب جلسے جلوس کئے۔ دن بھر بھاگ دوڑ جاری رکھی۔ اور بڑے پیمانے پر ٹریکٹ، پمفلٹ اور پوسٹر وغیرہ تقسیم کئے۔ قادیانیوں نے چونکہ اپنے اس پروگرام کا اعلان پہلے ہی سے کر رکھا تھا اس لیے مولانا امرتسری کی تجویز پر جماعت اہلحدیث نے بھی مولانا کی قیادت ورہنمائی میں ۲۲ر اکتوبر کو اسی پیمانے پر ''یوم تردید قادیانیت'' منایا جلسے اور جلوس کئے۔ پوسٹر، ٹریکٹ اور پمفلٹ شائع کئے۔ اسی سلسلے میں امرتسر کے اندر جامع ثنائی میں ''آخری فیصلہ'' کے

---

❶ اہلحدیث امرتسر ۲۲ر جولائی ۱۹۳۲ء۔ ❷ ایضاً ۲۸ر اپریل ۱۹۳۳ء۔

موضوع پر پرامن اور دلچسپ مناظرہ بھی ہوا۔ مرزائی مبلغ کچھ اسی طرح گرفت میں آیا کہ خود اپنے واجب الاطاعت خلیفہ اور دیگر مرزائی مبلغوں کے ارشادات وفرمودات کی حقانیت کا انکار کر بیٹھا۔ اور اس طرح اسے اپنے مقصود میں قطعی ناکام ونامراد ہونا پڑا [1] ...... اس روز امرتسر کے دوسرے مقامات پر بھی آپ نے قادیانیت کی تردید کے سلسلے میں تقریریں کیں۔

غالباً اپنی خفت مٹانے کے لیے اس کے چند ہی دن بعد ۲۵؍اکتوبر ۱۹۳۳ء کو قادیانیوں نے امرتسر میں پھر مناظرہ کی بنیاد رکھی۔ اب کی دفعہ مولانا امرتسری کے شاگرد رشید مولانا عبداللہ صاحب معمار امرتسری نے مناظرہ کیا۔ انہوں نے قادیانی مناظر کا ناطقہ اس طرح بند کیا کہ بیچارے سے ان کا کوئی جواب ہی نہ بن سکا۔ اس کیفیت نے سامعین پر نہایت خوشگوار اثر ڈالا۔ [2]

اس واقعہ کے چند دنوں بعد ۴؍نومبر ۱۹۳۳ء کو مولانا نے اٹاوہ (یوپی) کا رخت سفر باندھا۔ یہاں قادیانیوں کے ساتھ ایک بڑا ہی اہم اور فیصلہ کن مناظرہ درپیش تھا۔ فاتح قادیان نے اس محاذ کو بھی بڑی خوش اسلوبی سے فتح کیا۔ اور ۷؍نومبر کو امرتسر واپس آ گئے۔ [3] مناظرہ غالباً ۵؍نومبر کو ہوا۔ مفصل روداد دستیاب نہ ہو سکی۔

کلکتہ میں قادیانی چھیڑ چھاڑ

(دسمبر ۱۹۳۳ء)

۸/۹/۱۰؍دسمبر ۱۹۳۳ء کو چھپرہ (بہار) میں آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کا سترھواں سالانہ اجلاس تھا۔ مولانا امرتسری صدر اجلاس تھے۔ یہاں سے فارغ ہو کر مختلف علاقوں کا سفر کرتے ہوئے آپ کلکتہ وارد ہوئے۔ کلکتہ میں مقامی جمعیۃ اہلحدیث کی طرف سے ۱۵/۱۶/۱۷؍دسمبر ۱۹۳۳ء کو بہت بڑے پیمانے پر جلسے کا پروگرام تھا۔ اس جلسے میں عام پروگراموں کے علاوہ

---

[1] ایضاً ۲۷؍اکتوبر ۱۹۳۲ء۔ [2] ایضاً ۳؍نومبر ۱۹۳۳ء۔ [3] ایضاً ۱۷؍نومبر ۱۹۳۳ء۔

خاص قادیانیت کی "خدمت" کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔ مولانا امرتسری لکھتے ہیں۔

"کلکتہ میں چند پنجابی مرزا صاحب قادیانی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لیے انہوں نے جلسہ کا ذکر سن کر اپنا لاؤ لشکر جمع کر لیا تھا۔ اپنے مرکز سے دو مناظر بھی طلب کر لیے تھے۔ جو بروقت پہنچ گئے تھے۔ چھیڑ چھاڑ، اشتہار بازی شروع کر رکھی تھی۔ اس لیے جلسہ کے پروگرام میں دو مضمونوں پر ان کو ایک ایک گھنٹہ تبادلہ خیالات کے لیے دیا گیا۔ ایک مضمون تھا "قرآن اور مرزائے قادیان" یہ مضمون میرے نام پر تھا۔ دوسرا مضمون تھا "معیار نبوت" یہ مولانا محمد ابوالقاسم سیف بنارسی کے نام پر تھا۔ میرا نام دیکھتے ہی قادیانیوں نے حق قدامت ادا کرنے کو بجوائے "تم چھیڑو گے" ایک دو ورقہ اشتہار شائع کر دیا۔ جس میں لکھا کہ مولانا ثناء اللہ ہر جگہ آخری فیصلہ کا ذکر کیا کرتے ہیں اس لیے اس کا جواب یہ ہے۔ لیکن جواب میں وہی طریق اختیار کیا جو لا تقربوا الصلوۃ کے قائل نے "وانتم سکاری" حذف کر کے کیا تھا۔ میرا ارادہ کچھ اور بیان کرنے کا تھا۔ لیکن مرزائی اشتہار نے میری اس طرف رہنمائی کی کہ میں "آخری فیصلہ" ہی کو ذکر کروں۔

آخری فیصلہ کی تمہید میں ایک تمثیل سنا کر میں نے آخری فیصلہ والا اشتہار پڑھا۔ جس کا مختصر مضمون یہ ہے کہ "مرزا صاحب نے دعا کی تھی کہ ہم دونوں (مرزا اور ثناء اللہ) میں سے جو اللہ کے ہاں جھوٹا ہے وہ پہلے مرے۔" چنانچہ مرزا صاحب ۲۶ / مئی ۱۹۰۸ء کو وفات پا گئے۔ اور میں تادم تحریر ہذا زندہ ہوں۔

اس کے بعد اعلان کیا کہ حسب تحریر پروگرام ایک گھنٹہ تبادلہ خیالات کے لیے ہے جو احمدی چاہے اس مضمون پر ایک گھنٹہ تک بحث کر سکتا ہے۔ مگر کوئی نہ اٹھا۔ چند منٹ انتظار کیا گیا۔ للکارا گیا۔ ہزارہا حاضرین کے سامنے پکارا گیا تاہم کوئی نہ بولا۔

دوسری تقریر مولوی ابوالقاسم صاحب بنارسی کی معیار نبوت پر ہوئی...... تقریر کے بعد احمدی جماعت کو گفتگو کے لیے گھنٹہ وقت دیا گیا۔ مگر کوئی نہ بولا۔" [1]

---

[1] اہلحدیث امرتسر ۲۹ / دسمبر ۱۹۳۳ء۔

لاہور میں مناظرہ مرزائیہ

(جنوری ۱۹۳۴ء)

مندرجہ بالا عنوان سے مولانا عبداللہ صاحب معمار رحمہ اللہ نے ایک فیصلہ کن مناظرہ کی تفصیلی رپورٹ قلمبند فرمائی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یکم جنوری ۱۹۳۴ء کو لاہور میں قادیانیوں سے ایک تاریخی مناظرہ ہوا۔ مناظرہ کی نوبت اس لیے آئی کہ قادیانیوں نے اپنے مخصوص تبلیغی پروگرام کے تحت لاہور کی فضا میں خاصی اودھم بپا کر رکھی تھی۔ اس مناظرہ کے دو حصے تھے۔ پہلا حصہ مولانا عبداللہ صاحب معمار کے سپرد تھا۔ جو مولانا امرتسری کے مخصوص تربیت یافتہ شاگردوں میں سے تھے۔ اور اس وقت تک فاضل مرزائیات کے لقب سے ملقب ہو چکے تھے۔ موصوف کا موضوع بحث یہ تھا کہ مرزا صاحب نے انبیاء کرام خصوصاً حضرت مسیح علیہ السلام کی توہین کی ہے۔ اس موضوع پر موصوف نے اجلاس کی پہلی نشست میں ایک بجے سے دو بجے تک ایک گھنٹہ تقریر کی۔ اور اس کے مابعد دو بجے تک ایک گھنٹہ مناظرہ ہوا۔

دوسرا حصہ تھا "مرزا صاحب کا مولوی ثناء اللہ صاحب سے آخری فیصلہ" یہ حصہ مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری فاتح قادیان کے سپرد تھا۔ مولانا نے اجلاس کی دوسری نشست میں ۳/۱/۲ بجے سے ۱/۲/۵ بجے کے درمیان ایک گھنٹہ تقریر کی۔ جس میں بڑی جامعیت کے ساتھ آخری فیصلہ والے اشتہار کو اس کے پس منظر اور اثرات و نتائج سمیت پیش کیا۔ اس کے بعد اسی موضوع پر ایک گھنٹہ بحث ہوئی۔ مولانا معمار لکھتے ہیں۔

"لاہور میں یہ مناظرہ بے مثل رہا۔ اور رہے گا انشاء اللہ۔ اللہ کا شکر ہے کہ دلائل کی رو سے حاضرین پر واضح ہو گیا کہ مرزا صاحب ایک طرف توہین مسیح کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اور دوسری طرف اپنے اعلان کی رو سے پہلے مر کر اللہ کے ہاں کاذب ٹھہرے۔ الحمد لله علىٰ ذلک۔

یہ مناظرہ لاہور کے بیرون موچی دروازہ کے کھلے میدان میں منعقد ہوا تھا۔ حاضری اندازاً ۱۵، ۱۶ ہزار نفوس کی ہوگی۔ ❶

بٹالہ اور امرتسر میں چار مناظرے

(مارچ، مئی، ستمبر ۱۹۳۴ء)

۱۲/۱۳/۱۴/مارچ ۱۹۳۴ء کو انجمن اہلحدیث بٹالہ کے زیر اہتمام بٹالہ میں حسب دستور عظیم الشان سالانہ تبلیغی اجلاس کا انعقاد عمل میں آیا۔ اس اجلاس کی ایک نشست میں مولانا امرتسری نے ''قرآن اور مسیح موعود قادیان'' کے موضوع پر اپنے مخصوص انداز میں تقریر فرمائی۔ اور مسیح موعود کے متعلق خود مرزا صاحب کی اپنی بیان کی ہوئی تفصیلات کی روشنی میں آپ نے ثابت کیا کہ وہ (مرزا صاحب) مسیح موعود کا مصداق نہیں ہو سکتے۔ تقریر کے بعد اسی موضوع پر مولوی محمد سلیم قادیانی سے ایک گھنٹہ مناظرہ ہوا۔ قادیانی مناظر اپنی تمام کوششوں کے باوجود مولانا امرتسری کی طرف سے مرزا صاحب کی پیش کی ہوئی عبارت اور اس سے برآمد ہونے والے نتیجے کی تردید نہ کر سکا۔ ❷

پھر دو ماہ سے کچھ زائد عرصہ بعد امرتسر میں ایک مناظرہ ہوا۔ چونکہ ۲۶/مئی (۱۹۰۸) مرزا صاحب کی تاریخ وفات ہے اس لیے اس مناسبت سے مولانا امرتسری نے اپنے جریدہ فریدہ ہفت روزہ اہلحدیث کے مئی ۱۹۳۴ء کے آخری شمارہ کو...... جس کی اشاعت ۲۵/مئی ۱۹۳۴ء کو ہوئی تھی...... مرزا نمبر کی حیثیت سے شائع کیا۔ نیز ۲۶/مئی کو امرتسر میں خاص رد قادیانیت کے سلسلے میں زبردست جلسہ کیا۔ آغاز جلسہ میں مولوی عبداللہ صاحب معمار نے مرزا صاحب کا

---

❶ اہلحدیث امرتسر ۱۲/۵ جنوری ۱۹۳۴ء۔ ❷ اہلحدیث امرتسر ۲۳/مارچ ۱۹۳۴ء۔

تعارف کرایا۔ بعدازاں مولانا امرتسری جلوہ آرائے اسٹیج ہوئے۔ ''آخری فیصلہ'' والا اشتہار سنا کراس پر مفصل تقریر کی۔ اور قادیانیوں کی تمام حیلہ سازیوں کی راہ بند کردی۔ حسب اعلان قادیانیوں کو مناظرہ کے لیے ایک گھنٹہ کا وقت دیا گیا۔ مولوی جلال الدین قادیانی کھڑے ہوئے۔ پانچ پانچ منٹ کا وقت گفتگو کے لیے باری باری مقرر تھا۔ مولوی جلال الدین موصوف قطعی ناکام ہوئے۔ اور خواص عوام سب کے سب اچھی طرح سمجھ گئے کہ مرزا صاحب اپنی دعا کے مطابق سچے کی زندگی میں فوت ہوکر اپنے کذب پر مہر تصدیق ثبت کر گئے ہیں۔ ❶

تھوڑے عرصہ بعد امرتسر میں پھر ایک مناظرہ ہوا۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ ۳۰ر ستمبر ۱۹۳۴ء کو انجمن اہلحدیث امرتسر نے ایک جلسہ منعقد کیا۔ مولانا کے شاگرد خاص مولوی عبداللہ صاحب معمار امرتسری رحمہ اللہ نے ''نکاح مرزا'' کے عنوان پر تقریر کی۔ پھر مولانا امرتسری نے عمر مرزا پر ایک مختصر تقریر کی۔ جس میں مرزا صاحب کی کتب سے ان کی عمر صرف گیارہ سال ثابت کی۔ اور قادیانیوں کو اس موضوع پر سوال وجواب کے لیے وقت دیا۔ قادیانیوں کی طرف سے مولوی جلال الدین شمس مدمقابل آئے۔ انہوں نے مولانا کی پیش کردہ عبارت کی توجیہ و تاویل کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ مگر عالم ناکامی میں اس مصرع کا ورد کرتے ہوئے رخصت ہوئے کہ۔

بہت بے آبرو ہوکر ترے کوچے سے ہم نکلے ❷

اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد قادیانیوں نے اپنی خفت مٹانے کے لیے ۲۸ر اکتوبر ۱۹۳۴ء کو پھر ایک جلسہ منعقد کیا۔ جس میں آخری فیصلہ پر بحث کی دعوت دی۔ مولانا امرتسری گلے کی تکلیف کے سبب بول نہ سکتے تھے۔ اس لیے آپ کے شاگرد مولوی عبداللہ صاحب معمار امرتسری نے مباحثہ کیا۔ اور اس موضوع پر رہی سہی کسر بھی پوری کردی۔ ❸

---

❶ ایضاً یکم جون ۱۹۳۴ء ❷ ایضاً ۵ر اکتوبر ۱۹۳۴ء۔ ❸ ایضاً ۲ر نومبر ۱۹۳۴ء۔

میرٹھ میں دو مناظرے

(مارچ ۱۹۳۵ء جنوری ۱۹۳۹ء)

میرٹھ جو یوپی کے اندر جماعت اہلحدیث کی تبلیغی سرگرمیوں کے حساس ترین مقامات میں سے ایک تھا۔ یہاں کئی بار اہلحدیث اور قادیانیوں میں رد و قدح ہو چکی تھی۔

۱۲/ مارچ ۱۹۳۵ء کو یہاں دار العلوم عربیہ جامع مسجد میرٹھ میں ایک جلسہ کی تقریب کے سلسلے میں قادیانیوں کے ساتھ مناظرہ پیش آیا۔ مسلمانوں کی طرف سے مولانا امرتسری اور قادیانیوں کی طرف سے مولوی اختر حسین مبلغ پیش ہوئے۔ مولوی اختر حسین کے حامی و ناصر کی حیثیت سے مولوی عمر الدین جالندھری بھی تشریف فرما تھے۔ موضوع مباحثہ مرزا صاحب کا "آخری فیصلہ" والا اشتہار تھا۔ جس پر قادیانی حضرات ۱۹۱۲ء میں لدھیانہ کے اندر شکست کھا کر تین سو روپے تاوان دے چکے تھے۔

"آخری فیصلہ" قادیانیوں کے گلے کی پھانسی تھا۔ اپنی ساری قوت صرف کر دینے کے باوجود وہ اس خدائی فیصلہ کا داغ مرزا صاحب کی نبوت کاذبہ کی پیشانی سے نہیں دھل سکتے تھے۔ میرٹھ میں بھی انہوں نے بہت کچھ ہاتھ پاؤں مارے۔ لیکن جس قدر زیادہ کوشش کی۔ یہ داغ اتنا ہی زیادہ گہرا اور سیاہ تر ہوتا گیا۔ یہاں قادیانی حضرات کے دروغ بے فروغ کا پردہ بہت اچھی طرح فاش ہوا قادیانیوں کا عذر اس نکتہ پر مرکوز تھا کہ آخری فیصلہ والا اشتہار بطور مباہلہ تھا۔ جو مولانا امرتسری کی نامنظوری کے سبب معرض التوا میں پڑ گیا۔ مولانا امرتسری نے اشتہار کی اندرونی اور بیرونی شہادتوں نیز مرزا صاحب کی ڈائری خطوط۔ بیانات اور دیگر تاریخی شہادتوں سے ثابت کیا کہ یہ خالص دعا تھی۔ جس کی قبولیت کا الہام بھی خود مرزا صاحب کے بقول ان کو ہو چکا تھا۔ اس میں میری منظوری یا عدم منظوری کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اور نہ اس سے کوئی فرق پڑ سکتا تھا۔

بیچارے قادیانی حضرات اس کوچے سے بہت بے آبرو ہو کر نکلے۔ بعد میں اپنی خفت مٹانے کے لیے "پیغام صلح" لاہور میں میدان مناظرہ کے اندر پیش آنے والی کیفیت سے بالکل ہی مختلف اور جداگانہ قسم کی رپورٹ شائع کر کے اپنی سب کی دور کرنے کی کوشش کی۔ لیکن مولانا نے "اہلحدیث" کے اندر ان کا اس طرح تحلیل و تجزیہ کیا اور ایسے آڑے ہاتھوں لیا کہ ان کی آواز بند ہو کر رہ گئی۔ [1]

ایضاً

اسی میرٹھ میں چند برس بعد ۲۸ر جنوری ۱۹۳۹ء کو اسی مدرسہ دار العلوم میرٹھ کے سالانہ جلسہ کے موقع پر قادیانی حضرات سے پھر اسی موضوع "آخری فیصلہ" پر مباحثہ ہوا۔ حسن اتفاق سے اب کی دفعہ بھی مدمقابل بابو عمر الدین جالندھری ہی تھے۔ بابو عمر الدین موصوف کے سلسلے میں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اپریل ۱۹۱۲ء میں لدھیانہ کے اندر آخری فیصلہ کے موضوع پر قادیانیوں سے مولانا امرتسری کا جو مباحثہ ہوا تھا اور جس میں شکست کھا کر قادیانیوں نے مبلغ تین سو روپے بطور انعام یا تاوان مولانا کے حوالے کیے تھے۔ اس میں مبلغ پچاس روپے بابو عمر الدین صاحب کے بھی دیے ہوئے تھے۔ اس لیے اس موضوع پر بار بار مدمقابل آنے کا مقصود شاید بابو صاحب کے نزدیک یہ رہا ہو کہ وہ پرانا داغ کسی طرح دھل جائے۔ لیکن ان کے لیے ہر محاذ پر شکست مقدر ہو چکی تھی۔ بیچارے اب کی دفعہ بھی شکست کھا گئے۔ جس سے ان کا پچھلا داغ مزید نمایاں ہو گیا۔ اور زخم کہن پھر ہرا ہو گیا۔ چاہا کہ کچھ مداوا اپنے جماعتی آرگن "پیغام صلح" ہی کے ذریعہ کر لیں۔ مگر مولانا کی تحریری گرفتوں اور متحدیانہ للکار و پکار کے بعد اس سے بھی مایوس ہو کر کہنا پڑا۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ [2]

---

[1] دیکھیے اہلحدیث امرتسر ۱۲ر اپریل ۱۹۳۵ء۔

[2] دیکھیے اہلحدیث امرتسر ۲۴ر فروری ۱۹۳۹ء۔

لائل پور (فیصل آباد) میں مناظرہ

(نومبر ۱۹۴۱ء)

لائل پور☆ پاکستان پنجاب کا معروف صنعتی شہر ہے۔ اور اب اسے جمعیۃ اہلحدیث پاکستان کی سب سے بڑی اور عظیم الشان عربی درسگاہ ''جامعہ سلفیہ'' کے مستقر ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یہ شہر تقسیم ہند سے پہلے بھی اہلحدیث کی تبلیغی سرگرمیوں کا ایک اہم محور رہا ہے۔ ۳۱ر اکتوبر اور یکم و ۲ر نومبر ۱۹۴۱ء کو یہاں بڑے پیمانہ پر جمعیۃ تبلیغ اہلحدیث پنجاب کے جلسے ہوئے تھے۔ ان جلسوں ہی کے ایام میں ایک نشست قادیانی مناظرے کے لیے بھی مقرر کی گئی۔

ہوا یہ کہ جلسے کے ایام میں لاہوری اور محمودی دونوں پارٹیاں لائل پور میں آموجود ہوئیں۔ اس لیے ارباب انتظام نے دونوں کو دعوت دی اور کافی وقت ان کی خدمت پر خرچ کیا۔ ایک صاحب حاجی عبدالکریم لاہوری کے اصرار پر مولانا امرتسری نے تجویز فرمایا کہ قادیانیوں سے گفتگو کے لیے ایک محدود مجلس منعقد کر دی جائے۔ چنانچہ ایک روز مغرب اور عشاء کے درمیان یہ مجلس منعقد ہوگئی۔

مولانا نے ابھی تقریر کا آغاز کیا ہی تھا کہ قادیانی مبلغ مولوی اللہ دتہ نے مداخلت کرتے ہوئے اصرار کیا کہ پہلے مجھے تقریر کرنے دی جائے۔ مولانا امرتسری نے مرزا صاحب کے طرز عمل سے دو شاہد پیش کرتے ہوئے قادیانی مبلغ پر یہ حجت قائم کی کہ پہلے مجھے تقریر کرنے کا حق حاصل ہے۔ قادیانی مبلغ مولانا کے استشہاد کی تو کوئی تردید نہ کرسکا۔ لیکن اپنے مطالبہ پر اڑا رہا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وقت معینہ تمام ہوگیا اور گفتگو ناتمام رہی شائقین جیسے ذوق وشوق سے آئے تھے ویسی ہی حرماں نصیبی کے ساتھ واپس گئے۔ ❶

---

❶ اہلحدیث امرتسر ۲۱ر نومبر ۱۹۴۱ء۔

☆ ۵ر جولائی ۷۷ء کے فوجی انقلاب کے بعد حکومت پاکستان نے عوامی مطالبہ کے پیش نظر اس کا نام فیصل آباد رکھ دیا۔

اعتراف حقیقت اور اظہار معذرت

مولانا امرتسری اور قادیانیوں کے درمیان مباحثات اور مناظرات کی یہ ایک مختصر سی فہرست اور روداد ہے جو پچھلے صفحات میں قلمبند کردی گئی ہے۔ یہ کوئی ڈیڑھ سو واقعات پر مشتمل ہے۔ لیکن اس فہرست کو ہم ہر حیثیت سے جامع اور مکمل نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ ان کا ماخذ سیرت ثنائی اور ہفت روزہ اہلحدیث امرتسر ہے۔ صاحب سیرت ثنائی نے مناظرات کا استقصا کرنے کے بجائے خاص خاص مناظرات کے ذکر پر اکتفا کیا ہے۔ اور اہلحدیث کی فائلیں اولاً تو ہمیں پورے طور پر دستیاب نہیں ہوسکیں۔ ثانیاً اہلحدیث میں مولانا کے تمام مناظرات کے اندراج کا التزام نہیں کیا جاتا تھا۔ خود اس پرچے میں ہمیں متعدد ایسے مناظروں کی روداد ملی ہے جنہیں ابتدا میں قلمبند نہیں کیا گیا۔ لیکن جب فریق ثانی نے واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش کیا تو ان کی بابت تردیدی مضامین شائع ہوئے۔ اور ان مضامین سے ضمناً ان مناظرات کا علم ہوسکا۔ اور ان کی کیفیت، موضوع بحث اور نتیجہ معلوم ہوسکا۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس طرح کے کتنے مناظرے ہوں گے جن کا سرے سے کوئی تذکرہ ہی نہیں آسکا ہوگا۔ کیونکہ بعد میں اس کے تذکرہ کے محرکات پیدا نہیں ہوسکے ہوں گے۔ اس لیے پچھلے صفحات میں ہماری پیش کی ہوئی تفصیلات کو اپنے موضوع پر جامع اور مکمل نہیں سمجھنا چاہیے۔

خصوصیات مناظرہ

مولانا امرتسری کے مناظروں کی خصوصیات کا ٹھیک ٹھیک اور صحیح اندازہ تو اسی وقت کیا جاسکتا تھا جبکہ ایسی کسی مجلس میں شرکت کے مواقع نصیب ہوتے۔ یا پھر کسی قدر جامع اندازہ ان رودادوں سے کیا جاسکتا ہے۔ جو اپنے دامن میں مولانا کے اہم اہم مناظروں کی تفاصیل لیے ہوئے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ ایسی کوئی مکمل روداد ہدیہ قارئین نہیں کی جاسکتی۔

ہاں! مولانا کے سوانح نگار مولانا عبدالمجید خادم سوہدروی مرحوم نے سیرت ثنائی میں آپ کے مناظروں کی دس خصوصیات قلمبند کی ہیں جو اگرچہ تمام خصوصیات کی جامع نہیں ہیں۔ لیکن
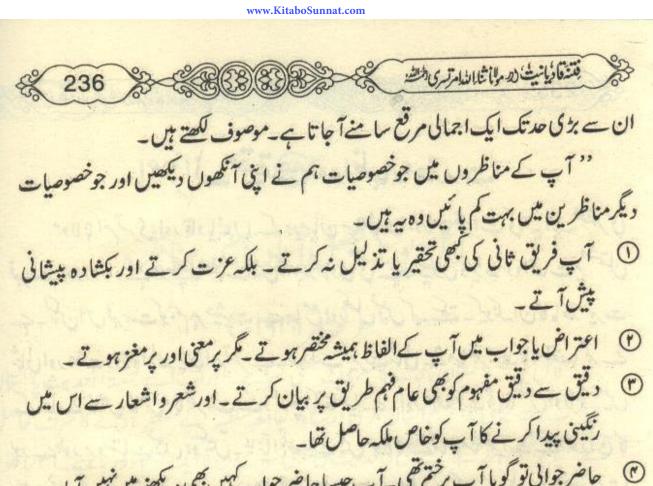
ان سے بڑی حد تک ایک اجمالی مرقع سامنے آجاتا ہے۔ موصوف لکھتے ہیں۔

''آپ کے مناظروں میں جو خصوصیات ہم نے اپنی آنکھوں دیکھیں اور جو خصوصیات دیگر مناظرین میں بہت کم پائیں وہ یہ ہیں۔

① آپ فریق ثانی کی کبھی تحقیر یا تذلیل نہ کرتے۔ بلکہ عزت کرتے اور بکشادہ پیشانی پیش آتے۔

② اعتراض یا جواب میں آپ کے الفاظ ہمیشہ مختصر ہوتے۔ مگر پر معنی اور پر مغز ہوتے۔

③ دقیق سے دقیق مفہوم کو بھی عام فہم طریق پر بیان کرتے۔ اور شعر و اشعار سے اس میں رنگینی پیدا کرنے کا آپ کو خاص ملکہ حاصل تھا۔

④ حاضر جوابی تو گویا آپ پر ختم تھی۔ آپ جیسا حاضر جواب کہیں بھی دیکھنے میں نہیں آیا۔

⑤ آپ پر کسی مناظرہ میں کبھی کوئی گھبراہٹ واقع نہیں ہوئی، بلکہ آپ مناظرہ نہایت طمانیت سے ہنس ہنس کر کیا کرتے تھے۔

⑥ مناظرہ میں آپ کا انداز ہمیشہ عالمانہ رہا۔ عامیانہ انداز کبھی اختیار نہیں فرمایا۔

⑦ آپ فریق ثانی کو مبحث سے کبھی باہر نہ جانے دیتے۔ اور گھیر گھار کر اصل مبحث پر لے آیا کرتے تھے۔

⑧ آپ مناظرہ میں اصول مناظرہ کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے۔ اور دیگر علوم وفنون کی طرح مناظرہ بھی علم مناظرہ کے اصول پر کیا کرتے تھے۔

⑨ شرائط مناظرہ میں آپ نے ہمیشہ فراخ دلی سے کام لیا۔ اور بارہا فریق ثانی کی ناجائز سے ناجائز شرط کو بھی قبول کر لیا کہ کہیں وہ اس بہانہ سے راہ فرار اختیار نہ کرے۔

⑩ آپ نے میدان مناظرہ میں کبھی کوئی الزام یا جواب بلا حوالہ یا خلاف حوالہ پیش نہیں کیا۔ بلکہ جوبات کی ہمیشہ دلائل ہی سے کی۔[1] انتہی

اس سلسلے میں یہ توضیح بیجا نہ ہوگی کہ مولانا امرتسری بے مثال طباعی و ذہانت اور فہم و فراست کے ساتھ بلا کی قوت حافظہ بھی رکھتے تھے۔ آپ کو مخالفین کی کتابوں پر خود ان کے اپنے

---

[1] دیکھئے سیرت ثنائی ص ۳۱۰، ۳۱۱۔

علماء سے زیادہ عبور حاصل تھا۔ اور آپ دوران مناظرہ ان کی بیسیوں کتابوں کی عبارتیں اس طرح زبانی سنا دیتے تھے کہ گویا آپ کتاب کھول کر پڑھ رہے ہیں۔ اس طرح کے بعض مواقع پر فریق مقابل نے چالبازی کے طور پر یہ شور مچایا کہ آپ عبارت توڑ مروڑ کر پیش کر رہے ہیں، یا حوالہ غلط دے رہے ہیں۔ ایسے مواقع پر آپ نے کتاب منگوا کر زیر بحث مقام دکھلایا۔ اور لوگ یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ آپ کی زبانی پیش کی ہوئی عبارت اور کتاب کی عبارت میں کوئی بھی فرق نہیں۔

آپ کے مناظروں کی خصوصیات میں یہ بات بھی خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ آپ نے کبھی کسی کے کلام میں کسی قسم کی خیانت اور کتر بیونت نہ کی۔ اور سیاق وسباق سے علیحدہ کر کے اسے متکلم کے مقصود ومنشاء کے خلاف معنی پہنانے کی کوشش نہ کی۔ بلکہ جب بھی آپ نے کسی کلام کا حوالہ دیا تو اسے ٹھیک انہیں معنی میں رہنے دیا جن معنی میں متکلم نے اسے استعمال کیا تھا۔ البتہ اس سے جو لازمی نتیجہ اخذ ہوتا تھا اسے ثابت کر کے اپنے دعویٰ کو مدلل ومبرہن کیا۔

دبدبہ وشکوہ بھی آپ کی عجیب ترین خصوصیات میں سے ہے۔ تنگ مزاجی آپ میں قطعاً نہ تھی۔ اور نہ کسی کے ساتھ آپ نے ترش روئی برتی۔ لیکن بایں ہمہ فریق مقابل آپ کی صورت دیکھ کر بلکہ بسا اوقات آپ کا نام سن کر گھبرا اٹھتا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ متعدد مواقع پر فریق مقابل نے تحریک مناظرہ کے دوران ہی راہ فرار اختیار کر لی۔ بلکہ ایسا بھی بارہا ہوا کہ کسی فریق نے خود براہ راست آپ کے ساتھ مباحثہ کے لیے سلسلہ جنبائی کی۔ اور خود ہی پیچھے ہٹ گیا۔ بعض مناظرات میں صاف طور پر لوگوں نے محسوس کیا کہ مد مقابل کی آواز لڑکھڑا رہی ہے۔ زبان خشک ہو رہی ہے۔ اور گلا بندھ رہا ہے۔ اور بعض بعض مناظروں میں تو نمایاں پر مد مقابل کی گھگھی بندھ گئی۔ مولانا بھی اپنی اس "وہبی خصوصیت" سے آگاہ تھے۔ اور اکثر ایسے موقعوں پر یہ شعر چست کیا کرتے تھے۔

نام میرا سن کے مجنوں کو جمائی آ گئی
بید، مجنوں دیکھ کر، انگڑائیاں لینے لگا

برجستہ گوئی اور ظرافت آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ آپ بات بات پر اشعار پڑھتے

تھے اور ظریفانہ چٹکیاں لیتے تھے۔ جس سے فریق مقابل اس طرح پیچ وتاب کھا کھا کر رہتا کہ اس کا ذہنی سکون غارت ہو جاتا۔ اور وہ اپنے استدلال کو نقص و اختلال سے محفوظ نہ رکھ پاتا۔ عوام آپ کے اس طرز گفتگو سے خوب محظوظ ہوتے اور پھڑک پھڑک اٹھتے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ آپ کی ظرافت بھی اکثر دلائل و براہین سے مدلل ہوا کرتی تھی۔

قادیانی لطائف

ظاہر ہے کہ آپ کا یہ ظریفانہ انداز مجالس مناظرہ ہی تک محدود نہیں رہ سکتا تھا۔ بلکہ اس خصوصیت کا ظہور ہر طرح کی مجالس میں ہوتا تھا۔ بیجا نہ ہوگا اگر آپ کی ظرافت کے بھی ایک آدھ واقعات درج کر دیئے جائیں۔

① ایک دفعہ کسی تقریب سے آپ لاہور تشریف فرما تھے۔ انہیں دنوں قادیانیوں کی لاہوری پارٹی کا جلسہ تھا۔ مولانا چونکہ نہایت وسیع الظرف تھے۔ اور تمام فرقوں کے اکابر سے......مناظرانہ نوک جھونک کے باوجود......نہایت اچھے، دوستانہ اور فیاضانہ مراسم رکھتے تھے۔اس لیے منتظمین جلسہ نے آپ کو بھی تقریر کے لیے مدعو کیا۔ آپ اپنے احباب کی ایک مجلس میں تشریف فرما تھے کہ آپ کو اچانک دعوت نامہ ملا۔ آپ فوراً احمدیہ بلڈنگ روانہ ہو گئے۔ لاہوریوں نے آپ کو دیکھ کر مسیح موعود زندہ باد اور احمدیت پائندہ باد کے پرجوش نعرے لگائے۔ درحقیقت وہ یہ محسوس کر رہے تھے کہ آج مولانا کو دام فریب کے اندر پھانسنے میں وہ کامیاب ہو چکے ہیں۔ چنانچہ صدر جلسہ نے کہا کہ ہم نے آپ کو اس لیے زحمت دی ہے کہ آپ حضرت مرزا صاحب کے اخلاق و عادات پر کچھ ارشاد فرمائیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ آپ موقع کی مناسبت سے مرزا صاحب کی کچھ نہ کچھ مدح و توصیف کر ہی دیں گے۔ لیکن مولانا بھی غضب کے موقع شناس، معاملہ فہم اور برجستہ گو تھے۔ اٹھے، اور حمد و صلوٰۃ کے بعد فرمایا۔

احمدی دوستو! میں اپنے پڑوسی کے خصائل و فضائل کیا بیان کروں۔ جہاں تک مجھے یاد ہے......ان کے محاسن و محامد کی نسبت یہی کہہ سکتا ہوں کہ ع۔

مرے معشوق کے دو ہی نشاں ہیں

مولانا نے اس مصرع کو چند بار دو انگلیاں اٹھا کر دہرایا۔ جب مرزائی سامعین دوسرے

مصرع کے لیے سراپا انتظار بن گئے تو پورا شعر یوں ادا فرمایا۔

مرے معشوق کے دو ہی نشاں ہیں
زباں پر گالیاں، مجنوں سی باتیں

یہ سنتے ہی مرزائیوں کی آنکھیں بچ گئیں۔ اور مولانا اپنی قیام گاہ پر واپس آ گئے۔ ❶

② ایک بار آپ بٹالہ میں ایک جلسہ کی صدارت فرما رہے تھے۔ ایک قادیانی مولوی کو پیشاب کی حاجت ہوئی۔ وہ باہر گئے۔ اور فارغ ہو کر ازار بند پکڑے ہوئے جلسہ گاہ میں آ گئے۔ حاضرین جلسہ کو ان کی اس حرکت سے گدگدی ہونے لگی۔ مولانا نے حاضرین کی کیفیت تاڑ لی۔ اٹھے اور فرمایا کہ "آپ لوگ مولوی صاحب کی اس حرکت پر حیران کیوں ہیں۔ موصوف تو اپنے پیغمبر کی پیشگوئی پر مہر تصدیق ثبت کر رہے ہیں۔ یہ شاعر قادیان ہی کا ارشاد ہے کہ..... ع

اک برہنہ سے نہ یہ ہوگا کہ تا باندھے ازار

اس پر سامعین لوٹ پوٹ ہو گئے۔ اور مولوی صاحب محترم اس طرح روپوش ہوئے کہ پھر ان کا سراغ نہ لگ سکا۔ ❷

③ ایک مناظرے میں مبحث کی تعیین پر گفتگو چل رہی تھی۔ مرزائی "حیات و وفات مسیح" کو موضوع بحث بنانے پر مصر تھے۔ اور مولانا، آسمانی نکاح بابت محمدی بیگم کو زیر بحث لانا چاہتے تھے۔ قادیانی مناظر نے طنزاً کہا: میں نہیں سمجھتا مولوی ثناء اللہ کا محمدی بیگم سے کیا رشتہ ہے کہ انہیں اس کی اتنی حمایت مقصود ہے۔ مولانا نے فوراً فرمایا کہ محمدی بیگم زیادہ سے زیادہ ہماری اسلامی بہن ہو سکتی ہے۔ مگر وہ تو تمہاری (قادیانی امت کی) ماں ہے۔ اگر غیور ہو تو اپنی ماں کو اپنے گھر بٹھاؤ۔ "دوسرے گھروں میں کیوں پھر رہی ہے۔" اس ظریفانہ نکتہ سنجی اور حاضر جوابی پر پوری مجلس قہقہہ زار بن گئی۔ اور فریق مقابل بہت خفیف ہوا۔ ❸

---

❶ تفصیل کے لیے دیکھیے سیرت ثنائی ص ۱۳۴، ۱۳۵۔

❷ ایضاً ص ۱۳۷۔ ❸ ایضاً ص ۱۴۰، ۱۴۱۔

④ پنجاب میں سکھ مسلم فساد کے ایام میں سکھوں کی گوردوارہ پربندھک کمیٹی نے گورداسپور میں ملکی اتحاد واتفاق کی تلقین کے لیے ایک جلسہ منعقد کیا۔ اور تقریر کے لیے مولانا کو بھی مدعو کیا۔ آپ نے اس وقت کے حالات کی نوعیت کا لحاظ کرتے ہوئے نہایت پر اثر تقریر فرمائی۔ دوران تقریر میں آپ کی رگ ظرافت پھڑکی۔ اور آپ نے سکھوں سے کہا کہ وہ ہز ہائینس مہاراجہ صاحب قادیان کا احترام کریں اور ان کی امت کے ساتھ ادب سے پیش آئیں۔ کیونکہ پیغمبر قادیان بھی سکھوں سے کچھ نہ کچھ تعلق رکھتے ہیں۔ اس پر قادیانی سامعین بھڑک اٹھے۔ اور شور مچایا کہ "آپ اپنے الفاظ واپس لیجئے۔ اور تحریری معافی مانگئے۔ ورنہ آپ کے خلاف دعویٰ دائر کیا جائے گا۔

مولانا مسکرائے اور فرمایا میں نے مرزا صاحب کو "مہاراجہ" اور "سکھوں سے قریبی تعلق رکھنے والا" کہا ہے تو کچھ بیجا نہیں کہا ہے۔ بلکہ ان کے ایک الہامی نام کی مناسبت سے کہا ہے۔ آپ نے البشریٰ جلد دوم ص ۱۱۸ میں لکھا ہے کہ خدا نے آپ کا نام "امین الملک جے سنگھ بہادر" رکھا ہے۔ اگر میرا حوالہ غلط ہو تو الفاظ واپس لینے اور تحریری معافی مانگنے کو تیار ہوں۔ ❶

⑤ ایک دفعہ آریہ سماجی اور ایک قادیانی آپس میں جھگڑ پڑے۔ مولانا نے سماجی سے فرمایا۔ بھئی! توبہ کرو۔ اور مرزائیوں سے نہ جھگڑو۔ کیونکہ یہ تمہارے فرمانروا ہیں۔ آپ کی اس بات پر دونوں کو حیرت ہوئی۔ آپ نے فرمایا بھئی! تعجب کیوں کرتے ہو؟ مرزا صاحب نے البشریٰ (جلد ا ص ۶۵) میں اپنے آپ کو "آریوں کا بادشاہ" لکھا ہے۔ یہ سن کر سماجی تو ہنس پڑا۔ اور مرزائی کو بڑی خفت ہوئی۔ ❷

مناظرہ ایک ناگزیر ضرورت کے طور پر

اس میں شبہ نہیں کہ مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے اسلام کے داخلی اور خارجی دشمنوں کے ساتھ جس کثرت قوت، اور کامیابی کے ساتھ مناظرے اور مباحثے کئے ہیں۔ اس میں ہندوستان کا کوئی بڑے سے بڑا عالم بھی آپ کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ اور اسی لیے آپ کو بالاتفاق

---

❶ ایضاً ۱۸۸، ۱۸۹۔ ❷ ایضاً ۱۷۷، ۱۷۸۔

امام المناظرین کہا جاتا ہے۔ لیکن قارئین کے لیے یہ بات شاید باعث حیرت ہو کہ آپ مناظروں کی کثرت پسند نہیں کرتے تھے۔ آپ ''مناظرہ باز'' نہیں بلکہ ''مناظرہ جو'' تھے۔ اس لیے طبعاً آپ کو اس فن سے اگرچہ بے اندازہ مناسبت تھی۔ مگر آپ تفریح طبع یا ہنگامہ آرائی کے بجائے ناگزیر ضرورت کے طور پر ہی مناظرہ کرنے کے قائل تھے۔ اور مناظرہ ہمیشہ اس مقصد کے تحت کرتے تھے کہ حق و باطل کے درمیان فیصلہ ہو جائے۔ اور وہ انصاف پسند اور حق جو طبائع کے لیے مشعل راہ کا کام دے۔

درحقیقت اس وقت ہندوستان کا ماحول ہی کچھ ایسا ہو چلا تھا کہ کوئی بھی تحریک جو دین و مذہب کی بنیاد پر اٹھی ہو۔ اور دعوت عامہ کا کام کر رہی ہو اس کے لیے اس صنف تصادم (مناظرہ) سے گریز ممکن نہ تھا۔ ورنہ مولانا کو اس کا شدید احساس تھا کہ عوامی اصلاح و تربیت کے لیے مناظرات کی گرم بازاری قطعاً مفید نہیں۔ اس سے صرف حفظ و دفاع یا غلط عمارت کے انہدام کا کام لیا جا سکتا ہے۔ لیکن اصلاح و تربیت یا جدید عمارت کی تعمیر و تشکیل کے لیے دوسرے اقدامات ضروری ہیں۔ جو مناظرات سے کہیں زیادہ اہم ہیں۔ چنانچہ جب آپ نے دیکھا کہ سالانہ تبلیغی اجلاس منعقد کرنے والی کمیٹیاں یا انجمنیں مناظروں کے پروگرام کو زیادہ اہمیت دے رہی ہیں تو آپ نے انہیں مخاطب کر کے لکھا۔

> ''جس جس مقام پر اہلحدیث کے جلسے ہوتے ہیں ان کے بانیان کو چاہئے کہ جلسوں میں مناظرانہ مضامین کم رکھا کریں۔ وعظ و نصیحت، ترغیب و ترہیب، متعلق عبادات، اخلاق اور کسب حلال، تجارت، فلاحت وغیرہ پر زیادہ توجہ کریں۔''[1]

حلف کے ذریعہ فیصلہ

تقاریر، مباحثے اور مناظرے کے علاوہ مناظرے ہی سے ملتا جلتا ہوا قادیانیت کی تردید کا ایک ایسا ذریعہ تھا جس کا دروازہ خود قادیانیوں نے کھولا تھا۔ اس دروازے کو کھول کر قادیانیوں نے ایک ایسی شاہراہ پا لینے کی توقع قائم کر رکھی تھی۔ جس سے وہ اپنی مصیبت بھی ٹال سکتے تھے۔

---

[1] اہلحدیث امرتسر ۲۵ نومبر ۱۹۲۷ء۔

اور ''حسن اتفاق'' سے کامیاب بھی ہو سکتے تھے۔ لیکن یہ شاہراہ بھی قادیانیوں کی ناکامی اور باطل پرستی کی ایک خدائی علامت بن گئی۔ اور اس راہ کو اللہ تعالیٰ نے مولانا امرتسری کے ذریعہ کئی بار حق و باطل کے درمیان فیصلہ کن بنایا۔ یعنی جس طرح خود مرزا صاحب نے ۱۵/اپریل ۱۹۰۷ء کو آخری فیصلہ والا اشتہار شائع کر کے اللہ سے یہ فیصلہ چاہا کہ ہم دونوں (مرزا صاحب اور مولانا ثناء اللہ صاحب) میں سے جھوٹا سچے کی زندگی میں ہلاک ہو جائے۔ اور اس کے نتیجہ میں مرزا صاحب خود پہلے ہلاک ہو کر اپنے کذاب و دجال ہونے پر ہمیشہ کے لیے مہر تصدیق ثبت کر گئے۔ اسی طرح قادیانیوں نے متعدد بار مولانا سے اس بات پر حلف کا مطالبہ کیا کہ وہ قادیانی مذہب کو باطل اور غلط جانتے ہیں۔ اور وہ فی الواقع باطل ہے بھی۔ پھر اس حلف کے ساتھ وہ (قادیانی حضرات) مولانا سے یہ شرط لگواتے تھے کہ آپ یہ بھی کہیں کہ ''اللہ! اگر میں اپنی اس قسم میں جھوٹا ہوں تو سال بھر میں میری موت واقع ہو جائے۔ یا کسی شدید عذاب میں مبتلا ہو جاؤں۔'' قادیانی اصطلاح میں یہ قسم ''حلف موکد بعذاب'' کہلاتی ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس قسم کے بعد اگر آپ سال بھر تک موت سے دوچار نہ ہوئے۔ یا عذاب شدید میں مبتلا نہ ہوئے تو آپ برحق ہوں گے۔ اور قادیانی مذہب اس خدائی فیصلہ کی رو سے فی الواقع جھوٹا اور باطل ہوگا۔

مولانا امرتسری سے اس طرح کے حلف کا مطالبہ قادیانی امت کی طرف سے کئی بار کیا گیا۔ اور بڑے بڑے انعامی اشتہارات شائع کیے گئے۔ تاکہ آپ کے گریز و انکار کی صورت میں یہ کہا جا سکے کہ دیکھو! مسلمانوں کا سب سے بڑا وکیل (یعنی مولانا ثناء اللہ امرتسری) قادیانیوں کے باطل پرست ہونے کا یقین نہیں رکھتے۔ اور قادیانیوں کے خلاف اس کی جنگ محض عوام کی توجہ اپنی طرف کھینچنے کے لیے ہے۔ لیکن اگر آپ اس کی قسم کھالیں تو اس کے نتیجے کے لیے ظاہر ہے کہ ایک سال تک انتظار کرنا ہوگا۔ اور اس مہلت کا یہ فائدہ ہوگا کہ جن قادیانیوں کے قدم آپ کی تقریروں اور مناظرات کی سماعت کے بعد لڑکھڑا چکے ہوں گے انہیں مختلف ذرائع سے ثابت قدم کر دیا جائے گا۔

اس قسم کے مواقع پر آپ نے قادیانیوں سے کچھ معقول شرائط منوا کر ان شرائط کی بنیاد پر

قسم کھانی چاہی۔ لیکن قادیانی تو چاہتے ہی تھے کہ مولانا کسی نہ کسی طرح قسم کھانے سے گریز کر جائیں۔ اور انہیں عوام کو اپنے پھندے میں پھانسنے کا موقع مل جائے۔ اس لیے وہ آپ کی کوئی معقول شرط بھی ماننے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ بالآخر آپ نے توکل علی اللہ بغیر کسی شرط وقید کے کئی بار قسم کھائی۔ اور ہر دفعہ قسم کھانے کے بعد سال بھر تک مکمل طور پر محفوظ رہے۔ جو خود قادیانیوں کے اپنے مقرر کردہ اور تسلیم کردہ اصول کے مطابق قادیانیت کے باطل ہونے کی دلیل تھی۔ اس طرح کی قسمیں آپ نے حسب ذیل مواقع پر کھائیں۔

① ۱۹۲۱ء میں قادیان کے اسلامی جلسہ میں حلف اٹھائی۔ جس کا ذکر خود قادیانی اخبار الفضل مورخہ ۴/اپریل ۱۹۲۱ء میں بایں الفاظ درج ہے کہ ''میں (ثناء اللہ) اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرے ایمان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں۔ اور مرزا صاحب جھوٹے ہیں۔''

② ۱۹۲۲ء میں اخبار اہلحدیث میں دو دفعہ بجواب اشتہار سیٹھ عبداللہ علاء الدین سکندر آبادی اس موضوع پر قلم اٹھایا۔ اور قسم لکھی۔ (دیکھئے رسالہ حلف کی حقیقت ص ۵)

③ ۱۹۲۳ء میں سفر حیدر آباد دکن کے دوران سکندر آباد میں ہزاروں کے بھرے جلسے میں قسم کھائی۔ نیز فریقین کے طے شدہ معاہدہ کے مطابق تحریری حلف نامہ پر ۶/فروری ۱۹۲۳ء کو دستخط کیے۔

④ فروری ۱۹۲۶ء میں گوجرانوالہ کے اندر قسم کھائی۔ پھر ۲/اپریل ۱۹۲۶ء کو ایک اشتہار شائع کیا۔ جس کی سرخی ہی یہ تھی۔ ''اللہ کی قسم میں مرزا صاحب قادیانی کو الہامی دعویٰ میں سچا نہیں جانتا۔''

⑤ ۱۹۳۴ء میں اسی موضوع پر اخبار اہلحدیث (۲۶/جنوری ۱۹۳۴ء) میں مضمون لکھا نیز ۱۹۳۴ء کے شمارے میں ایک مفصل ومدلل اشتہار شائع کیا۔

⑥ ۱۹۴۰ء میں اخبار اہلحدیث (۹/فروری کے شمارے) میں پھر حالات کے اقتضاء کے مدنظر اس پر خامہ فرسائی فرمائی۔

⑦ ۱۹۴۴ء میں اخبار اہلحدیث ۱۵، ۲۲/ستمبر ۲۹/ستمبر اور ۲۷/اکتوبر کے شماروں) میں

مضامین لکھے۔ جسے انجمن اہلحدیث سکندر آباد (حیدر آباد دکن) نے بڑی تعداد میں بصورت اشتہار شائع کیا۔

⑧ ۱۹۴۵ء میں اخبار اہلحدیث (۱۵/ اکتوبر اور ۲۶/ اکتوبر کے شماروں) میں رہوار قلم کو پھر اسی راہ پر گامزن کیا۔

⑨ ۱۹۴۶ء میں اخبار اہلحدیث (۱۱/ جنوری، یکم فروری، یکم مارچ، ۸/ مارچ اور ۲۴/ مئی کے شماروں) میں پھر اس موضوع پر متعدد مضامین سپرد قلم کیے۔

⑩ ۱۹۴۷ء میں ۳۱/ جنوری اور ۷/ فروری کے مشترکہ شمارے میں پھر یہی مضمون مولانا کے قلم کی جولان گاہ بنا۔ اور اس کے ساتھ ہی آپ کے شاگرد رشید اور فیض یافتہ خاص، مولانا عبداللہ معمار امرتسری فاضل مرزائیات نے اس موضوع پر ایک بسیط سلسلہ مضمون کا آغاز کیا۔ جس کا عنوان تھا ''قادیانی حلف کی ابتداء اور انتہا۔'' یہ مضمون اہلحدیث کے مذکورہ بالا شمارے (۳۱/ جنوری ۷/ فروری ۱۹۴۷ء) سے شروع ہو کر ۱۶، ۲۳/ مئی ۱۹۴۷ء کی اشاعت پر دس قسطوں میں ختم ہوا۔ اس مضمون میں اس موضوع پر اتنی مکمل اور جامع بحث کی گئی ہے کہ اسے حرف آخر قرار دیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اس مضمون کی اشاعت کے بعد قادیانی حضرات کو پھر اس سلسلے میں لب کشائی کی جرأت نہ ہوئی۔ اور پھر دو ہی تین مہینوں میں ملک کی تقسیم اور طرح طرح کے حوادث و مشکلات اور تغیرات و انقلابات کا ایسا چکر چلا کہ فضا ہی بالکل بدل کر رہ گئی۔ اور مولانا کی وفات تک حالات ہی کچھ اس قسم کے رہے کہ اس قسم کے مباحث کا سوال ہی جاتا رہا۔

❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀

تصانیف

ردقادیانیت سے متعلق مولانا امرتسریؒ کی تصنیفات کا تعارف شروع کرنے سے پہلے ہی ہم نہایت صفائی کے ساتھ عرض کر دینا چاہتے ہیں کہ باوجود کوشش کے اس موضوع پر مولانا کی جملہ تصانیف کی تعداد ٹھیک معلوم نہ ہو سکی۔ پھر جن تصنیفات کا علم ہوا وہ سب کی سب دستیاب بھی نہ ہو سکیں۔ اس لئے اس تعارف کو جامع تعارف سے تعبیر نہ کیا جا سکتا۔ یہ وضاحت بھی بیجا نہ ہو گی کہ ہم نے اس عنوان کے تحت مولانا کی بعض ایسی تصانیف کا بھی ذکر کر دیا ہے جو مستقلاً قادیانیت کے موضوع پر نہیں ہیں۔ بلکہ جزوی طور پر اس میں یہ بحث آ گئی ہے۔

(۱) تفسیر ثنائی

(تالیف از ۱۳۱۳ تا سنہ) جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ ردقادیانیت نہیں بلکہ تفسیر قرآن کے موضوع پر لکھی گئی ہے۔ لیکن اس کی ایک اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ جگہ جگہ فٹ نوٹ اور حواشی کے ذریعہ مخالفین اسلام اور بتدعین فی الاسلام کے اعتراضات اور ان کے عقیدہ و مذہب کی تردید کی گئی ہے۔ ردقادیانیت سے متعلق بھی چھوٹے بڑے حواشی اس تفسیر میں جگہ جگہ موجود ہیں۔

انیسویں صدی کے اواخر میں جب اس تفسیر کا سلسلۂ تالیف شروع ہوا تھا۔ حیات ووفات مسیح کا مسئلہ پوری شدت کے ساتھ زیر بحث تھا۔ مرزا صاحب نے وفات مسیح کے اثبات کے لئے دلائل کے نام پر تیں عدد نقلی مغالطات فراہم کر رکھے تھے۔ جس میں اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگوں کو بھی الجھا دیا کرتے تھے، مولانا امرتسریؒ نے اس تفسیر کی دوسری جلد میں اس موضوع پر مفصل بحث کی ہے۔ اور مرزا صاحب کے تمام ''دلائل'' کے تار و پود اس طرح بکھیر کر رکھ دیئے ہیں کہ اس پر مزید بحث و گفتگو کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی ہے۔ یہ بحث ص ۲۹ سے

شروع ہو کر ص ۱۰۹ پر ختم ہوئی ہے۔ یعنی کل اکیاسی صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اگر اسے جمع کر دیا جائے تو ایک خاصہ رسالہ تیار ہو جائے گا۔ مولانا کی محفوظ تحریروں میں یہ سب سے قدیم تحریر ہے۔ اور اس کی تردید مرزا صاحب اور ان کی امت سے نہیں ہو سکی ہے۔ کیونکہ مولانا کی طاقتور گرفتوں سے نکل جانا ان کے بس کا روگ نہیں۔

(۲) الہامات مرزا (تالیف: ۱۹۰۱ء)

اس کا ذکر پچھلے صفحات میں آچکا ہے۔ رد قادیانیت کے موضوع پر یہ مولانا امرتسری رحمہ اللہ کی غالباً پہلی باقاعدہ تصنیف ہے۔ جو اپنے موضوع پر شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور اپنی نظیر آپ ہے۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے۔ یہ مرزا صاحب کی زندگی میں انعامی چیلنج کے ساتھ تین یا اس سے زائد بار شائع ہو چکی تھی۔ اس میں مرزا صاحب کے مقرر کیے ہوئے معیار ان کا صدق وکذب جانچا گیا ہے۔ اور خود ان کے اپنے بیانات کی روشنی میں نہایت دوٹوک طور پر ثابت کیا گیا ہے کہ وہ اپنے دعوں میں جھوٹے، مفتری، فریب کار اور دجال ہیں۔

اس رسالہ کا تیسرا اور چھٹا ایڈیشن ہمارے پاس موجود ہے۔ تیسرے ایڈیشن کے مقدمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے پہل اس سلسلہ میں مرزا صاحب کی حسب ذیل چار پیشینگوئیوں پر بحث کی گئی تھی۔

① متعلقہ ڈپٹی عبداللہ آتھم۔
② متعلقہ پنڈت لیکھرام۔
③ متعلقہ محمدی بیگم (مرزا صاحب کی آسمانی منکوحہ) واحمد بیگ وسلطان محمد (شوہر محمدی بیگم)
④ متعلقہ مولانا محمد حسین بٹالوی۔ ملا محمد بخش لاہوری ومولانا ابوالحسن تبی۔

لیکن تیسرا ایڈیشن ...... مطبوعہ ۱۹۰۴ء...... شائع ہوتے ہوتے چونکہ مرزا صاحب کی پیشینگوئیوں کی پر بحث کا اضافہ کر دیا گیا۔

⑤ متعلقہ نشان آسمانی میعادی سہ سالہ
⑥ متعلقہ طاعون پنجاب
⑦ متعلقہ حفاظت قادیان

⑧ یہ پیشین گوئیوں کہ مولانا امرتسری رحمہ اللہ مرزا صاحب کی پیشنگوئیوں کی پڑتال کے لئے قادیان نہ جائیں گے۔

⑨ عجیب پیشنگوئی۔

پھر پانچویں اور چھٹے ایڈیشن میں محمدی بیگم اور اس کے متعلقین کی بابت پیشنگوئی کی بحث دو مستقل عنوانات پر تقسیم کردی گئی، (۱) محمدی بیگم سے متعلق (۲) مرزا احمد بیگ اور مرزا سلطان محمد سے متعلق۔ نواں نمبر یعنی عجیب پیشین گوئی والی بحث حذف کردی گئی۔ اور مرزا صاحب کی اپنی عمر سے متعلق پیشنگوئی اور ''مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ'' کے عنوانات پر بحث کا اضافہ کردیا گیا۔

یہ رسالہ کتنی عرق ریزی، دیدہ سوزی اور تحقیق انیق کے بعد لکھا گیا ہے۔ اس کا اندازہ مولانا امرتسریؒ کے اس بیان سے ہوتا ہے۔

''میں نے اس بارے میں...... یعنی قادیانی مذہب کی تحقیق کے بارے میں۔ ص...... اتنی محنت کی ہوگی۔ بلکہ میں نے بھی کسی اور مذہب (آریہ وغیرہ) کی جانچ پڑتال کے لئے اتنی محنت نہ کی ہوگی۔ اس محنت کا نتیجہ یہ رسالہ ''الہامات مرزا'' ناظرین کے سامنے موجود ہے''[1]۔

میں پہلے دوسرے اور تیسرے ایڈیشن پر علی الترتیب پانچ سو، ایک ہزار اور دو ہزار روپے کے انعامات رکھے گئے۔ لیکن قادیانی امت کی طرف سے اس کے جواب لکھے جانے پر آمادگی کے اظہار اور اعلان کے باوجود پوری قادیانی امت اپنے نبی سمیت اس کے جواب سے قاصر رہی۔ بلکہ بہت سے افراد قادیانی صفوں سے ٹوٹ کر حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔

اس صورت حال سے تنگ آکر قادیانیوں نے ۱۹۱۱ء میں ''آئینۂ حق نما'' کے نام سے ایک رسالہ اس کے جواب میں شائع کیا۔ مولانا امرتسری رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

''جواب کیا ہے؟ فحش گالیوں اور بدزبانیوں کو الگ کرکے بجائے تردید کے بفضلہ تعالیٰ تائید ہے''[2]۔

---

❶ الہامات مرزا طبع ششم ص ۳ ❷ الہامات مرزا طبع ششم ص ۳

''مجھے اس رسالہ آئینہ کے دیکھنے سے قادیانی جماعت پر پہلے کی نسبت زیادہ گمانی ہوگئی۔ کیونکہ میں نے اس میں دیکھا کہ وہ ایسی بات کہتے ہیں جس کی بابت میں دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں کہ کہنے والے کا ضمیر خود اس کو ملامت کرتا ہے۔ الفاظ دل اور قلم سے نہیں نکلتے۔ مگر زور سے نکالے جاتے ہیں۔ یہی معنی ہیں۔ **جحدوابها واستيقنتها انفسهم ظلما وعلوا**''۔ ❶

''رسالہ مذکورہ (آئینہ حق نما) کیا ہے؟ اچھا خاصہ گالیوں اور بدزبانیوں کا کافی مجموعہ ہے۔ مگر ہم اس کے جواب میں کسی قسم کی بدزبانی سے کام نہ لیں گے۔ نہ لینا چاہتے ہیں۔ کیوں؟

مجھ میں اک عیب بڑا ہے کہ وفادار ہوں میں
ان میں دو وصف ہیں، بدخو بھی ہیں، خودکام بھی ہیں ❷

بہرحال مولانا نے ''الہامات مرزا'' کا پانچواں اور چھٹا ایڈیشن'' آئینۂ حق نما'' کے جواب سمیت شائع کیا، یہ جواب اتنا سنجیدہ اور ٹھوس ہے کہ آج تک قادیانی امت سے اس کی تردید نہ ہوسکی۔

(۳) ہفوات مرزا

یہ رسالہ ''الہامات مرزا'' کے جلد ہی بعد شائع ہوا ہے۔ لیکن اس پر تاریخ تالیف درج نہیں ہے۔ ہمارے پاس اس کا دوسرا ایڈیشن ہے۔ جس کی اشاعت ۱۹۰۴ء میں ہوئی تھی۔

اس رسالے میں مرزا صاحب کے کچھ عقائد اور چند ایک تناقضات ذکر کئے گئے ہیں۔ اور بتلایا گیا ہے کہ اس قسم کے اختلاف ایک الہامی نبی تو درکنار ایک ادنیٰ درجہ کے مصنف سے بھی بعید ہیں۔ رسالہ مختصر ہے۔ مگر خاص دلچسپ اور اثر انگیز ہے۔ کوئی شخص خالی الذہن اور غیر جانبدار ہوکر اس کا مطالعہ کرے تو اس قطعاً شبہ نہیں رہ سکتا کہ مرزا صاحب نے دعاوی میں بالکل جھوٹے اور غلط گو تھے۔ اور یہ کہ وہ حالات کا رخ دیکھ کر کوئی بات کہتے تھے، پھر تھوڑے ہی دنوں میں اس کے بالکل متناقض اور خلاف کہہ ڈالتے تھے۔ جو ان کے دماغی خلل اور عدم توازن یا

---

❶ ایضاً ص۴ ❷ ایضاً ایضاً

کمال درجہ کی فریب کاری کی علامت ہے۔

(۴) صحیفۂ محبوبیہ

(تالیف: نومبر ۱۹۰۹ء، تاریخ اشاعت: ۱۵ دسمبر ۱۹۰۹ء) اس کی تالیف کا پس منظر یہ ہے کہ مرزا صاحب کی وفات کے بعد نئے قادیانی رہنماؤں نے ایک مخصوص پلان کے تحت ہندوستان کے مسلم راجاؤں اور نوابوں کے دربار میں اپنے اثرات پھیلانے کی کوشش کی۔ کچھ عجب نہیں کہ قادیانی حکومت کے قیام کی جو اسکیم ان کے مدنظر تھی۔ یہ بھی اس کی تدابیر کا ایک جز رہا ہو۔ غالباً اسی اسکیم کے تحت نواب رام پور کا ایک درباری قادیانی بنایا گیا جس کے سبب رام پور کا مشہور مناظرہ پیش آیا۔ (تفصیل گزر چکی ہے)

دوسری طرف بیسویں صدی کے ابتدائی چند برسوں میں ہندوستان بھر میں عموماً طاعون، قحط، وبا اور دوسرے حوادث ارضی وسماوی جو پیش آئے تھے اور خاص حیدرآباد دکن کے علاقے میں ۱۹۰۸ء میں جو بے مثال طوفان اور موسی ندی کی ہیبت ناک تباہ کاریاں پیش آئی تھیں۔ انہیں حادثات اور تباہ کاریوں کو بنیاد بنا کر قادیانیوں کی طرف سے نواب حیدرآباد دکن شاہ آصف جاہ میر محبوب علی خان کو یہ تبلیغ کی گئی تھی کہ چونکہ ان حوادث کی خبر ہمارے مرزا صاحب قادیانی نے پہلے ہی سے دے دی تھی اس لئے مرزا صاحب اپنے دعویٰ میں سچے تھے یعنی مامور من اللہ، مسیح موعود، مہدی معہود اور نبی و رسول تھے۔ آپ پر ایمان لانا فرض ہے۔ اور اس کے بغیر نجات نہیں ہو سکتی۔

یہ تبلیغ جس رسالہ کے ذریعہ کی گئی تھی اس کا نام صحیفۂ آصفیہ تھا۔ اور اس کے مصنف خود اس وقت کے قادیانی خلیفہ حکیم نور الدین صاحب تھے۔ مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے اس رسالہ کو دیکھتے ہی اس کا نوٹس لیا۔ اور نواب حیدرآباد کی نسبت سے اپنے جوابی رسالہ کا نام صحیفۂ محبوبیہ رکھا۔

''الہامات مرزا'' کی طرح اس رسالہ میں بھی مرزا صاحب کے صدق و کذب کو موضوع گفتگو بنایا گیا ہے اور خود مرزا صاحب اور ان کی امت کے مسلمہ اصولوں کی بنیاد پر مرزا صاحب کا کذاب و مفتری ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ بلکہ خود قادیانی خلیفہ نے جن دروغ بافیوں، ابلہ فریبی اور مغالطہ بازی کی بنیاد پر رسالہ آصفیہ کی عمارت کھڑی کی تھی۔ انہیں طشت ازبام کر کے قادیانی

مشن کو بیچ چوراہے پر ننگا کر دیا گیا ہے۔ اس رسالہ میں مولانا کے قلم کی جولانی اور لطافت طبع قابل دید ہے۔ اس رسالہ کا اثر یہ ہوا کہ ایک عرصہ تک سرزمین حیدرآباد میں قادیانیت کو در آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اور جب اس نے قدم رکھا بھی تو دبک کر اور خفیہ طریق سے۔

(۵) فاتح قادیان (ترتیب: اپریل ۱۹۱۲ء)

اپریل ۱۹۱۲ء میں مولانا امرتسری رحمہ اللہ اور قادیانیوں کے درمیان لدھیانہ میں جو فیصلہ کن اور تاریخ ساز انعامی مناظرہ ہوا تھا۔ یہ رسالہ اسی مناظرہ کی روداد اور طرفین کی تحریروں نیز جج حضرات کے فیصلوں پر مشتمل ہے۔ مرزا صاحب کی ''یادگار'' کے طور پر ۲۶ مئی ۱۹۱۲ء کو اس کی اشاعت ہوئی (مناظرہ کی روداد گزر چکی ہے)

(۶) فتح ربانی (تربیت: مئی ۱۹۱۶ء)

یہ اس اہم تحریری مناظرہ کی روداد ہے جو ۲۹/۳۰/ اپریل ۱۹۱۲ء کو بڑے اہتمام کے ساتھ امرتسر میں مولانا اور قادیانیوں کے درمیان منعقد ہوا تھا۔ مناظرہ کی روداد، طرفین کی تحریریں اور اخیر میں ایک مبسوط ریویو اس رسالے کے مشتملات ہیں۔ اس مناظرہ کی روداد بھی گزر چکی ہے۔

(۷) عقائد مرزا (تالیف: نومبر ۱۹۱۶ء)

یہ ایک مختصر سا رسالہ ہے جس میں مرزا صاحب کے بیس عدد عقائد یا دعاوی خود انہیں کے الفاظ میں بحوالہ کتاب وبقید صفحات درج کیے گیے ہیں۔ ان عقائد یا دعاوی پر ایک سرسری نظر ڈالنے ہی سے مرزا صاحب کی ضلالت اور دائرہ اسلام سے ان کا خروج عیاں ہو جاتا ہے۔ اور کوئی بھی شخص جو اسلام عقائد سے واقف ہو۔ مرزا صاحب کی اصل پوزیشن سمجھنے میں متردد نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ لاہوری پاٹی کے مبلغین ایک مرتبہ مدراس گئے۔ واپس آ کر انہوں نے ایک مجمع میں ترچناپلی کا ذکر یوں سنایا کہ:

> 'ہمارے اور مسلمانوں مخالفوں کے مباحثہ کے لئے عیدگاہ کا میدان مقرر ہوا۔ جہاں ایک حوض بھی تھا۔ ہم بہت سی کتابیں لے کر گئے تو وہاں ایک صاحب کھڑے ہوئے۔ جن کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا ٹریکٹ تھا۔ وہ اسے پڑھنے

لگے۔حاضرین نے پوچھا وہ کیا تھا؟ بولے: وہ مولوی ثناء اللہ صاحب کا عقائد مرزا تھا اس کے پڑھنے کا یہ اثر ہوا کہ ہماری تمام کتابیں اٹھا اٹھا کر اس حوض میں ڈال دیں اور دست بدست۔ ہماری وہ خاطرہ ہوئی جو ان شعروں میں مذکور ہے۔

شیخ جی محفل رنداں میں کبھی آئے گئے
خوسے لاچار تھے، کچھ وعظ بھی فرمائے گئے
آخر اس طرح وہ واں سے نکلوائے گئے
پابدست دگرے، دست بدست دگرے [1]

(۹) چیستان مرزا (تالیف: جون ۱۹۱۷ء)

اس عنوان سے امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے کئی بار مرزا صاحب کے الہامات وفرمودات میں اختلاف اور تضادات کا دلچسپ اور پرلطف مرقع پیش کیا تھا۔ اور انہیں حل کرنے پر انعامات دینے کا بھی اعلان کیا تھا۔ چنانچہ دسمبر ۱۹۰۷ء کے مرقع قادیانی میں اس عنوان پر لکھے گئے ایک مضمون کو ایک ماہ میں حل کرنے پر مرزا صاحب کو پانچ سو روپے انعام دینے کا اعلان کیا گیا تھا (جسے مرزا صاحب حاصل نہ کر سکے) لیکن اس عنوان کے تحت سب سے زیادہ دلچسپ مضمون ۱۵/ جون ۱۹۱۷ء کے اہلحدیث میں شائع ہوا۔ اس کی بابت مولانا امرتسریؒ نے مضمون کے آغاز ہی میں لکھا کہ:

”اس کا جواب لاہوری پارٹی کے سربراہ دیں تو ایک صدر روپیہ، قادیانی پارٹی کے رئیس میاں محمود دیں تو دو سو روپیہ انعام کے مستحق ہوں گے ...... فیصلہ کی صورت یہ ہوگی کہ تین اصحاب منصف ہوں گے۔ ایک ایک فریقین کا۔ تیسرا سرپنچ غیر مسلم مسلّمہ طرفین [2] ......

---

[1] ہفت روزہ اہلحدیث امرتسر یکم فروری ۱۹۱۸ء [2] چیستان مرزا ص ۲ ملخصاً

لیکن جب کسی نے جواب لکھنے پر آمادگی ظاہر نہ کی تو حسب اعلان پندرہ دن کے بعد اسے کتابی شکل میں شائع کردیا گیا۔

یہ رسالہ اگرچہ نہایت مختصر ہے لیکن قادیانیوں کے گلے میں پھانس بن کر اٹک گیا ہے۔ مولانا نے اس رسالہ میں قرآن کے اس اصول کی بنیاد پر کہ الہامی کلام میں اختلاف نہیں ہوتا، مرزا صاحب کے دو معاملات پر بحث کی ہے اور ان دونوں میں سے ہر ایک میں کھلا ہوا اختلاف دکھلایا ہے۔

① سنہ بعثت ..... اس سلسلے میں مولانا نے ابتداء مرزا صاحب کی کتابوں سے چار اقتباسات نقل فرمائے ہیں۔ (از ازالۂ اوہام ص ۱۸۵، تریاق القلوب ص ۱۶ و ۶۸ اور تحفہ گولڑویہ تقطیع کلاں ص ۱۷) ان چاروں مقامات میں مرزا صاحب نے اپنا سن بعثت پورے ۱۳۰۰ھ بتلایا ہے۔ اس کے بعد تتمہ حقیقۃ الوحی کے صفحہ ۱۹۹ سے ایک عبارت نقل کی ہے۔ جس کا مدعا یہ ہے کہ مرزا صاحب کی بعثت ٹھیک ۱۲۹۰ھ میں ہوئی۔ پھر ازالۂ وہام ص ۲۵۷ و ص ۲۷۵ سے دو اقتباسات نقل کئے ہیں۔ اور ان دونوں کا اقتضا یہ ہے کہ مرزا صاحب کی بعثت ۱۲۷۴ھ میں ہوئی۔ (اختلاف ظاہر ہے)

② مرزا صاحب کی موت...... اس سلسلے میں پہلے حقیقۃ الوحی ص ۲۰۰ کی ایک عبارت نقل کی ہے۔ جس کا مقتضا یہ ہے کہ مرزا صاحب کی وفات ۱۳۳۵ھ میں ہوگی۔ پھر حاشیہ تریاق القلوب ص ۱۳ سے مرزا صاحب کا ایک الہام نقل کیا ہے کہ خدا انہیں اسی برس یا کچھ کم وبیش عمر دے گا۔ پھر آپ نے بتلایا ہے کہ تریاق القلوب ص ۶۸ کی ایک عبارت کے مطابق تیرھویں صدی کے خاتمہ پر مرزا صاحب کی عمر چالیس سال تھی اس حساب سے ۱۳۳۵ھ میں آپ کی عمر ۷۵ سال کی ہوگی جو الہام کے عین مطابق ہے۔ لیکن دوسری طرف مرزا صاحب نے اعجاز احمدی (ص ۳) میں اپنے آپ کو آتھم کا ہم عمر بتایا ہے۔ اور اس کی عمر (اس کی وفات کے وقت) قریب ۶۴ سال بتائی ہے۔ اور اس کی وفات خود مرزا صاحب کے حسب بیان ۱۸۹۲ء میں ہوئی (دیکھئے انجام آتھم ص ۱) اور معلوم ہے کہ مرزا صاحب اس کے بارہ برس بعد ۱۹۰۸ء (مطابق ۱۳۲۶ھ) میں فوت ہوئے۔ اس حساب سے مرزا صاحب کی عمر ۱۳۳۵ھ کے بجائے ۱۳۲۶ھ

ہی میں ۶۷ سال ہوگئی۔ (اختلاف ظاہر ہے) مولانا کا یہ رسالہ اتنا لطیف و دلآویز اور اسلوب تحریر اس قدر دلکشی و ظرافت سے بھرپور ہے کہ پڑھنے والا ذرا بھی نہیں محسوس کر پاتا کہ وہ ریاضی جیسی کوئی گاڑھی، پر پیچ اور خشک بحث کا مطالعہ کر رہا ہے۔

(۱۰) زار قادیان (تالیف: جون ۱۹۱۷ء)

یہ بھی ایک مختصر سا رسالہ ہے جو پہلے پہل ۲۹/ جون ۱۹۱۷ء کے ہفت روزہ اہلحدیث امرتسری رحمہ اللہ میں بصورت مضمون شائع ہوا تھا۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ ۱۹۱۷ء جب روس کے اندر کمیونسٹ انقلاب آیا تو زار روس سے متعلق مرزا صاحب کی ایک غیر متعلق عبارت کو سہارا بنا کر قادیانیوں نے پروپیگنڈہ شروع کیا کہ یہ انقلاب مرزا صاحب کی پیشینگوئی کے مطابق آیا ہے۔ جس سے آپ کے مامور من اللہ ہونے کے دعویٰ کی تصدیق ہوتی ہے۔ مولانا امرتسریؒ نے اس رسالہ میں دکھلایا ہے کہ خود مرزا صاحب کی تصریح کے مطابق اس عبارت کا تعلق انقلاب روس سے نہیں ہے۔ تنقیح و تحقیق لائق دید و شنید ہے۔

(۱۱) فسخ نکاح مرزائیاں (ترتیب: ۱۹۱۸ء)

یہ ایک سو نواسی (۱۸۹) علماء کا متفقہ فتویٰ ہے جو مولانا امرتسریؒ کے زیر سرپرستی مرتب ہو کر شائع ہوا ہے۔ سوال کرنے والے نے مرزا صاحب کی عبارتوں کے پچیس ایسے اقتباسات نقل کئے ہیں جو ان کے مختلف دعووں پر مشتمل ہیں۔ اور پوچھا ہے۔ کہ ”جو شخص مرزا قادیانی کا ان اقوال میں مصدق ہو اس کے ساتھ مسلم غیر مصدقہ کا رشتہ زوجیت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور تصدیق بعد نکاح موجب افتراق ہے یا نہیں؟ [1]

ہمارے پاس اس رسالہ کے دو ایڈیشن موجود ہیں، ایک جولائی ۱۹۱۹ء کا، اور دوسرا مارچ ۱۹۳۴ء کا شائع شدہ ہے، آخری ایڈیشن میں کسی قدر اضافہ ہے جو بعض قادیانیوں کی تازہ بتازہ ہفوات کا جواب ہے۔

---

[1] فسخ نکاح مرزائیاں ص ۳-۴

(۱۳) تاریخ مرزا (تالیف: جون ۱۹۱۹ء)

یہ تصنیف مولانا کی شاہکار تصانیف میں سے ہے۔ اس کی تالیف کے محرک مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی مرحومؒ تھے۔ ان کی یہ تحریک جس دوراندیشی پر مبنی تھی اسے مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے دیباچہ میں اس طرح روایت کیا ہے کہ انہوں نے:

"ایک روز برسبیل تذکرہ فرمایا کہ یہ جتنا کچھ آج تک لکھا گیا ہے، مسائل مرزا پر لکھا گیا جو کافی ہے۔ اس وقت تو بہت سے لوگ مرزا صاحب کی شخصیت کے جاننے والے خاص کر پنجاب میں موجود ہیں۔ ممکن ہے کچھ مدت بعد ان کی شخصیت کی تلاش ہو نہ ملنے پر ان کی تصنیفات اپنا اثر کر جائیں اس لئے کوئی کتاب بطور سوانح کے لکھی جائے تو موجودہ اور آئندہ نسلوں کو بہت مفید ہو"۔ ❶

اس تحریک پر مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے قلم اٹھایا اور مرزا صاحب کی معنوی شخصیت کا مرقع خود انہیں کے اشتہارات اور تالیفات کی روشنی میں اس طرح کھینچ دیا ہے کہ پورا سراپا جلوہ گر ہو گیا ہے اور ان کے تمام مراحل حیات نمایاں ہو کر سامنے آ گئے ہیں۔ مناظرانہ اور ظریفانہ مزاج رکھنے کے باوجود مولانا نے اس کتاب میں مناظرانہ رنگ اور ظریفانہ طنز و تعریض کو کوئی جگہ نہیں دی ہے۔ مرزا صاحب کی سوانح حیات کے سلسلہ میں اس کتاب کا شمار مستند ترین مآخذ میں ہوتا ہے اور اس کی واقعاتی صحت پر مخالفین و موافقین سبھی متفق ہیں۔ معارف اعظم گڈھ نے ریویو کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"مرزا غلام احمد قادیانی کی تاریخ مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ صاحب امرتسری رحمہ اللہ نے مرتب کی ہے۔ مولانا ابوالوفاء اس میدان کے مرد ہیں اور قادیانی لٹریچر کے نقاد ہیں۔ اس لیے ان کے قلم سے اس موضوع پر جو کچھ نکلا ہے وہ ایک مستند ذریعہ معلومات ہے"۔ ❷

---

❶ تاریخ مرزا طبع۔ دیباچہ ص ۱،۲۔ ❷ اہلحدیث امرتسر ۲۴/ اکتوبر ۱۹۱۹ء

(۱۴) شاہ انگلستان اور مرزائے قادیان (تالیف: اگست ۱۹۲۱ء)

مرزا صاحب کی عادت تھی کہ وہ ہوا کا رخ دیکھ کر پیشینگوئیاں جڑ دیا کرتے تھے۔ ۱۹۰۲ء میں جب لارڈ کرزن وائسرائے ہند نے صوبہ بنگال کو مشرقی اور مغربی دو حصوں میں تقسیم کیا تو بنگالیوں نے بہت شور مچایا۔ اس پر ہوا کا رخ دیکھ کر مرزا صاحب نے ایک گول مول الہام شائع کیا کہ:

''پہلے بنگالہ کی نسبت جو حکم جاری کیا گیا تھا اب ان کی دلجوئی ہوگی''

اس وقت اس الہام کا یہی مطلب سمجھا گیا کہ تقسیم بنگالہ منسوخ ہو جائے گی۔ لیکن شدید شورش کے باوجود جب حکومت اپنے فیصلہ پر اڑی رہی تو مرزا صاحب کو کچھ پریشانی لاحق ہوئی۔ اسی دوران مشرقی بنگال کے گورنر سر فلر نے استعفیٰ دے دیا۔ اس پر مرزا صاحب کے زیر اہتمام قادیانی ماہنامہ ریویو آف ریلیجنس میں ایک مضمون نکلا۔ جس میں لکھا گیا کہ مرزا صاحب کی پیش گوئی کا مطلب یہ تھا کہ تقسیم منسوخ نہ ہوگی بلکہ کسی دوسرے طریق سے دلجوئی ہوگی۔ چنانچہ سر فلر کی مستعفی ہونے سے ان کی دلجوئی ہوگئی۔ لہٰذا پیش گوئی صحیح نکلی۔ یہی بات مرزا صاحب نے بھی ''حقیقۃ الوحی'' کے صفحات ۲۹۶...... ۲۹۸ میں لکھی۔ اور بتلایا کہ بنگالیوں کی پورے طور پر دلجوئی ہوگئی۔ لیکن جب مرزا صاحب اور ان کے حواری یہ تشریح اور تظریح کر چکے کہ تقسیم بنگال منسوخ نہ ہوگی اور اس پر خوب اترا اور کود پھاند چکے تو ۱۹۱۱ء میں شاہ انگلستان نے دہلی میں دربار کیا۔ اور کلکتہ کے بجائے دہلی کو دارالسلطنت قرار دیتے ہوئے بنگال کی تقسیم کی منسوخی کا اعلان کر دیا...... اس اعلان سے مرزا صاحب کی جیسی دوٹوک تکذیب ہوتی ہے وہ بالکل عیاں ہے۔ لیکن قادیانیوں کی ڈھٹائی دیکھئے کہ وہ اس اعلان کو الٹے مرزا صاحب کی تصدیق کے ثبوت میں کرنے لگے۔ مولانا امرتسریؒ نے اپنے اس مختصر سے رسالے ''شاہ انگلستان اور مرزائے قادیان'' میں ان کے اس پردے کو اچھی طرح فاش کیا ہے اور ان کی حیلہ بازیوں کی قلعی دلچسپ طریقہ پر کھول کر رکھ دی ہے۔

(۱۵) قادیانی مباحثۂ دکن (ترتیب: فروری ۱۹۲۳ء)

سکندر آباد (حیدر آباد دکن) میں مولانا امرتسریؒ اور قادیانیوں کے درمیان ۳۱/ جنوری ۱۹۲۳ء کو جو اہم مناظرہ ہوا تھا یہ رسالہ اسی کی روداد ہے۔ ہمیں یہ رسالہ دستیاب نہ ہوسکا۔ اس لئے اس کے مشتملات ومندرجات کا مفصل علم نہ ہوسکا۔ مناظرہ کی کیفیت سفر حیدر آباد کے ضمن میں لکھی جا چکی ہے۔

(۱۶) شہادات مرزا، ملقب بہ عشرۂ مرزائیہ (تالیف: اکتوبر ۱۹۲۳ء)

یہ رسالہ مولانا امرتسری رحمہ اللہ کی نفیس ترین اور اچھوتی تصنیف ہے۔ اس میں دس شہادتوں سے مرزا صاحب کے دعاوی کی تردید کی گئی ہے۔ اور یہ دس شہادتیں تین ایسے ماخذ سے فراہم کی گئی ہیں جو قادیانی حضرات کے نزدیک واجب التسلیم ہیں یعنی (۱) احادیث صحیحہ سے (۲) مرزا صاحب کی وحی والہام سے (۳) مرزا صاحب کے اپنے حیار واقوال سے۔ پہلے باب میں احادیث صحیحہ سے مسیح موعود کی تین ایسی علامتیں کی گئی ہیں۔ جن سے مرزا صاحب قطعی طور پر عاری تھے۔ ان احادیث سے جان چھڑانے کے لئے مرزا صاحب اور ان کے حواری جو راہیں اختیار کرتے تھے وہ سب مسدود کر دی گئی ہیں۔ دوسرے باب میں مرزا صاحب کے تین ایسے الہامات نقل کیے گئے ہیں جنہیں خود مرزا صاحب نے اپنے صدق وکذب کا معیار ٹھہرایا تھا اور وہ الہامات صاف طور پر غلط ثابت ہو کر مرزا صاحب کے کذب کی نشانی بن گئے۔ تیسرے باب میں مرزا صاحب کے چار بیانات کو ان کے کذب ودروغ کی شہادت میں پیش کیا گیا ہے۔

یہ رسالہ ردّ مرزائیت کے سلسلے میں ایسا منفرد ولاجواب ہے کہ مولانا نے اس کے جواب پر لفیصلۂ منصف مبلغ ایک ہزار روپے کا اعلان کیا، اور اسے امپیریل بینک امرتسر میں جمع بھی کر دیا۔ لیکن کسی کو جواب لکھنے کی جرأت نہ ہوئی۔ مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے اس رسالہ کی بابت یہ امید ظاہر کی تھی کہ ''ناظرین اس رسالہ کو اس بحث میں اچھوتا پائیں گے'' [1] اور ان کی یہ امید صدفی صد درست تھی۔

---

[1] شہادات مرزا ص ا۔

(۱۷) نکات مرزا (تالیف: فروری ۱۹۲۶ء)

یہ رسالہ بڑی دلچسپ صورت حال کی یادگار ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مارچ ۱۹۲۵ء قادیان کے اندر اہل سلام کا جلسہ ہوا۔ بعض علمائے دیوبند نے دوران تقریر میں مرزا صاحب کے ''معارف قرآنیہ'' پر بھی چھینٹا ڈالا۔ اس پر خلیفۂ قادیان میاں محمود نے علمائے دیوبند کو اپنے بالمقابل تفسیر نویسی اور نکات آفرینی کا چیلنج دیا۔ مقابلہ کی صورت میں یہ تجویز کی کہ قرآن کریم کے تین رکوع کسی جگہ سے قرعہ ڈال کر انتخاب کرلیں اور تین دن تک اس ٹکڑے کی ایسی تفسیر لکھیں جس میں چند نکات ایسے ضرور ہوں جو پہلی کتب میں موجود نہ ہوں، علمائے دیوبند کے بجائے مولانا امرتسریؒ نے اس چیلنج کے جواب میں لکھا۔

بلا تکلف ہم کو یہ صورت منظور ہے۔ پس آپ اسی میدان میں تشریف لایئے جس میں مرزا صاحب نے امرتسر میں مباہلہ کیا تھا۔ میں آپ کی طرف سے تقرر تاریخ اور جواب باصواب کا منتظر ہوں۔ پس سنئے۔

ہم وہ نہیں کہ دور سے دعویٰ کیا کریں
ہم وہ نہیں کہ دو دن کی بیٹھے لیا کریں
اپنا تو ہے یہ قول کہ آئے ہیں آیئے
دعویٰ اگر کیا ہے تو کچھ کر دکھایئے [1]

آپ بتراضئ فریقین کوئی تاریخ مقرر کر کے بٹالہ کی جامع مسجد میں آئیں۔ جہاں ۸ بجے صبح سے بارہ بجے تک مجلس ہوگی۔ جس میں میں (ثناء اللہ) اور آپ (خلیفۂ قادیان) تفسیر القرآن لکھیں گے۔ اس طرح سے کہ مجھ سے اور آپ سے بے ترجمہ قرآن اور سادہ کاغذ اور آزاد قلم (انڈی پنڈنٹ) ہوگا۔ [2]

بھلا قادیانی اور مولانا امرتسریؒ کے روبرو؟ بیچاروں نے دور رہنے ہی میں عافیت سمجھی۔ آخر مولانا نے قلم اٹھایا اور آیات قرآنی کے اندر مرزا صاحب کی ''نکات آفرینیوں'' کے نہایت دلچسپ نمونے اپنے مختصر اور تیکھے تبصروں کے ساتھ جمع کردیئے۔ پھر مرزا صاحب کے نکات

---

[1] ہفت روزہ اہلحدیث امرتسر ۲۱ اگست ۱۹۲۵ء [2] ایضاً ۱۳ نومبر ۱۹۲۵ء

کے بعد اس زمانے کی ایک اور فتنہ خیز شخصیت مولوی عبداللہ چکڑالوی منکر حدیث...... کے "نکات قرآنی" کے نمونے بھی پیش فرمائے۔ اور آخر میں لکھا کہ:

مرزا صاحب کے مریدو! نکات مرزائیہ کے ساتھ ساتھ نکات چکڑالویہ بھی پڑھو! اور ہمارے مندرجہ ذیل شعر کی تصدیق بھی کر دو۔

آج دعویٰ ان کی یکتائی کا باطل ہوگیا
روبرو ان کے جو آئینہ مقابل ہوگیا ❶

(۱۸) ہندوستان کے دو ریفارمر (تالیف: اگست ۱۹۲۷ء)

اس رسالہ میں ہندوستان کے دو مدعیانِ اصلاح کی بدزبانیوں کے نمونے دکھلائے گئے ہیں۔ (۱) شری دیانند سوامی جو آریوں کے قائد و رہنما تھے۔ (۲) مرزا غلام احمد صاحب قادیانی جوامت قادیانیہ کے نبی و رسول تھے۔ نمونے اس طرح دکھلائے گئے ہیں کہ دونوں حضرات کی عبارتوں کے اقتباسات بلاکسی تبصرہ توضیح کے نقل کر دیئے گئے ہیں۔ سوامی جی کی عبارتوں کے نواسی اقتباسات ہیں اور مرزا جی کی عبارتوں کے بائیس، اخیر میں مرزا صاحب کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ:

"تجربہ شہادت دیتا ہے کہ ایسے بدزبان لوگوں کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ خدا کی غیرت اپنے پیاروں کے لیے آخر کوئی کام دکھاتی ہے۔ پس اپنی زبان کی چھری سے کوئی اور بدتر چھری نہیں"۔ ❷

اور اس کے بعد قارئین کی رائے پر یہ بات چھوڑ دی گئی ہے کہ ایسے تلخ گو حضرات مصلح یا ریفارمر ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

---

❶ یہ پوری تفصیل نکات مرزا ص ۲، ۳، ۵، اور ص ۴۰ سے ماخوذ ہے۔

❷ خاتمہ چشمہ معرفت ص ۱۵۔

(۱۹) محمد قادیانی (تالیف: نومبر ۱۹۲۸ء)

اس رسالہ کے تعارف کے لئے مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کا مندرجہ ذیل نوٹ کافی ہے۔ آپ اس رسالہ کے دیباچہ میں لکھتے ہیں۔

"واضح رہے کہ مرزائی دعاوی کی تحقیق کرنے کے لئے ایک معیار ہیں۔ (۱) ان کی پیشینگوئیاں (۲) ان کی صداقت کلام (۳) قرآن اور احادیث کی تصریحات وغیرہ، آج جو معیار ہم پیش کرتے ہیں وہ اچھوتا ہے۔ اس میں ہم صرف اس معیار پر گفتگو کریں گے کہ مرزا صاحب چونکہ اپنے آپ کو بروز محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہا کرتے تھے۔ اس لئے وہ محمد ثانی بنتے اور اپنے اتباع کو اصحاب محمد اول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں داخل کرتے تھے (ملاحظہ ہو خطبہ الہامیہ ۱۷۱) لہٰذا دیکھنا ضروری ہے کہ محمد ثانی کو محمد اول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کاموں سے کہاں تک مشابہت ہے؟ اسی اصطلاح پر ہم نے اس رسالہ کا نام "محمد قادیانی" تجویز کیا ہے۔ اس میں ہم دکھائیں گے کہ محمد اول (علیہ السلام) نے کیا کام کئے۔ اور ان کے بروز محمد ثانی قادیانی نے کیا کئے۔ تاکہ ان کاموں کی مطابقت یا عدم مطابقت سے مرزا صاحب کے صدق و کذب کا ثبوت ہو سکے"۔ [1]

پھر مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے پورے رسالے میں تقابل دکھلا کر آخر میں ایک شعر درج کیا ہے جو پوری بحث کا خلاصہ ہے عطر ہے۔ یعنی

کوئی بھی کام مسیحا! ترا پورا نہ ہوا
نامرادی میں ہوا ہے ترا آنا جانا

(۲۰) مراق مرزا (تالیف و ترتیب: فروری ۱۹۲۹ء)

یہ ایک مختصر سا رسالہ ہے۔ اس میں خود مرزا صاحب، ان کے صاحبزادے اور ان کے حواریوں کی تحریروں سے بتلایا گیا ہے کہ مرزا صاحب، ان کی اہلیہ اور ان کے بیٹے مراق کی

---

[1] محمد قادیانی ص ۳

بیماری میں مبتلا تھے۔ اس مرض کے جو اثرات و نتائج ہوتے ہیں ان کا وجود بھی مرزا صاحب کی تحریروں سے ان کے اندر دکھلایا گیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی قادیانی امت کے اکابر کی یہ رائے بھی درج کی گئی ہے کہ مراقی انسان نبی یا ملہم نہیں ہوسکتا۔ اخیر کے چار صفحات پر مولانا کے ایک شاگرد مولوی حبیب اللہ صاحب کلرک دفتر نہر امرتسر کا ایک جامع مضمون اسی عنوان سے متعلق درج ہے۔

(۲۱) تعلیمات مرزا (تالیف: دسمبر ۱۹۳۰ء)

یہ رسالہ کئی بار شائع ہوا۔ اس کی پہلی اشاعت حسب ذیل چار ابواب پر مشتمل ہے۔
(۱) اختلافات مرزا (۲) کذبات مرزا (۳) نشانات مرزا (۴) اخلاق مرزا۔

ان تمام ابواب میں مجموعی طور پر مرزا صاحب کے ۴۷ فرمودات نقل کیے گئے ہیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ تشریح و توضیح یا تبصرہ کے طور پر مختصر، جاندار اور جامع نوٹ لگائے گئے ہیں۔ مرزا صاحب دنیا کو جس طرح کی تعلیم دینے آئے تھے اس رسالہ میں اس کا پورا نقشہ کھینچ دیا گیا ہے۔ اور مرزا صاحب کی شخصیت اپنی تمام خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ ملنے آگئی ہے۔ انداز بیان اتنا دلکش اور موثر ہے اور رسالہ ایسی جامعیت لئے ہوئے ہے کہ خود مولانا امرتسریؒ کے بقول ان کی ''جملہ تصانیف متعلقہ مشن قادیان سے مفید تر ہے'' [1] اور مولانا ہی نے اس کی بابت یہ رائے بھی ظاہر کی ہے اور بالکل بجا طور پر ظاہر کی ہے کہ جو شخص ''اس رسالہ کو حفظ کرلے گا وہ ہر جگہ مرزائیوں پر غالب آئے گا۔ اور جو مرزائی اس کو غور و فکر، ایمان اور انصاف سے پڑھے گا اس کو توبہ کی توفیق ہوگی۔ ان شاءاللہ''۔ [2]

اس رسالہ کی طباعت سے قادیانی صفوں میں بڑی کھلبلی مچی۔ آخر ایک قادیانی مبلغ نے ''تجلیات رحمانیہ'' کے نام سے اس کا جواب شائع کیا۔ مولانا امرتسری رحمہ اللہ کی طرف سے دیر ہی کیا تھی۔ آپ نے جھٹ اس کا جواب لکھا اور صاحب ''تجلیات'' کو اس طرح آڑے ہاتھوں لیا کہ بیچارہ ہمیشہ کے لیے پردۂ ظلمات میں جا چھپا۔ مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے صرف جواب یہ نہیں لکھا، بلکہ اصل رسالہ میں مزید ایک باب ''صفات مرزا'' کا اضافہ کرکے رسالہ کو مکمل تر بنادیا۔

---

[1] دیکھئے تعلیمات مرزا طبع اول ص ۳۔
[2] اہلحدیث ۵/ جون ۱۹۳۱ء وغیرہ

اور مرزا صاحب کا "جلوۂ بے محابا" دکھلانے والے آئینہ کو زیادہ مجلّٰی و مصفّٰی کر دیا۔ یہ دوسرا ایڈیشن دسمبر ۱۹۳۱ء میں شائع ہوا۔

(۲۲) فیصلۂ مرزا (تالیف: جنوری ۱۹۳۱ء)

مرزا صاحب نے ۱۵/ اپریل ۱۹۰۷ء کو "مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ" کے نام سے جو اشتہار شائع کیا تھا۔ جس میں یہ دعا کی تھی کہ جھوٹا، سچے کی زندگی ہی میں مر جائے اور جس کے نتیجے میں خود مرزا صاحب مولانا امرتسری رحمہ اللہ کی زندگی میں چل بسے، یہ رسالہ اصلاً اسی اشتہار اور اس کے نتیجے کے بیان کے لئے لکھا گیا ہے۔ اور اس سلسلے میں قادیانیوں کی طرف سے جتنے عذرات اور ہیرا پھیریاں کی جاتی تھیں۔ ان سب کی تردید کی گئی ہے۔ رسالہ کے دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب ممالک کے بعض علمانے مرزا صاحب کے حالات دریافت کئے تھے۔ ❶

اس لئے مولانا عربی اور اردو دونوں زبانوں میں ایک ساتھ اس رسالہ کی اشاعت کی۔ دائیں صفحہ پر عربی اور بائیں صفحہ پر اردو عبارت ہے۔ عربی نام فصل قضیۃ القادیانی ہے۔ اس رسالہ کو ملاحظہ فرمانے کے بعد دمشق کے مفتی حنابلہ علامہ محمد جمیل سلفی نے اسے عربوں میں تقسیم کرنے کے لئے مولانا امرتسری رحمہ اللہ سے اس کی بہت سی کاپیاں طلب کیں۔ اور اس مقصد کے لئے انہوں نے مولانا کے پاس جو خط لکھا اس میں اپنے تاثر کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ:

> "آپ نے یقیناً ملحد و مرتد غلام احمد قادیانی سے اور اس کے بعد اس کی جماعت سے زبردست جہاد کیا ہے۔ اور اسلام کی طرف سے مدافعت کا حق ادا کر دیا ہے"۔ ❷

اور ہاتھوں ہاتھ نکل گیا۔ بعض شعرا نے اسے منظوم بھی کیا۔

---

❶ فیصلہ مرزا ص ۵

❷ اہلحدیث امرتسر، ۱۰/ جون ۱۹۳۲ء

(۲۳) تفسیر نویسی کا چیلنج اور فرار (تالیف وترتیب: فروری و اپریل ۱۹۳۱ء)

''نکات مرزا'' کے تعارف میں ہم بتلا چکے ہیں کہ ۱۹۲۵ء میں علما دیو بند کا خلفیۂ قادیان کی طرف تفسیر نویسی کا ایک چیلنج دیا گیا تھا۔ اس چیلنج کو مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے بڑھ کر قبول کیا۔ لیکن ان کا نام سن کر میاں صاحب کا وہی حال ہوا جسے شاعر نے اس شعر میں بیان کیا ہے۔

نام میرا سن کے مجنوں کو جمائی آگئی

بید، مجنوں دیکھ کر، انگڑائیاں لینے لگا

اس واقعہ کے بعد میاں محمود کوئی پانچ برس تک قادیان کے ایک گوشہ میں دبک کر بیٹھے رہے۔ اس کے بعد معلوم نہیں انہیں کیا سوجھی کہ یکا یک ان کے اشارے سے ۲۸/ مارچ ۱۹۳۰ء کے الفضل میں ایک مضمون کے اندران کی تعریف کرتے ہوئے یوں لکھا گیا کہ

''اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے حضور (میاں محمود) کو قرآن مجید کا ایسا علم عطا کیا ہے جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا''۔

خیر یہ تو ایک ڈینگ تھی۔ اس پر نہ کسی کو اظہار خیال کی ضرورت تھی۔ نہ کسی نے اظہار خیال کیا لیکن اس ڈینگ کو قابل التفات نہ سمجھنے پر ۲۳/ مئی ۱۹۳۰ء کے الفضل میں مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اکابر علماء کا نام لے کر انہیں اس طرح چھیڑا گیا کہ یہ لوگ ''کیوں صم بکم کے مصداق بن رہے ہیں؟'' گویا قادیانیوں کی یہ ڈینگ اس لئے تھی کہ اس پر تفسیر نویسی کے چیلنج اور جواب چیلنج کا سلسلہ شروع ہو۔

اس تعریض وتعرض کے بعد مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی ان طفلانہ حرکات کا نوٹس لیا۔ اور انہیں بٹالہ میں حاضر ہو کر بالمقابل تفسیر نویسی کی دعوت دی۔ اس دعوت کا جواب قادیانی خلیفہ نے دینے کا وعدہ کیا مگر چھ مہینہ تک خاموش رہے۔ اس طویل خاموشی کے بعد قادیان کے سالانہ جلسہ منعقدہ دسمبر ۱۹۳۰ء میں انہوں نے اس موضوع پر اظہار خیال فرمایا۔ جس کی اشاعت کافی نوک پلک درست کرنے کے بعد ۳۱/ جنوری ۱۹۱۳ء کے الفضل میں ہوئی۔ ساری تقریر کا مدعا یہ تھا کہ تفسیر نویسی کے مقابلہ سے جان بھی چھوٹ جائے۔ اور فرار کا لزام بھی عائد نہ ہو سکے۔ لیکن مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳/ فروری ۱۹۱۳ء کے اہلحدیث میں ان کی بیجا ناز

برداریاں قبول کرتے ہوئے انہیں سامنے لانے کی کوشش کی، مگر مرزا صاحب کے صاحبزادے اور مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے بالمقابل؟

"ایں خیال است ومحال است وجنوں"

اس کے بعد میاں محمود تو خاموش ہو رہے۔ مگر ان کے مریدوں کو اپنے ولی نعمت کی یہ ذلت وخفت گوارا نہ ہوئی۔ اور کچھ نہ بن سکا تو انہوں نے مولانا امرتسر کو گالیاں ہی دے کر دل کی بھڑاس نکالی۔ اور میاں محمود کا ایک گول مول پہلودار بیان شائع کر کے یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلے سے ہم بھاگ نہیں رہے ہیں۔ لیکن مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے ۳/ اپریل کے اہلحدیث میں اس کا جائزہ لے کر قادیانیوں کے فرار کا دلچسپ نقشہ دکھا دیا۔ زیر تعارف رسالہ "خلیفہ قادیان کی طرف سے تفسیر نویسی کا چیلنج اور فرار" میں یہی تفصیلات جمع کر دی گئی ہیں۔ رسالہ خاصا دلچسپ اور قادیانی امت کی چلتر بازیوں، حیلہ سازیوں، عیاریوں اور دریدہ دہنیوں کا آئینہ دار ہے۔

(۲۴) علم کلام مرزا (تالیف: ستمبر ۱۹۳۲ء)

علم کلام اس علم کا نام ہے جس میں عقائد اسلامیہ کی تصحیح اور خیالات کفریہ کی تردید دلائل عقلیہ کے ساتھ یعنی عقلی طریق پر کی جاتی ہے۔ علم کلام کے جاننے والے اور برتنے والے کو متکلم کہتے ہیں۔ اور اس گروہ کا نام "متکلمین" ہے۔

مرزا صاحب اگرچہ اس فن سے سو فیصدی کورے تھے، لیکن اپنے آپ کو "سلطان القلم" کہتے اور کہلواتے تھے۔ اور ان کی وفات کے کچھ عرصہ بعد ان کے مریدوں نے "پیراں نمی پرند، مریداں ہمی پرانند" کے مطابق ان کی مسیحیت، افضلیت اور شخصیت کو ہمہ گیر حیثیت دینے کی کوشش شروع کی تو ان کے سفسطوں بلکہ گالی ناموں کا نام علم کلام رکھ دیا۔ اور اس پر لمبے لمبے آرٹیکلوں میں نثری قصیدہ خوانی شروع کر دی۔

مولانا امرتسریؒ علوم عقلیہ سے اس طرح آراستہ پیراستہ تھے کہ ان کے سامنے بڑے بڑے ماہرین کو دم مارنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ اس لئے قادیانیوں کی مندرجہ بالا حرکت پر مولانا کی رگ ظرافت پھڑک اٹھی۔ درحقیقت قادیانیوں نے مرزا صاحب کی قصیدہ خوانی کی

رگ چھیڑ کر مولانا کو ایک نیا موضوع عطا کر دیا تھا۔ مولانا نے مرزا صاحب کی کتابوں کا، فن تصنیف اور علم کلام کی حیثیت سے جائزہ لینا شروع کیا۔ سب سے پہلے مرزا صاحب کی پہلی تصنیف ''براہین احمدیہ'' اٹھائی۔ اور بہت جلد خاص مواد جمع کر کے رسالہ ''علم کلام مرزا'' کی شکل میں شائع کر دیا۔

یہ رسالہ اپنے موضوع کے اعتبار سے اتنا اہم، اپنے مندرجات اور گرفت کے اعتبار سے اتنا ٹھوس اور ''سلوب بیان'' کے اعتبار سے اتنا دلچسپ ہے کہ ہندوستان کے بڑے بڑے علماء نے اس پر تقریظیں لکھیں۔ مولانا غلام مصطفیٰ صاحب مفتی احناف امرتسر نے لکھا۔

''میں نے یہ رسالہ مرزا کے قلعہ کو گرانے والا پایا''۔ ❶

مولانا احمد اللہ صاحب شیخ الحدیث رحمانیہ دہلی نے لکھا کہ اس رسالہ نے:

فرقہ مرزائیہ کے اصول کو بیج و بن سے قلع قمع کر دیا ہے۔ آب زر سے یہ رسالہ لکھنے کے لائق ہے۔ ❷

مولانا ابو المسیح احمد دین صاحب سیالکوٹی نے لکھا۔

''یہ رسالہ مرزا صاحب قادیانی کے علم کلام کا واقعی فوٹو ہے...... جناب مولانا (امرتسری رحمہ اللہ) ممدوح مدظلہ نے اس کتاب کی تصنیف سے اسلامی دنیا پر بڑا احسان کیا کہ مرزا صاحب کے دعاوی الہام کی طرف ان کے علم کلام کے ادعا کو بھی طشت ازبام کر دیا''۔ ❸

مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی رحمہ اللہ نے لکھا۔

''مولانا (امرتسریؒ) صاحب نے جس پہلو سے مرزا صاحب کو اس کتاب میں پیش پیش کیا ہے۔ وہ بالکل اچھوتا ہے''۔ ❹

مولانا احمد علی صاحب ناظم انجمن خدام الدین لاہور نے فرمایا۔

''یہ کتاب ایک ایسا منتر ہے جس کے پڑھنے کے بعد کوئی شخص اس متنبی قادیان کے سحر میں نہیں پھنس سکتا۔ ❺

---

❶ علم کلام مرزا ص الف ❷ ایضاً ❸ ایضاً ص ب ❹ ایضاً ص ج ❺ ایضاً ص د

مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیو بند نے اس رسالہ کو اپنے موضوع پر اولی قرار دیتے ہوئے اس امید کا اظہار کیا کہ:

''ان شاء اللہ رہروان جادۂ تحقیق کے حق میں مشکل ہدایت، اور حیرانوں کے لئے شفاء صدر ثابت ہوگا''۔ ❶

مولانا مرتضیٰ حسن صاحب دیو بندی نے فرمایا کہ یہ رسالہ:

''میرے خیال میں اپنے موضوع میں بالکل نیا ہے...... طالب حق اگر اسے پڑھے گا تو ان شاء اللہ اسے مفید ہوگا۔'' ❷

جامعہ عباسیہ بہاولپور کے شیخ الجامعہ مولانا غلام محمد صاحب گھوٹوی نے فرمایا۔

''رسالہ ہذا اپنے باب میں بے نظیر ہے''۔ ❸

مولانا حکیم محمد غلام صاحب آسی نے لکھا۔

''رسالہ ہذا میں مولانا نے کرشن قادیانی کے تمام گوشوں کو چھٹی کا دودھ یاد دلا دیا ہے''۔ ❹

''مصنف (مولانا امرتسریؒ) سے شکایت ہے تو یہ کہ یہ (رسالہ) اپنے موضوع پر بہت مختصر ہے''۔ ❺

یعنی اس موضوع پر مولانا امرتسری رحمہ اللہ کو مزید خامہ فرسائی کرنی چاہیے۔

(۲۵) عجائبات مرزا (تالیف: فروری ۱۹۳۳ء)

سید سلمان ندوی رحمہ اللہ کو محولہ بالا ''شکایت'' یا فرمائش کے جواب میں مولانا امرتسریؒ نے لکھا تھا کہ ''مولانا! اور مواد بھی جمع ہو رہا ہے''۔ ❻

چنانچہ ''علم کلام مرزا'' کے بعد اسی موضوع پر مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے یہ دوسرا رسالہ شائع کیا۔ اس لحاظ سے یہ رسالہ یعنی ''عجائبات مرزا'' رسالہ ''علم کلام مرزا'' کا حصہ دوم ہے۔ اس رسالہ میں مرزا صاحب قادیانی اور ان کے صاحبزادہ میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان کی تحریرات متعلقہ ''عمر دنیا اور پیدائش مرزا'' پر تبصرہ کیا گیا ہے۔

---

❶ ایضاً ص ز ❷ ایضاً ❸ ایضاً ص ح ❹ ایضاً ص ح ط ❺ ایضاً ص ح ❻ ایضاً ایضاً

مرزا صاحب نے دنیا کی عمر اور اپنی بعثت کے زمانے کے لمبے چوڑے حساب کا جو گورکھ دھندہ اپنی مختلف تصانیف میں پیش کیا ہے۔ مولانا نے ان سارے حسابات کو یکجا کر دیا ہے۔ جس سے یہ دلچسپ نتیجہ خود بخود نکلتا ہے کہ مرزا صاحب کی کل عمر...... پیدائش سے موت تک صرف گیارہ ہی برس تھی۔ اور اتنی تھوڑی سی عمر میں آپ نے علوم وفنون پڑھے۔ سیالکوٹ میں محرری کی، مختاری عدالت کا امتحان دیا۔ مجدد بنے۔ مسیح بنے۔ مہدی بنے۔ نبی بنے، رسول بنے، کرشن بنے، سب کچھ بنے مگر عمر گیارہ سال سے زیادہ نہ ہوئی۔

اس حصۂ بحث کے بعد میاں محمود کے ارشادات نقل کیے ہیں۔ ان ارشادات میں میاں محمود نے عمر دنیا کا جو حساب پیش کیا ہے۔ اور مرزا صاحب کے زمانۂ بعثت کی جو تعین کی ہے اسے جب مرزا صاحب کی اپنی بتلائی ہوئی تاریخ پیدائش سے ملا کر حساب نکالا گیا تو یہ دلچسپ ترین نتیجہ برآمد ہوا کہ مرزا صاحب کی عمر ایک ہزار برس سے بھی زیادہ تھی۔

رسالہ کا موضوع بحث تو مرزا صاحب کا علم کلام ہے جو اپنے دامن میں فن ریاضی کا خشک ترین مسئلہ لئے ہوئے ہے لیکن انداز بیان لطاف فطرافت سے اس طرح پر ہے کہ بڑے بڑے تبسم خیز چٹکلے بھی اس کے سامنے ہیچ ہیں۔ اور پھر کمال یہ کہ استدلال اتنا ٹھوس کہ جواب دینے کی کوئی گنجائش نہیں۔

علماء کرام نے ''علم کلام مرزا'' کی طرح بلکہ اس سے بڑھ کر اس رسالہ کی مدح سرائی اور تعریف وتوصیف کی ہے۔ لیکن طوالت کے خوف سے یہ حصہ نظر انداز نہ کیا جا رہا ہے۔

(۲۶) نا قابل مصنف مرزا (تالیف: جون ۱۹۴۳ء)

یہ ''علم کلام مرزا'' کا تیسرا حصہ ہے۔ اسی لئے ہم نے اس کو کتابی ترتیب کے لحاظ سے ''عجائبات مرزا'' کے متصل بعد رکھا ہے۔ حالانکہ یہ ''عجائبات مرزا'' کے دس برس بعد شائع ہوا تھا۔ اور اس مدت میں دوسرے بہت سے رسالے شائع ہو چکے تھے۔

اس رسالہ سے پہلے کے دو رسالوں ''علم کلام مرزا'' اور ''عجائبات مرزا'' میں مرزا صاحب کی تصانیف پر بالائی نظر کی گئی تھی۔ لیکن اس رسالہ میں ان کے استدلال پر متکلمانہ طرز سے تنقید نظر ڈالی گئی ہے۔ اور مرزا صاحب کی تصانیف کی اندرونی شہادتوں کی بناء پر ثابت کیا

گیا ہے کہ آپ قابل مصنف نہ تھے۔

اس رسالہ میں مرزا صاحب کی تین کتابیں تنقید کے لئے منتخب کی گئی ہیں۔ یعنی براہین احمدیہ، آئینۂ کمالات اسلام اور چشمہ معرفت، کیونکہ یہ تینوں کتابیں خاص مخالفین اسلام کے خطاب میں لکھی گئی ہیں۔ لہٰذا متکلمانہ طریق استدلال ان کتابوں کا خاصہ ہونا چاہئے۔ تینوں کتابوں پر کئے گئے تنقیدی اجزا ایک دوسرے سے الگ الگ رکھے گئے ہیں۔

تنقید کی پختگی اور لطافت کا وہی انداز ہے جو اس موضوع کے پہلے دو رسالوں کا ہے۔ مولانا نے دو جگہ اس عزم کا اظہار بھی کیا ہے کہ اگر ضرورت محسوس ہوئی تو دیگر کتب پر بھی تبصرہ کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ ❶

ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ اس رسالے کی تصنیف سے پہلے مولانا نے قادیانیوں کو چیلنج کیا تھا کہ وہ چاہیں تو اس موضوع پر بحث کرلیں کہ مرزا صاحب قابل مصنف نہ تھے۔ لیکن قادیانیوں نے اظہار آمادگی کرنے کے بعد پھر انکار کردیا۔ اور انکار کے لئے اتنا طویل راستہ اختیار کیا کہ سال بھر کا عرصہ لگ گیا۔ مولانا نے ان کے انکار کی اصل وجہ ایک شعر کے ذریعہ ظاہر کی ہے، جو یہ ہے۔

نام میرا سن کے مجنوں کو جمائی آگئی
بید مجنوں دیکھ کر انگڑائیاں لینے لگا ❷

(۲۷) بہاء اللہ اور مرزا (تالیف: جولائی ۱۹۳۳ء)

اس رسالہ میں دکھلایا گیا ہے کہ مرزا صاحب نے اپنے دعاوی کے سلسلے میں ٹھیک وہی راہ اختیار کی ہے جو شیخ بہاء اللہ ایرانی نے اختیار کی ہے۔ رسالہ کے آغاز میں نہایت اختصار کے ساتھ دونوں کے حالات وسوانح درج ہیں۔ اس کے بعد رسالہ تین ابواب پر تقسیم کردیا گیا ہے۔ پہلے باب میں دونوں کے دعوے الگ الگ نقل کرکے دونوں کا تقابل کیا گیا ہے۔ دوسرے باب میں دونوں کے دلائل ان کے اصل الفاظ میں دکھلائے گئے ہیں۔ اور تیسرے باب میں خاص بہائی تعلیم پر بحث کی گئی ہے۔ رسالہ کے مضامین، تحقیقات انیقہ کا مرقع ہیں۔ خود مولانا

---

❶ دیکھیے نا قابل مصنف مرزا ص ۳ و ص ۶۰ ❷ ایضاً ص ۲

امرتسری رحمۃ اللہ علیہ دیباچہ میں لکھتے ہیں۔

”مرزا صاحب کی تردید کے مضامین آج کل کثرت سے شائع ہوتے ہیں لیکن اس کتاب کا مضمون اچھوتا ہے۔ آج تک کسی مصنف نے ان دو مدعیان کا وحدتی نقطہ نہیں بتایا“۔

نوٹ: اس رسالہ ”بہاء اللہ اور مرزا“ کے منظر عام پر آجانے کے بعد دوسرے حضرات نے بھی اس موضوع پر خامہ فرسائی کی۔ اور مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے نقش پا کی پیروی کی۔ والفضل للمتقدم۔

(۲۸) عشرۂ کاملہ (تالیف: اواخر ۱۹۳۳ء یا اوائل ۱۹۳۴ء)

یہ کتاب ہمیں دستیاب نہ ہوسکی۔ اس لئے کے بارے میں مطلوبہ تفصیل پیش کرنی مشکل ہے۔ اس کا مختصر تعارف جو رسالہ ”مصلح موعود“ کے ص ۱۱ پر فہرست کتب کے درمیان دیا گیا ہے۔ یہ ہے۔

”اس (کتاب، عشرۂ کاملہ) میں دس فصلیں ہیں۔ اور ہر فصل میں دس دلیلیں ہیں۔ گویا پورے سو دلائل سے عام فہم پیرایہ میں قادیانی مذہب کی حقیقت اسی مذہب کی کتب سے بے نقاب کی گئی ہے“۔

اس تعارفی نوٹ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب اپنی نوعیت اور معنوی محاسن کے لحاظ سے کتاب ”عشرۂ مرزائیہ“ سے بہت بڑھ کر ہے۔ اس کتاب کی قیمت کا تقابل جب اس وقت کی دوسری کتابوں کی قیمت سے کیا جاتا ہے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی ضخامت ڈیڑھ سو صفحات سے زائد ہی ہونی چاہیے۔

بعد میں بعینہ ”عشرۂ کاملہ“ کے نام سے ایک دوسرے صاحب نے اسی موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے۔ اور ٹھیک اسی ترتیب کے مطابق لکھی ہے جس کا ذکر اقتباس بالا میں گزر چکا ہے۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ جس طرح مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی بہت ساری تحریرات کچھ ”پیشہ ور“ اور ”ماہر مصنفین“ ہو بہو یا معمولی ردوبدل کے ساتھ اپنے نام سے شائع کر دیا کرتے تھے کیا عجب کہ اس کتاب کے سلسلہ میں بھی وہی حرکت کی گئی ہو اور جب مولانا کو اس کا علم ہوا ہو تو

انہوں نے اپنی روایتی کشادہ ظرفی کے ساتھ مسکرا کر فرمایا۔

لگا رہا ہوں مضامین نو کے پھر انبار
خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو

کتاب دستیاب نہ ہونے کے سبب اس کا زمانۂ تالیف بھی ٹھیک ٹھیک معلوم نہ ہو سکا۔ پہلی بار اس کا اشتہار مارچ ۱۹۳۴ء میں شائع شدہ ایک کتاب پر دیکھا گیا ہے، للہٰذا زمانہ تالیف اسی دور کے لگ بھگ ہونا چاہیے۔

(۲۹) ثنائی پاکٹ بک (تالیف: مارچ ۱۹۳۴ء)

یہ ردقادنیت کے موضوع پر مستقل کتاب نہیں ہے۔ بلکہ اس میں قادیانیوں کے ساتھ ساتھ تمام ہی مخالفین اسلام یعنی دہریہ، عیسائی، ہندو، آریہ، رادھا سوامی، سکھ، منکرین نبوت، منکرین نبوت محمدیہ۔ فرقہ بہائیہ شیعہ۔ اہل قرآن اور نیچریہ کی مختصر اور جامع تردید کی گئی ہے۔ اور مسلک اہلحدیث کا تعارف بھی پیش کیا گیا ہے۔ بڑی ہی کارآمد بلکہ بے نظیر کتاب ہے۔ قادیانی مسلک پر صفحہ ۵۵ سے صفحہ ۸۱ بحث کی گئی ہے۔ اور صرف اتنے سے صفحات میں بہت ساری بحثیں سمیٹ دی گئی ہیں۔

(۳۰) اباطیل مرزا (تالیف: جون ۱۹۳۴ء)

یہ رسالہ چند مضامین کا مجموعہ ہے جو اہلحدیث امرتسر میں شائع ہوئے تھے۔ ان مضامین کے عنوانات یہ ہیں "آہ! نادر شاہ کہاں گیا؟" ...... حلف موکد بعذاب" ...... "زلزلہ بہار" ...... "نکاح آسمانی" ...... "تقریر لائکپوری" ...... یہ مضامین دو طرح کے ہیں (۱) ایسے مضامین جن سے مرزا صاحب کا کذب ثابت ہوتا ہے۔ (۲) ایسے مضامین جن میں اس دور کے قادیانیوں کی پرفریب چالبازیوں کا پردہ چاک کیا گیا ہے۔

یہ رسالہ بھی ہمیں دستیاب نہ ہو سکا۔ زمانہ تالیف کی تعین اہلحدیث میں ان مضامین کی اشاعت اور رسالہ کے اشتہار کو مدنظر رکھ کر کی گئی ہے۔ تعارف بھی ان ہی بنیادوں پر مبنی ہے۔

(۳۱) تحفۂ احمدیہ (ترتیب: جنوری ۱۹۳۷ء)

مرزا صاحب نے آسمانی نکاح کی بابت جو پیشینگوئی کر رکھی تھی۔ اس کے متعلق اس کتاب میں مرزا صاحب کی اپنی تحریرات سے اور قادیانی امت کے دیگر اکابر (حکیم نور الدین خلیفۂ اول، مولوی محمد علی امیر لاہوری پارٹی۔ ڈاکٹر بشارت احمد۔ ڈاکٹر میر اسماعیل، احمد نور کابلی اور مولوی فضل خان وغیرہ علماء احمدیہ) کی تحریرات سے صاف طور پر ثابت کیا گیا ہے کہ وہ پیشینگوئی پوری نہیں ہوئی۔ مضمون ایسا دلچسپ اور اچھوتا ہے کہ شروع کر دینے کے بعد ختم کئے بغیر چھوڑنا مشکل ہے۔

(۳۲) تفسیر بالرائے جلد اول (تالیف: مئی ۱۹۳۹ء)

ہندستان کا دور محکومی اس اعتبار بڑا زرخیز گزرا ہے کہ اس دور میں اسلام کے خلاف خود مسلمانوں کے اندر سے نت نئی نئی تحریکیں ابھرتی ہیں۔ اور ان تحریکات کے قائدین اور اکابر مجرین نے قرآن مجید کو خصوصیت کے ساتھ نشانہ بنایا۔ اس طرح نہیں بنایا کہ اس پر اعتراضات وایرادات وارد کئے ہوں۔ کیونکہ اس صورت میں عامۃ المسلمین کو اپنے دام فریب میں پھانسنا آسان کیا معنی ممکن نہ ہوتا۔ اس لئے نشانہ اس طرح بنایا کہ قرآن مجید کی تفسیریں لکھیں۔ اور ان میں دل کھول کر قرآن مجید کے معانی ومطالب کی تحریف کی۔ اور اپنے باطل نظریات وخیالات کے لئے قرآن مجید سے مواد فراہم کرنے کی کوشش کی۔ اس صورت حال کے پیش نظر مولانا امرتسریؒ نے محسوس کیا کہ ان تفاسیر پر ایک جامع تبصرہ لکھا جانا چاہیے۔ تاکہ آئندہ نسلوں کو ان سے غلطی نہ لگے اور وہ ان تفاسیر کی گمراہیوں سے محفوظ رہیں۔

مولانا امرتسری رحمہ اللہ کا یہ اندرونی احساس اور قلبی تقاضا بہت جلد کتابی صورت میں ڈھل کر منظر عام پر آگیا۔ آپ نے ''تفسیر بالرائے'' کے نام سے ایک نہایت ہی پر مغز کتاب لکھی۔ اور اس میں حسب ذیل تفاسیر کا جائزہ لیا۔

① مرزا صاحب قادیانی کی تفاسیر آیات جو ان کی تصانیف میں مختلف مقامات پر بکھری ہوئی ہیں۔ اور جنہیں ان کے مریدوں نے یکجائی کر کے ''خزینۃ العرفان'' کے نام سے شائع

کیا ہے۔

② مولوی مقبول احمد شیعی کا ترجمہ قرآن مع حواشی، اس کے ساتھ ہی کسی اور شیعہ عالم کی تفسیر یا تصنیف۔

③ مولوی عبداللہ چکڑالوی اہل قرآن (منکر حدیث) کا ترجمۂ قرآن مع حواشی۔

④ مولوی محمد علی لاہوری...... امت قادیانیہ کے لاہوری گروپ کے سربراہ اول...... کا ترجمۂ قرآن مع حواشی۔

⑤ مولوی احمد الدین صاحب امرتسری رحمہ اللہ (نیچری) کی تفسیر "بیان للناس" اور "برہان القرآن"۔

⑥ مرزا محمود خلیفۂ قادیان کے تفسیری نوٹ۔

⑦ تحریرات شیخ بہاء اللہ ایرانی میں آیات قرآن کی بابت جو کچھ مل سکا۔

⑧ "عام فہم تفسیر" مصنف خواجہ حسن نظامی دہلوی۔

⑨ ترجمہ قرآن مولوی احمد رضا خان بریلوی جس کے ساتھ حواشی پر مولوی محمد نعیم مراد آبادی کے تفسیری نوٹ چھپے ہوئے ہیں۔

ہمارے سامنے اس کتاب کی پہلی جلد ہے جو سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کے تفسیری جائزہ پر ختم ہوگئی ہے۔ مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے مختلف مواقع پر اس کی اگلی جلدوں کی تصنیف کا ارادہ فرمایا تھا۔ لیکن جہاں تک ہمیں علم ہے اس کی آئندہ کوئی جلد شائع نہ ہوسکی۔

یہ تفسیر اگرچہ مستقل طور پر ردقادیانیت کے سلسلے میں نہیں ہے لیکن چونکہ اس میں تین تین قادیانی تفاسیر...... مرزا صاحب، مولوی محمد علی لاہوری اور میاں محمود کی تفاسیر...... کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس لئے اس فہرست میں اس کا تذکرہ ضروری تھا۔

(۳۳) مکالمہ احمدیہ، حصہ اول (ترتیب: جون ۱۹۳۹ء)

جیسا کہ معلوم ہے قادیانی جماعت ۱۹۱۴ء سے دو فرقوں میں بٹی ہوئی ہے۔ ایک کا مرکز لاہور اور دوسرے کا قادیان تھا۔ جو قیام پاکستان کے بعد ربوہ منتقل ہوگیا۔ گروپ بندی کے بعد ان دونوں فرقوں میں ایک بنیادی اختلاف کھڑا ہوگیا تھا کہ مرزا صاحب صرف مجدد اور مسیح

ہونے کے مدعی تھے نبی اور رسول ہونے کے بھی...... لاہوری گروپ انہیں نبی تسلیم نہیں کرتا تھا۔ جبکہ دوسرا گروپ ان کی نبوت ورسالت پر مصر تھا۔ ان دونوں گروپ کے درمیان ایک عرصہ تک رسائل وجرائد میں بڑی گرما گرم بحث چلی۔ دونوں ایک دوسرے کو مباحثہ کی دعوت دی۔ خوب غرائے اور جھپٹے ہر ایک فریق نے اپنے مدمقابل پر فرار کا الزام عائد کیا۔ مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے اس کتاب ''مکالمہ احمدیہ'' میں اس بحث پر فریقین کی تحریریں جمع کردی ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ مرزا صاحب کا دعویٰ تھا کہ میں مسلمانوں کو اعلیٰ درجہ کا مسلمان بنانے آیا ہوں۔ اس لئے عامۃ المسلمین کو دکھلایا جائے کہ مرزا صاحب کے بنائے ہوئے ''اعلیٰ درجہ کے مسلمانوں'' یعنی قادیانیوں کا انداز گفتگو کس قدر ''شریفانہ'' ہے۔ اور ان کا اخلاقی معیار کتنا ''بلند'' ہے۔

مولانا نے مطبوعہ حصے کو حصہ اول قرار دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اس موضوع پر مزید لکھنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ لیکن ہمیں معلوم نہیں کہ اس کا کوئی اگلا جزو تیار اور شائع ہوسکا یا نہیں؟

(۳۴) بطش قدیر برقادیانی تفسیر کبیر (تالیف: ستمبر ۱۹۴۱ء)

اس کتاب میں خاص طور پر میاں محمود خلیفۂ قادیان کی تفسیر قرآن (جس کا نام امام رازی کی تفسیر کے نام پر تفسیر کبیر رکھا گیا تھا) کی ایک جلد (از سورۂ یونس تا سورۂ کہف) کے دس مقامات پر تعاقبات کئے گئے ہیں۔ میاں محمود کی تفسیر کی یہ جلد مولانا امرتسریؒ کی تفسیر بالرائے جلد اول کے بعد شائع ہوئی تھی۔ اس اعتبار سے بھی، اور جن سورتوں کی تفسیر پر یہ جلد مشتمل ہے ان کے لحاظ سے بھی اس تفسیر پر نقد وتبصرہ کا محل تفسیر بالرائے کی دوسری جلد ہوسکتی تھی۔ اور مولانا اسے لکھنے کا عزم مصمم رکھتے تھے۔ اس کے باوجود میاں محمود کی اس تفسیر کا جائزہ آپ نے ایک علیحدہ کتاب میں اور کس قدر عجلت کے ساتھ کیوں لیا! اس کی وجہ آپ ہی کے الفاظ میں سنئے! لکھتے ہیں۔

''اس تفسیر میں ایسی اغلاط ہیں کہ ان کو دیکھ کر میرے دل میں خوف پیدا ہوا کہ تفسیر بالرائے کی جلد ثانی طبع ہونے سے پہلے ہی میں اس دار فانی کو چھوڑ گیا تو اللہ کے ہاں مجھے سوال ہوگا کہ یہ ضروری کام تم نے کیوں نے کیا؟ کیونکہ اس تفسیر میں

اغلوطات اور تحریفات اس حد تک بھری ہیں جن کو ملحوظ رکھ کر بے ساختہ یہ شعر زبان پر آجاتا ہے۔

قتل عاشق کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا
پر ترے عہد سے پہلے یہ دستور نہ تھا

قادیانی تفسیر کو دیکھ کر مؤلف اور اس کے اعوان وانصار کی نسبت صحیح رائے قائم ہوسکتی ہے۔ اس لئے میرے دل میں ڈالا گیا کہ تفسیر بالرائے جلد ثانی کا انتظار نہ کیا جائے۔ بلکہ بطور نمونہ چند اغلاط کا ایک رسالہ لکھا جائے...... رسالہ ہذا میں بطور نمونہ دس آیات کی غلطیاں درج ہوئی ہیں۔ باقی حسب ضرورت تفسیر بالرائے جلد ثانی میں ہوں گی۔ انشاء اللہ''۔ [1]

بطش قدیر کے اس حصے کی اشاعت کے چند برس بعد ۲۱/۱۴ مارچ ۱۹۴۷ء کے اہلحدیث میں ''بطش قدیر برانوار وکبیر'' حصہ دوم کا اشتہار شائع ہوا۔ جس کا خلاصہ یہ تھا کہ بطش قدیر حصہ اول کی اشاعت کے بعد خلیفۂ قادیان کی تفسیر کبیر کا جو حصہ شائع ہوا ہے۔ بطش قدیر حصہ دوم میں اس کا جائزہ لیا گیا ہے اور ساتھ ہی لاہوری پارٹی کے ڈاکٹر بشارت احمد کی ایک تفسیر کا اور کسی قدر مولوی محمد علی کی تفسیر کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ چونکہ اس وقت پنجاب میں فسادات کی لہر چل رہی تھی اس لئے اشتہار میں یہ بھی اعلان کیا گیا تھا کہ اس حصے کی اشاعت بحالی امن کے بعد ہوگی لیکن افسوس کہ بحالی امن کے بجائے چند ماہ بعد مولانا کے اس سارے کارخانہ علم و عرفان کی تباہی و ویرانی مقدر تھی۔ اس لئے یہ گوہر گرانمایہ کبھی بھی منصۂ شہود پر جلوہ گر نہ ہوسکا۔

ولله الامر من قبل ومن بعد

(۳۵) لیکھرام اور مرزا (تالیف: ستمبر ۱۹۴۲ء)

پنڈت لیکھرام کی بابت مرزا صاحب کی پیشینگوئی اور اس کے نتیجہ کے تفصیلات گزر چکی ہیں۔ مولانا امرتسری رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

---

[1] بطش قدیر ص ۲،۳

''چونکہ مرزا صاحب اور ان کے اتباع کو پنڈت لیکھرام والی پیشینگوئی پر بڑا ناز ہے۔ وہ اس کو ایسا صحیح جانتے ہیں جیسے دو دونے چار ہماری تحقیق میں یہ پیشگوئی سب سے زیادہ غلط ثابت ہوئی ہے۔ اس لئے اس کے متعلق مستقل رسالہ لکھنے کی ضرورت پیش آئی۔ [1]

یہ رسالہ اگرچہ مختصر ہے۔ لیکن اپنے موضوع پر حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس رسالہ میں مولانا نے مرزا صاحب کی اپنی پیش کردہ تفصیلات کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ لیکھرام کے قتل سے مرزا صاحب کی یہ پیشینگوئی سو فی صد غلط ثابت ہوئی۔ اور اس کی صحت کے امکانات ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئے۔ رسالہ قابل دید ہے۔

(۳۶) محمود، مصلح موعود؟ (تالیف: اگست ۱۹۴۴ء)

یادش بخیر، مرزا صاحب نے اپنے دور ''مجددیت'' میں ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے ایک اشتہار میں عموائیل اور بشیر نام کے ایک مصلح عالم صاحبزادے کی پیدائش کی پیشینگوئی کی تھی جس کی تفصیل نتیجہ سمیت ہماری کتاب ''قادیانیت اپنے آئینہ میں'' کے اندر آ چکی ہے۔ جہاں بتلایا گیا ہے کہ مرزا صاحب نے اولاً ۷ اگست ۱۸۸۷ء کو پیدا ہونے والے اپنے ایک لڑکے کو اس کا مصداق قرار دیا۔ لیکن سولہ ماہ بعد جب اس کا انتقال ہو گیا تو مرزا صاحب کو بڑی ندامت اٹھانی پڑی۔ اور وہ مسلسل قلابازیاں کھانے کے باوجود کسی لڑکے کو اس پیشینگوئی کا مصداق ٹھہرانے کی جرأت نہ کر سکے۔ آخر چوتھا لڑکا مبارک احمد پیدا ہوا تو اسی کو اس کا مصداق ٹھہرایا۔ لیکن ''بدقسمتی'' سے وہ بھی نابالغی ہی میں لقمۂ اجل بن گیا۔ اور اس صدمہ سے ابھی مرزا صاحب سنبھل بھی نہ پائے تھے کہ ان کی ہی قضا آ گئی۔

اس پیشینگوئی کے تار و پود تو یہیں سے بکھر گئے تھے۔ اور اسی لئے یہ سرد خانے کی نذر ہو گئی تھی۔ لیکن مبارک احمد کی وفات کے ۳۶ برس سے زائد عرصہ کے بعد میاں محمود کو اچانک خواب دکھلائی پڑنے لگے کہ مصلح موعود میں ہی ہوں۔ پھر موصوف نے ۲۰ فروری ۱۹۴۴ء کو ہوشیارپور (پنجاب) کے ایک جلسہ میں اس کا باقاعدہ اعلان کر کے اپنے ساتھ مصلح موعود کے لقب

---

[1] لیکھرام اور مرزا۔ ص ۲

کا اضافہ بھی کر لیا۔

مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ ''مصلح موعود'' میں خالص مرزا صاحب کی تصریحات وتشریحات کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ یہ پیشینگوئی غلط ثابت ہو کر مرزا صاحب کے کذب کی دلیل بن گئی ہے۔ اور میاں محمود کسی طرح اس کا مصداق نہیں ہو سکتے۔ رسالہ مختصر مگر فیصلہ کن ہے۔

ان ۳۶ کتابوں اور رسالوں کے علاوہ ''رسائل اعجازیہ'' ''تحفۂ مرزائیہ'' اور ''عمر مرزا'' نام کے مزید تین رسالوں کا ذکر ایسے سیاق وسباق میں ملتا ہے۔ جس سے ظن غالب ہوتا ہے کہ یہ تینوں بھی مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ ہی کے تصنیف کردہ ہیں۔ لیکن اس پر کوئی یقینی شہادت نہیں مل سکی ان کے علاوہ قادیانیت کے موضوع پر ہمیں مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی کسی مزید تصنیف کا علم نہ ہو سکا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس موضوع پر ان کے علاوہ آپ کی مزید کوئی تصنیف ہے ہی نہیں...... ممکن ہے آپ نے بعض اور رسالے بھی تالیف کئے ہوں۔ لیکن وہاں تک ہماری دسترس نہ ہو سکی ہو۔ واللہ علم۔

خصوصیات تصانیف

مولانا امرتسریؒ کی تصانیف کی اہم ترین خصوصیات یہ ہیں کہ ان میں عبقریت اور ابتکار ہوتا تھا۔ گرفت اتنی ٹھوس اور برمحل ہوتی تھی کہ حریف خواہ کتنے ہی ہاتھ پاؤں مارے بچ نکلنے کی کوئی صورت نہ ہوتی تھی۔ مطلب بالکل واضح اور دوٹوک ہوتا تھا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ بڑے سے بڑا اور دقیق سے دقیق مضمون صرف چند سطروں میں بیان کر دیتے تھے، اور وہ بھی اتنی وضاحت اور جامعیت کے ساتھ کہ نہ بحث کا کوئی گوشہ تشنہ رہتا تھا نہ سمجھنے میں کوئی دشواری پیش آتی تھی۔ پھر قدم قدم پر ظریفانہ الفاظ یا جملے اور برمحل اشعار۔ تحریر کی لطافت اور شگفتگی کو چار چاند لگا دیتے تھے۔ فریق مقابل خواہ کتنی ہی دنات طبع اور پست ظرفی کا مظاہرہ کرتا آپ کی تحریر بہر صورت وقار وسنجیدگی کا مرقع ہوتی۔ ابتذال وسفلہ پن اور بیہودگی وہجیت کا کہیں نام ونشان نہ ہوتا۔ بدزبانیوں، ہرزہ سرائیوں اور یاوہ گوئیوں کے جواب میں کوئی ایسا برمحل شعر نقل کر دیتے، یا

ایسا ظریفانہ جملہ استعمال کر دیتے کہ ساری زبان درازیاں فریق ثانی پر پلٹ جاتیں، اور انحالیکہ شرف ووقار پر آنچ بھی نہ آپاتی اور پڑھنے والا پھڑک پھڑک اٹھتا مولانا عبدالمجید سوہدروی نے کس قدر بجا فرمایا ہے کہ

''انداز تکلم کی طرح آپ کا طرز تحریر بھی بہت شیریں، نرم، جاذب، دلچسپ اور موثر تھا۔ کیا مجال کہ کوئی لفظ پایہ ثقافت سے گر جائے۔ اعدائے بد باطن کی ناپاک کتابوں کے جواب ایسی حلاوت، لینت اور خلق وتہذیب سے لکھے کہ مخالف بھی عشق عشق کرا تھے۔ چنانچہ رنگیلا رسول ایسی دلآزار کتاب کا جواب مقدس رسول کے نام سے تحریر فرمایا۔ اور اس انداز میں کہ دشمن بھی داد دینے پر مجبور ہو گئے۔ اسی طرح پنڈت دیانند کی کتاب سیتارتھ پرکاش کے چودھویں باب کا جواب حق پرکاش کے نام سے لکھا اور اسلام کے روایتی اخلاق کو اجاگر کر کے ثابت کر دیا کہ دین محمد ﷺ زہر کا جواب شہد سے دیتا ہے اور بس کی جگہ امرت پیش کرتا ہے۔ [1]

میں نے قادیانیت کے موضوع پر مختلف حضرات کی تحریروں اور لٹریچر کے مطالعہ کے دوران ایک اور دلچسپ چیز دیکھی کہ...... جب مولانا کی کوئی تحریر نئے نئے دلائل وبراہین اور اعتراضات وایرادات کے ساتھ منظر عام پر آتی تھی تو دوسرے بہت سارے مصنفین انہی دلائل وبراہین کی بنیاد پر ایک نئی تصنیف تیار کر لیتے تھے۔ بلکہ بعض حضرات تو آپ کی پوری کی پوری عبارت اڑا لیتے تھے۔ اور بعض حضرات تو ایسے بھی نظر آئے جنہوں نے خفیف سے ردوبدل کے ساتھ پوری کتاب ہی اڑا لی۔ اور اپنے نام سے شائع کر دی۔ کیا عجب کہ مولانا جیسے ظریف الطبع انسان کی نگاہوں کے سامنے جب اس طرح کے کردار نمایاں ہوئے ہوں تو آپ نے مسکرا مسکرا کر ابوالطیب (متنبّی) کا یہ شعر گنگنایا ہو۔

وما الدھر الا من دواۃ قصائدی
اذا قلت شعرا، اصبح الدھر منشدا

زمانہ تو میرے اشعار کا راوی ہے۔ جب میں کوئی شعر کہتا ہوں تو وہ شعر خوانی کرنے لگتا ہے۔

---

[1] سیرت ثنائی ص ۵۔۲

جرائد ومجلّات

جیسا کہ بتلایا جا چکا ہے مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے اپنی ادارت میں مختلف موقع پر تین اخبار اور رسالے جاری کئے تھے۔ "اہلحدیث" مرقع قادیانی خالص قادیانیت کی تردید کے لئے تھا اور اہلحدیث میں بھی اس موضوع پر خاصی خامہ فرسائی ہوتی تھی اس لئے ان دونوں کا کچھ تفصیلی ذکر ہدیہ قارئین ہے۔ مرقع قادیانی اپنی تاریخ اجراء کے لحاظ سے اگرچہ موخر ہے لیکن چونکہ وہ خالص ہمارے موضوع سے متعلق ہے اس لئے اس کا ذکر پہلے کیا جاتا ہے۔ اہلحدیث کا ذکر اس کے بعد دیکھئے۔

ماہنامہ مرقع قادیانی امرتسر

اس کا ذکر پچھلے صفحات میں آچکا ہے۔ اور وہیں یہ بھی بتلایا جا چکا ہے کہ یہ جریدہ دو ادوار پر مشتمل تھا۔

(۱) پہلی بار اس کا اجراء اس وقت عمل میں آیا جب "آخری فیصلہ" والے اشتہار مرزا پر ڈیڑھ ماہ کا عرصہ گذر رہا تھا۔ یعنی جون ۱۹۰۷ء سے اس کی اشاعت شروع ہوئی۔ مرزا صاحب کی وفات کے بعد اکتوبر ۱۹۰۸ء کے شمارے پر ختم ہوگئی۔

(۲) دوسرا دور اپریل ۱۹۱۳ء سے شروع ہو کر اپریل ۱۹۳۳ء پر ختم ہوا۔

پہلے دور کے سترہ مہینوں میں تیرہ شمارے شائع ہوئے۔ لیکن ان میں سے چار شمارے دوگنا حجم کے ساتھ دو دو ماہ کے مشترکہ شمارے کے طور پر شائع ہوئے۔ اس طرح سترہ مہینوں میں سترہ شماروں کا حساب پورا ہو گیا۔ ایک ساتھ دو ماہ کے شمارے اس بناء پر نہیں شائع ہوتے تھے کہ انتظامی دشواریاں باقاعدہ اشاعت میں حائل ہو جایا کرتی تھیں۔ اور ان کی وجہ سے تاخیر ہو جاتی تھی۔ بلکہ مباحث کی کثرت کے سبب آنے والے مہینہ کا شمارہ اس سے پہلے والے مہینے کے شمارے کے ساتھ ہی ملا کر پیشگی چھاپ دیا جاتا تھا۔ ان سترہ ماہ کے تیرہ شماروں میں مولانا

امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے ۲۵ سے زائد عنوانات کے تحت قادیانی مذہب و تحریک پر گفتگو کی ہے۔ اور ان کے خود ساختہ مسائل و دلائل کی قلعی کھولی ہے۔ آپ کے مضامین دو سو چھبیس صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ ان میں سے متعدد مضامین نہایت ہی معرکۃ آلاراء اور فیصلہ کن مباحث پر مشتمل ہیں۔ اور اتنا طول اختیار کر گئے ہیں کہ انہیں باقاعدہ ایک کتاب یا رسالہ کی شکل دی جا سکتی ہے۔

مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ کچھ دیگر حضرات نے بھی قلم کاری اور مضمون نگاری میں حصہ لیا ہے۔ لیکن ان کی نگارشات بہت ہی کم ہیں۔ یعنی کل ۸ عنوانات کے تحت ۴۵ صفحات پر محیط ہیں۔

اس دور کی جلد دوم کا دوسرا اور تیسرا شمارہ مشترکہ طور پر شائع ہوا ہے۔ اور مرزا صاحب کی وفات کی مناسبت سے اسے مرزا صاحب کا ''یادگار نمبر'' قرار دیا گیا ہے۔

دوسرے دور کے آغاز کے وقت مولانا کی عمر ساٹھ سال سے متجاوز ہو چکی تھی۔ یہ عمر عموماً قویٰ کے مضمحل بلکہ از کار رفتہ ہو جانے کی عمر ہے۔ لیکن مولانا کے عزائم میں ابھی کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے قادیانی تحریک میں تیزی اور قوت کے آثار نمودار ہوتے دیکھ کر بلا پس و پیش دوبارہ ''مرقع قادیانی'' کا اجراء کر دیا۔ اس وقت آپ کے متعدد شاگرد اور تربیت یافتگان تیار اور نمودار ہو چکے تھے۔ خصوصاً آپ کے شاگرد رشید حضرت مولانا عبداللہ صاحب معمار امرتسری رحمۃ اللہ علیہ اور مولوی حبیب اللہ صاحب کلرک دفتر نہر امرتسر قادیانی اباطیل کی کڑیاں بکھیرنے میں نمایاں مقام حاصل کر چکے تھے۔ اس دوسرے دور میں ان شاگردوں نے اس جریدہ کے ذریعہ قادیانی تحریک کے خلاف نمایاں کام انجام دیا۔

اس دور میں مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے مضامین ۲۷ عنوانات کے تحت دو سو بائیس صفحات کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ جبکہ بقیہ دوسرے اہل قلم کے مضامین کی تعداد ۱۰ کے قریب اور صفحات کی تعداد تین سو بائیس ہے۔ اس دور میں دو شمارے خاص نمبر کی حیثیت سے شائع ہوئے ہیں۔ ایک شمارہ ''معارف قرآنی'' نمبر کے نام سے جنوری ۱۹۳۲ء میں شائع ہوا۔ جس کا جلد نمبر ۳، اور شمارہ نمبر ۱۰ ہے۔ اس خاص نمبر میں خلیفہ قادیان کی طرف سے تفسیر نویسی کے چیلنج اور فرار کی پوری تفصیل دی گئی ہے۔ دوسرا خاص شمارہ ''ضرورت مسیح'' نمبر کے نام سے دسمبر ۱۹۳۲ء میں شائع

ہوا۔ اس کا جلد نمبر ۴ اور شمارہ نمبر ۸ ہے...... پہلے دور کے شماروں کی طرح اس دور کے شمارے بھی متعدد معاملات کے سلسلے میں تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں۔

جریدے کی ضخامت ہر دو ادوار میں عموماً ۲۴ صفحے ہوا کرتی تھی۔ ایڈیٹوریل کی حیثیت سے کوئی خاص مضمون نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ ابتداء ہی سے سلسلہ مضامین شروع ہو جاتا تھا۔ پہلے دور میں ابتدائی صفحہ پر گلدستہ قادیانی کے عنوان سے، اور دوسرے دور میں آخری صفحہ پر گلدستہ اخبار کے عنوان سے مہینہ بھر کی چیدہ چیدہ خبریں ہوا کرتی تھیں۔ جن کا تعلق عموماً قادیانیت ہی سے ہوا کرتا تھا۔ مرزا صاحب جب تک حیات تھے اس وقت تک کے شماروں میں خبر کے صفحے پر ان کے تازہ بتازہ ''الہامات'' بھی درج ہوتے تھے۔ اور دو حرفوں میں ان پر دلچسپ تبصرہ یا نوٹ بھی لگا رہتا تھا۔ پورا رسالہ قادیانیت سے متعلق مضامین کے لیے وقف ہوتا تھا۔ اور ان مضامین کے علاوہ صرف اہم ترین دفتری اعلانات ہی کے لیے کچھ جگہ نکالی جاتی تھی۔ کتابت طباعت نہایت معیاری ہوتی تھی۔

ہفت روزہ ''اہلحدیث'' امرتسر

یہ جریدہ فریدہ، اسلامی حلقوں کے اندر اور باہر سے اٹھنے والے باطل نظریات وخیالات اور ایرادات واعتراضات کی بیخ کنی اور شکست وریخت کے سلسلہ میں پورے متحدہ ہندوستان (موجودہ پاکستان وہندوستان) کا سب سے بڑا ہنگامہ خیز تلاطم انگیز، معرکۃ الآراء اور بے نظیر جریدہ تھا۔ جو میدان رستخیز میں حریف مقابل کی طولانی کلام کی کڑیاں بکھیرنے میں اپنی مثال آپ تھا۔ اسے ہم مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی عبقریت کا سب سے بڑا مظہر قرار دے سکتے ہیں۔ اس میں اگر ایک طرف آریوں پر نقد وجرح ہو رہی ہے۔ تو دوسری طرف عیسائیوں کے مزعومات فضاء آسمانی میں بکھرتے نظر آرہے ہیں۔ اگر ایک طرف شیعی دجل وتحریف کا پردہ فاش کیا جا رہا ہے تو دوسری طرف رضا خانی لشکر بدعات کے ساتھ پنجہ آزمائی ہے۔ اگر ایک طرف اسلام دشمنی کے نعروں کے ساتھ نمودار ہونے والے غیر مسلم فرقوں کے حملوں کا دفاع ہے تو دوسری طرف اشاعت اسلام کے نعروں کے پردہ میں نبوت کاذبہ کو فروغ دینے کی نامسعود مساعی کا ابطال واستیصال ہے۔

غرض اس بے نظیر ہفت روزے کا ایک ایک شمارہ اپنے جلو میں علمی مباحثات کا ایک لشکر لیے ہوئے ہے۔ یہ متحدہ ہندوستان کی نصف صدی کے تمام مناقشات کا مخزن بھی ہے، اور اس دور کے تمام مذہبی نشیب وفراز کا آئینہ دار بھی۔ اسلام کا داعی کبیر بھی ہے اور تحریک اہلحدیث کی تاریخ کا پاسبان وامین بھی۔ ہزاروں افراد کے رشد وہدایت سے لے کر صحت وبیماری اور موت وحیات کی داستان بھی اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے اور ملکی سیاست کے تمام مراحل کی روداد بھی۔

اس ہفت روزے کو قادیانی مشن کی تردید کے سلسلے میں امتیازی حیثیت حاصل رہی ہے۔ اپنے اجراء کے پہلے ہی دن سے اس نے قادیانی مشن کی تردید اتنے ٹھوس انداز میں شروع کی کہ اس کے ضرب کی تاب نہ لا کر صرف تین سال پانچ ماہ بعد ۱۵ راپریل ۱۹۰۷ء کو قادیانیت کے باوائے آدم جناب مرزا صاحب اپنا مقدمہ اللہ کے حضور لے کر جا پہنچے۔ اور ان کے استغاثہ کے ساڑھے تیرہ ماہ بعد ۲۶ رمئی ۱۹۰۸ء کو اللہ تعالیٰ نے ایسا دوٹوک فیصلہ کیا کہ اسے اہل اسلام اور قادیانیوں کی جنگ کے یوم الفرقان کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ (قادیانی نبوت کے آخری کیل'' کے عنوان کے تحت تفصیلات گذر چکی ہیں)۔

''اہلحدیث'' کا عموماً ہر شمارہ اپنے جلو میں ردقادنیت سے متعلق ایک یا ایک سے زائد مضامین لے کر نمودار ہوتا تھا۔ اور اس کی جو نوعیت وکیفیت ہوتی تھی اس کا حال شیر اسلام مولانا ظفر علی خان کی زبانی سنئے۔ موصوف اپنے مذہبی جریدے ''ستارہ صبح'' میں لکھتے ہیں کہ ہمارے اس جریدے میں:

کسی دوسری جگہ فاضل معاصر اہلحدیث کا ایک دلآویز اقتباس ''قادیانی مشن'' کے عنوان سے درج ہے۔ جس میں مولانا مولوی ثناء اللہ صاحب نے جن سے بڑھ کر قادیان کے گھر کا بھیدی اور کوئی کم ہوگا۔ لنکا ڈھاتے ہوئے اپنی چابک دستی کا تازہ ترین کمال دکھایا ہے۔

مولانا بعض دفعہ ایسے پتے کی باتیں کہہ جاتے ہیں اور آپ کی تحریرات قادیانی ارسطوؤں، اصولیوں اور سائیوں کے لیے اس درجہ صبر آزما ہوتی ہیں کہ ان حضرات کی جان مبتلا ایک نئے مخمصہ میں الجھ کر رہ جاتی ہے۔ اہلحدیث کا جب کوئی تازہ نمبر قادیان شریف میں پہنچتا ہے۔ تو اس مقدس آسمان کے فرشتے ایک دوسرے سے پوچھنے لگتے ہیں کہ یہ ثناء اللہ، اخبار کا ایڈیٹر کا ہے کو

ہے۔ اچھا خاصا پنساری ہے جو پسی ہوئی فلفل سرخ کی پڑیہ ہر ہفتے ہمارے پاس بھیج دیتا ہے اور اس کے دام ہم سے مناظرہ اور مباہلہ کے بازار میں وصول کر لیتا ہے۔ ❶

اسی طرح محمد عطاء اللہ نامی ایک صاحب کٹک وار ہوئے۔ انہوں نے وہاں قادیانی امت کے دونوں گروپ لاہوری و قادیانی کی مساعی اور ان کے مقابل میں ہفت روزہ اہلحدیث کے اثرات دیکھ کر ایک خط لکھا جس کا بقدر ضرورت حصہ درج ذیل ہے۔

''اگر اخبار اہلحدیث ...... جو ہفتہ وار شائع ہوتا ہے۔ اور خاص ایک کالم بسرخی قادیانی مشن معین ہے...... نہ ہوتا تو یہ دونوں فریق بہت کچھ کر گذرتے۔ مگر یہ اخبار ان کے تمام عقائد باطلہ کی بیخ کنی میں ہمیشہ مصروف و سرگرم ہے۔ خصوصاً اس ملک اڑیسہ کے لیے کہ یہاں وجود علماء مثل عنقا ہے، ایک بے نظیر واعظ وہادی کا کام دیتا ہے۔ ورنہ بعض مرزائی یہاں پر جو دام تزویر بچھائے تھے بہت سے لاعلم اردو خوانوں کو شکار کر لیے ہوتے، بسبب اسی اخبار کے ان کے تمام منصوبے ملیامیٹ ہو جاتے ہیں۔'' ❷

پھر اسی کٹک کے علاقہ سے ایک صاحب سید عبدالمجید ساکن محلّہ دریاپور ڈاک خانہ سونگڑا ضلع کٹک (اڑیسہ) اپنے یہاں کے مقامی حالات بیان کرتے ہوئے ایک مراسلہ میں رقمطراز ہیں۔

''مقام سونگڑا ضلع کٹک (اڑیسہ) میں ۱۵۲ گھر مسلمانوں کے ہیں۔ ہمارے بھائیوں میں مولوی عبدالرحیم صاحب حیدر آباد میں ملازم تھے۔ وہ وہاں سے مرزائیت کا جامہ پہن کر ہمارے دیار میں مرزائیت کا جال پھیلا کر بہت سارے لوگوں کو مرزائی بنا دیا تھا۔ آخرش ہم نے اخبار اہلحدیث کی خریداری کی۔ اور دوسروں کو ترغیب دلائی۔ جس کی وجہ سے بہت سے لوگ مرزائیت سے تائب ہوئے۔ امید کہ اخبار میں مرزائیوں کے متعلق مفصل مطلع کیا کریں گے۔'' ❸

اور اب اسی کٹک کا ایک تیسرا مراسلہ ملاحظہ فرمائیے۔ یہ مراسلہ اخبار اہلحدیث کے ایک مستقل خریدار جناب فیاض الدین صاحب نے بھیجا تھا۔ لکھتے ہیں۔

---

❶ اہلحدیث ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ ص ۴۔ ❷ اہلحدیث ۲۸ اکتوبر ۱۹۱۷ء ص ۶۔

❸ ایضاً ۶ اپریل ۱۹۱۷ء۔

''شیر پنجاب بفضلہٖ تعالیٰ اب بھی غرا رہا ہے۔ مگر گالیوں اور کوسوں کے وار کرنے والے مدت سے زیر زمین ہیں...... ملک کٹک میں قادیانیوں کی تعداد انگلیوں میں گننے کے قابل ہے...... اگر چندے اس کی نگہداشت کی جائے تو امید ہے کہ مذہب مرزائی معہ بوریا بدھنا یہاں سے غائب غلہ ہو جائے گا۔''❶

اسی طرح ضلع گوجرانوالہ سے ایک صاحب عبدالعزیز نامی لکھتے ہیں۔

''حال میں ایک شخص ہمارے گاؤں کا چودھری محمد بخش، مرزا محمود قادیانی سے بیعت ہوا تھا۔ اہلحدیث کے مضامین پڑھتے پڑھتے اس نے بھرے جلسہ میں توبہ کی۔''❷

مدراس میں انجمن حفاظت الاسلام کے زیر انتظام ۱۵/نومبر ۱۹۲۹ء کو ایک اجلاس منعقد ہوا۔ صدر اجلاس نے اسلام دشمن تحریکوں کا جائزہ لیتے ہوئے فرمایا۔

''مرزائی لوگ اشاعت اسلام کر رہے ہیں۔ لیکن اس کی آڑ میں اپنے مسیح موعود مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے عقیدوں سے عوام مسلمان کو بہکایا کرتے ہیں...... اس لیے بہت ضروری ہے کہ اس کا تدارک کیا جائے۔ اور انجمن حفاظت الاسلام کا ہونا ضروری ہے۔ اور مرزا صاحب کا رد بہت معقول پیرایہ میں امرتسر کے اخبار اہلحدیث میں ہوا کرتا ہے جو اس کام کو باحسن وجوہ پورا کرتا ہے۔''

صدر کے بعد تامل اخبار ''سیف الاسلام'' کے ایڈیٹر مولوی احمد سعید صاحب اسٹیج پر جلوہ افروز ہوئے۔ انہوں نے صدر کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے انجمن حفاظت الاسلام کا وجود نہایت ضروری قرار دیا۔ اور فرمایا۔

''آریہ اور مرزائیہ کا رد اس وقت حضرت مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ صاحب مدیر ''اہلحدیث'' ہر ہفتہ معقول طور پر شائع کر کے ہم کو سبکدوش فرماتے ہیں۔ اور اخیر میں انجمن حفاظت الاسلام کے سیکرٹری نے کہا۔''

''اخبار اہلحدیث امرتسر ہماری انجمن میں آتا ہے۔ مولانا ثناء اللہ صاحب، مرزا غلام احمد قادیانی کا رد مرزا صاحب کے آخر لمحہ تک فرماتے رہے۔ مرزا صاحب نے ان کے موت کی دعا

---

❶ ایضاً یکم فروری ۱۹۱۸ء۔ ❷ ایضاً ۱۵/فروری ۱۹۱۸ء۔

بھی شائع کی اس وقت بھی مولانا صاحب نے قادیانی مشن کا پیچھا نہ چھوڑا۔'' [1]

اگر ہم اس طرح کی تفصیلات جمع کرنے لگیں تو کتاب کی ضخامت بہت بڑھ جائے گی۔
خلاصہ یہ کہ یہ اخبار دیگر باطل فرقوں کی طرح بلکہ ان سے بڑھ کر قادیانیت کی تردید میں بھی یکتا ویگانہ تھا۔ اور اس کے اثرات بڑے دور رس اور ہمہ گیر تھے۔ ابتداً رد قادیانیت کے لیے کوئی مستقل عنوان یا علامت مقرر نہ تھی۔ مضمون کے لحاظ سے عنوان کی تعیین ہوا کرتی تھی۔ لیکن جلد نمبر ۱۰ شمارہ ۳۳ سے باقاعدہ ''قادیانی مشن'' کا مستقل عنوان تجویز ہوا۔ اس کے بعد قادیانی مذہب سے متعلق جتنے مضامین شائع ہوتے تھے ان کی علامتی ہیڈنگ یہی عنوان تجویز ہوتا وہ جلی حرفوں میں اس علامتی عنوان کے تحت درج ہوتا تھا۔

---

[1] اس جلسے کی پوری روداد اہلحدیث امرتسر ۳ رجنوری ۱۹۳۰ء کے شمارے میں درج ہے۔ تفصیلات اسی سے اخذ کی گئی ہے۔

ادارے تنظیمات اور افراد کے ذریعہ قادیانیت کی تردید

مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے جہاں ذاتی طور پر درس ووعظ ،تحریر وتقریر، بحث وگفتگو اور مناظرات ومباحثات کے ذریعہ ردّ قادیانیت کے سلسلہ میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ وہیں ادارے، تنظیمات ،تحریکوں اور افراد کے ذریعہ بھی اس میدان میں نمایاں اور موثر کارنامے انجام دیئے۔

جب تک آپ کے اعصاب قوی تگ ودو کے متحمل ہو سکتے تھے، آپ ہفت روزہ اہل حدیث کی بے پایاں مصروفیتوں کے باوجود اکثر وبیشتر محاذ پر بہ نفس نفیس تشریف لے جاتے تھے اور اہل اسلام کی طرف سے خصوصیت کے ساتھ آپ ہی کو طلب بھی کیا جاتا تھا لیکن آپ کو معلوم تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو درازئ عمر کی نعمت سے نوازا بھی تو ایک دن اعصاب مضمحل ہو جائیں گے اور آپ ذاتی طور پر اس بار گراں کے متحمل ہونے کے لائق نہ رہ سکیں گے۔ اس لیے آپ نے آغاز کار ہی سے اپنا بدل مہیا کرنے پر توجہ مرکوز رکھی۔

ذاتی طور پر آپ کی مصروفیات جیسی کچھ تھیں اور لوگوں کے بے پایاں شوق وطلب کا جو عالم تھا اس کا اندازہ آپ کے ایک نوٹ سے لگایا جا سکتا ہے۔ جو حقیقت حال کا بے لاگ ترجمان ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کی ظرافت طبع کا بھی آئینہ دار ہے۔ آپ ایک عنوان مقرر کرکے کہ ''مجھے ہوائی جہاز کی ضرورت ہے'' لکھتے ہیں۔

''احباب کرام کی محبت کہوں یا جبر کہوں ایک ہی تاریخ میں مجھ کو کئی ایک مقامات سے دعوت تقریر بھیجے ہیں اور مجبور کرتے ہیں کہ ضرور پہنچئے۔ مثلاً ایک گوجرانوالہ پنجاب میں ہے تو اسی تاریخ راجشاہی بنگال میں ہے۔ ان کے درمیان بھی، اس

صورت میں میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ بجز اس کے کہ ایک ہوائی جہاز کی ضرورت ہے۔ کوئی صاحب یا کوئی انجمن مجھے لے دیں۔ میں کرایہ دے دیا کروں گا۔ ❶

اس نوٹ کی تہ میں توسیع دعوت کے انتظامات کی جو ضرورت جھلک رہی ہے اس کا تقاضا تھا کہ مولانا اس موضوع پر سنجیدگی سے غور کرتے اور آپ نے یہی کیا بھی۔ درحقیقت آپ ایک ایسے دور میں پیدا ہوئے تھے جب کہ ہندوستان کے اکثر و بیشتر حصے عموماً اور صوبہ پنجاب خصوصاً بیسیوں افکار و نظریات اور مذاہب و خیالات کے تصادم و تقابل کا اکھاڑہ بنا ہوا تھا۔ مسلمانوں کے اندر اور باہر سے اٹھنے والے سینکڑوں فتنے تھے جن کا رُخ حقیقی اور خالص اسلام کی طرف تھا اور ہر ایک کی تگ و دو اس نقطے پر مرکوز تھی کہ اسلام کے رُخ رعنا کی زیبائش و آرائش کو داغ دار اور اس کی جہاں تابی و جمال آرائی کو ظلمت افکار سے تیرہ تار بنا دیں۔ مولانا امرتسری رحمہ اللہ ان تمام فتنوں سے نبرد آزما تھے اور اسلام کے حفظ و دفاع کے لیے بیک وقت چومکھی لڑائی لڑ رہے تھے۔

آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس

آپ نے جب اس میدان میں ابتداءً قدم رکھا تو ...... جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں ...... آپ کا حقیقی شغل درس و تدریس کا تھا۔ لیکن آپ نے ابتدائی مرحلے ہی میں محسوس کر لیا کہ مشغلۂ تدریس کے ساتھ اسلام کے حفظ و دفاع کا ہمہ گیر فریضہ کما حقہ ادا نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ آپ نے اس سے علیحدگی اختیار کر لی اور مباحثات و مجادلات کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا کام شروع کیا۔ دو ہی تین برس میں آپ نے محسوس کیا کہ تصنیف و تالیف کا کام بھی تکمیل مقصد کے لیے ناکافی ہے اور اسے محض ایک سنگ میل کی حیثیت دی جا سکتی ہے۔ اس لیے اگلے قدم کے طور پر آپ نے صحافت کا میدان اختیار کیا اور ضروریات اور تقاضوں کے مدنظر اس میں خاصی وسعت اور تنوع پیدا کیا لیکن یہ کام بھی ضرورت کے اعتبار سے ناکافی نظر آیا اور کام کی وسعت اور انفرادی تگ و دو کی تنگ دامانی کا تقابل کرتے ہوئے صاف محسوس ہونے لگا کہ ایک ہمہ گیر، جامع اور بھرپور جدوجہد کی منظم اور اجتماعی شاہراہ اختیار کیے بغیر ان طوفانوں کا ٹھیک

---

❶ اہل حدیث امرتسر ۲۶/ فروری ۱۹۲۶ء ص ۱۵

ٹھیک مقابلہ نہیں کیا جا سکتا جو اسلام کے خلاف پوری قوت سے سر اٹھائے ہوئے ہیں۔ اور جن میں آئے دن نئے نئے طوفانوں کا اضافہ ہو رہا ہے۔ اس مومنانہ، عہد آفریں اور مبارک احساس ہی کے تحت آپ نے اکابر علمائے اہلحدیث کے سامنے ایک منظم اور فعال ادارے کی تشکیل کی تجویز پیش کی۔ جسے تمام رہنمایان جماعت نے بالاتفاق منظور کیا۔ اور ۲ر فروری قعدہ ۱۳۲۳ھ مطابق ۲۲ دسمبر ۱۹۰۶ء کو آرہ میں [illegible] کے عظیم الشان [illegible] "مذاکرہ علمیہ" کے دوران اس ادارے "آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس" کی تشکیل عمل میں آ گئی۔ حضرت حافظ عبداللہ صاحب غازی پوریؒ اور مولانا عبدالعزیز صاحب محدث رحیم آبادیؒ وغیرہ جیسی بڑی بڑی ہستیاں اور شخصیتیں موجود تھیں۔ ان سب نے بالاتفاق نظامت کا بار گراں مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے کندھوں پر ڈالا۔ کیونکہ انہیں آپ کی جواں عزمی، بلند نگاہی، قوت کارکردگی اور دل نواز انداز دعوت و تبلیغ کا ٹھیک ٹھیک اندازہ تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ؎

وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا
شباب جس کا ہے بے داغ، ضرب ہے کاری
اگر ہو جنگ تو شیران غاب سے بڑھ کر
اگر ہو صلح تو رعنا غزال تاتاری

مولانا نے اپنے ان اکابر کی توقعات پوری کیں۔ آپ کو اپنی ذمہ داریوں کا مکمل احساس تھا۔ چنانچہ آپ نے اس ادارے کو کارآمد، فعال اور متحرک بنانے میں اپنی بہترین صلاحیتوں صرف کیں اور اس ادارے نے مختلف میدانوں میں ملت اسلامیہ کی عموماً اور جماعت اہلحدیث کی خصوصاً نمایاں اور گراں قدر خدمات انجام دیں۔ آپ نے اس پلیٹ فارم سے ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیلے اور بکھرے ہوئے بلکہ سوئے ہوئے اہلحدیثوں کو منظم، بیدار، متحرک اور رواں دواں کیا۔ ان کے خفتہ احساس و شعور حیات کو بیدار کیا۔ اور انہیں زندگی کی وسعتوں سے بھرپور شاہراہ پر لگا دیا۔ چنانچہ آج بھی ان کے آثار و برکات دیکھے اور محسوس کیے جا سکتے ہیں۔ اور ان کی تہ سے ابلتی ہوئی جوئے حیات کی آہستہ خرامی کے یہ لازوال نغمات سے جا سکتے ہیں کہ ؎

تلک آثار نا تدل علینا
فانظروا بعد نا الی الآثار

یہ ہمارے نقوش ہیں جو ہماری حقیقت کا پتہ دے رہے ہیں۔ ہمارے بعد ہمارے ان نقوش کو دیکھو۔

کانفرنس کے جلسے

اس ادارے کے کارناموں کی تفصیلات میرا موضوع نہیں ہیں۔ بلکہ اس داستان سرائی کا محض سبب یہ ہے کہ چونکہ اس ادارے نے مولانا کی قیادت ورہنمائی میں جہاں بہت سارے کارنامے انجام دیئے وہیں رد قادیانیت کے سلسلے میں بھی نمایاں اور اہم خدمات انجام دیں۔ اس لئے ضرورت محسوس ہورہی تھی کہ اس کا ایک مختصر سا تعارف ہدیۂ قارئین کردیا جائے۔ اور اس کے بعد ان خدمات کا ایک اجمالی خاکہ پیش کیا جائے جن کا تعلق رد قادیانیت کے موضوع سے ہے۔

اس ادارے کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی تھی کہ ہندوستان گیر پیمانے پر اس کے سالانہ جلسے بڑی دھوم دھام سے ہوتے تھے۔ جو بڑے موثر اور انقلاب آفریں ہوتے تھے۔ ان جلسوں کی برکت سے بہت سارے لوگوں پر ہدایت ورہنمائی اور حق شناسی کے دروازے کھل جایا کرتے تھے۔ بہت سے گم کردہ راہوں کو منزل مقصود مل جایا کرتی تھی۔ اور ملت اسلامیہ کے تھکے ماندے ہوئے راہروؤں کو نیا جوش ونشاط اور جذبہ وولولہ ہو جایا کرتا تھا۔

ان جلسوں کا آغاز فروری ۱۹۱۲ء سے ہوا۔ اور اختتام اپریل ۱۹۴۴ء میں۔ اس بتیس سال دو ماہ کے عرصے میں ۲۴ سالانہ جلسے ہوئے۔ درمیانی مدت کے بعض برسوں میں اور ۱۹۴۴ء کے بعد کے زمانہ میں ہندوستان کے سیاسی افق پر ایسے شعلہ بار واقعات رونما ہوتے رہے کہ ادارے کو مجبوراً اپنے اجلاس بند رکھنے پڑے اور تقسیم ملک کے بعد تو اس ادارے کا صرف بے جان ڈھانچہ باقی رہ گیا ہے۔ جس میں تیس سال کے طویل عرصے سے مسلسل نفخ روح کی کوشش کی جارہی ہے۔ مگر آثار حیات کا نمود وظہور اب تک نہیں ہو سکا ہے۔

چونکہ قادیانی مبلغین نے اپنی انتھک جدوجہد کے ذریعہ اپنی آواز ہندوستان کے دور دراز گوشوں تک پھیلا رکھی تھی اس لئے اس ادارے کے سالانہ جلسوں میں رد قادنیت کا بھی خصوصی

اہتمام کیا جاتا تھا۔ اور اس کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوتے تھے۔ ان میں سے متعدد سالانہ جلسوں میں قادیانیوں کے ساتھ مناظرے بھی ہوئے۔

مبلغین

ان جلسوں کے علاوہ اس ادارے کے ماتحت مبلغین اسلام کی بھی پوری ایک ٹیم تھی۔ یہ لوگ ہندوستان کے گوشے گوشے میں کتاب وسنت کا غلغلہ بلند کرتے پھرتے تھے۔ اور بے لاگ نقد واحتساب کے ذریعہ بدعات وخرافات اور باطل افکار ونظریات کی قلعی کھولتے تھے۔ ان مبلغین کی ایک اچھی خاصی تعداد اضلاع پنجاب میں عموماً اور قادیان اور اس کے گردوپیش میں خصوصاً گردش کرتی رہتی تھی۔ عام دعوت اسلام کے علاوہ ردقادیانیت ان مبلغین کا خاص مشن تھا۔ یہ حضرات منجھے ہوئے مقرر اور مشاق مناظر تھے۔ حریف (قادیانیوں) پر عقاب کی طرح جھپٹتے تھے۔ اور دیکھتے دیکھتے بے دم کردیتے تھے۔ مولانا امرتسریؒ ان پر خاصا اعتماد کرتے تھے۔ اور اپنی شدید مصروفیات کے سبب گردوپیش کے اکثر وبیشتر بحث ومناظرہ کے لئے انہیں کو بھیج دیا کرتے تھے۔ اور یہ حضرات اپنے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتے تھے۔ بحث ومناظرہ کے علاوہ یہ حضرات گاؤں گاؤں اور گلی گلی گھوم گھوم کر بھی قادیانی زہر کا مداوا کرتے پھرتے تھے۔ اور یہی وجہ ہے کہ قادیانیوں کی انتھک کوششوں اور بے محابا نوازشوں کے باوجود قادیان کے گردوپیش کی بستیاں اس فتنے سے بڑی حد تک محفوظ رہیں۔ ان بستیوں میں گھومنے والا اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا عملی منظر اپنے آنکھوں سے دیکھتا تھا کہ ان الذین کفروا ینفقون اموالهم لیصد واعز سبیل الله. فسینفقو نها ثم تکون علیهم حسرة ثم یغلبون. جنہوں نے کفر کی روش اختیار کی وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنے کے لئے اپنی دولت خرچ کرتے ہیں۔ سو یہ اپنی دولت خرچ کریں گے۔ پھر وہ ان کے لئے سراپا حسرت ہوگی۔ پھر یہ مغلوب ہوجائیں گے۔ ''اہلحدیث'' میں چھپنے والی رپورٹوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان مبلغین کی جدوجہد کے نتیجے میں بہت سے دام افتادگان قادیانیت، اس گمراہی سے تائب ہوکر دولت اسلام سے بہرہ ور ہوتے رہتے تھے۔

قادیان کے اطراف میں گردش کرنے والے ان مبلغین میں حافظ گوہرالدین، مولوی

بہرام خان، مولوی محمد امین، مولوی محمد یعقوب، مولوی میر محمد، اور مولوی عبدالرحیم شاہ صاحبان کے نام اہلحدیث کے مختلف شماروں میں بار بار دیکھنے میں آئے ہیں۔

انجمنیں

مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے اسلام کے حفظ ودفاع کے کاز کو زیادہ مؤثر بنانے کے لئے انجمن سازی کی مہم بھی چلائی۔ اور ان سے بھی ردقادیانیت کے سلسلے میں بڑا کام لیا۔ آپ نے اپنے جریدۂ فریدہ اہلحدیث میں بھی اور جہاں جہاں جلسوں میں تشریف لے گئے ان جلسوں میں بھی انجمن سازی کی مسلسل تحریک کی نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں جگہ جگہ انجمنیں قائم ہو گئیں۔ یہ انجمنیں نمایاں طور پر دو قسموں میں تقسیم تھیں۔ ایک قسم ان انجمنوں کی تھی جن کا قیام خالص اہلحدیث افراد کے ذریعہ اور جماعت اہلحدیث کی مخصوص ضروریات کو مدنظر رکھ کر عمل میں لایا گیا تھا۔ ایسی انجمنیں ''انجمن اہلحدیث'' کے نام سے موسوم ہوا کرتی تھیں۔ دوسری قسم ان انجمنوں کی تھی جنہیں کسی ایک مخصوص فرقے یا جماعت کے بجائے تمام اسلام فرقوں کی نمائندگی حاصل تھی۔ آپ کی تحریک پر اس دوسری قسم کی انجمنوں کا قیام اگرچہ زیادہ تر اہلحدیث افراد ہی کے ہاتھوں ہوا کرتا تھا۔ لیکن تمام فرقوں کی مشترک ذمہ داری کو اشتراک کے ساتھ انجام دینے کے لئے اس قسم کی انجمنوں میں دیگر فرقوں کو بھی خاطر خواہ نمائندگی دی جاتی تھی۔ اور ایسی انجمنیں ''اسلامی انجمن'' یا ''انجمن اشاعت اسلام'' وغیرہ جیسے ناموں سے موسوم ہوا کرتی تھی۔ یہ مولانا امرتسری رحمہ اللہ کی وسیع الظرفی اور کشادہ نگاہی تھی کہ تنگ نظری اور تحرب پسندی کے اس تیرہ وتار دور میں بھی آپ اسلامی حفظ ودفاع کا مشترک کام تمام اسلامی فرقوں کے اشتراک وتعاون ہی سے کرنا پسند فرماتے تھے۔ اور عملاً اسی راہ پر گامزن بھی تھے۔

پنجاب کی اہلحدیث انجمنوں کو منظم اور مربوط رکھنے کے لئے آپ نے لاہور میں ان کا ایک صوبائی مرکز بھی قازم کیا تھا۔ جو ''صدر انجمن ہائے اہلحدیث پنجاب'' کے نام سے موسوم تھا۔

مذکورہ بالا دو قسم کی انجمنوں کے ذریعہ اسلام کی بڑی ٹھوس خدمات انجام پذیر ہوئی۔ یہ انجمنیں مولانا کی ہدایت ورہنمائی کے مطابق اپنے اپنے مقامات میں تبلیغ واشاعت کا کام انجام دیتی تھیں۔ اور بالعموم بڑے اہتمام کے ساتھ بڑے پیمانے پر سالانہ جلسے کرتی تھیں۔ ان

جلسوں میں مخالفین اسلام کی تردید کے لئے خصوصی عنوانات پر تقریریں ہوتی تھیں۔ اور مناظرے اور مباحثے کا بھی عموماً باقاعدہ انتظام ہوا کرتا تھا۔ باقاعدہ مبلغ رکھنا، اشتہارات، ٹریکٹ، پمفلٹ اور رسالے چھاپنا، اور چھپے ہوئے اشتہارات اور پمفلٹ وغیرہ کو خرید کر زیادہ سے زیادہ ہاتھوں تک پہونچانا۔ مخالفین اسلام کی کارروائیوں کا فوری اور بروقت تدارک کرنا۔ مسلمانوں کی سستی، غفلت اور کوتاہی عمل کے خاتمے کے لئے جدوجہد کرنا وغیرہ بہت سارے نصب العین تھے جو ان انجمنوں کے پروگرام کا حصہ تھے۔ اور جنہیں یہ انجمنیں حسب استطاعت پورے نشاط اور پوری سرگرمی کے ساتھ انجام دیتی تھیں۔ ان انجمنوں کی وجہ سے پورے پنجاب میں ہمہ وقت حرکت وعمل کا ایک سلسلہ جاری رہتا تھا۔

ان انجمنوں نے قادیانی زہر کا تریاق فراہم کرنے میں نمایاں اور شاہکار کارنامے انجام دیئے۔ زیادہ تر بڑے بڑے مناظرے اور تردیدی جلسے انہیں انجمنوں کے زیر اہتمام منعقد ہوئے۔ جن میں کامیابی وکامرانی اور فتح وغلبے نے مسلمانوں کے قدم چومے۔

ان انجمنوں میں بھی قادینیت کی تردید کے سلسلے میں بٹالہ اور قادیان کی اسلامی انجمنوں کو اپنی جائے وقوع اور کارکردگی دونوں لحاظ سے خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ عین مرکز قادیان میں واقع ہونے کی وجہ سے یہ دونوں انجمنیں دور دراز کی انجمنوں کی بہ نسبت سرگرمی اور چستی کے مظاہر کی زیادہ ضرورت محسوس کرتی تھیں۔

لاہور، جہلم، گوجرانوالہ، امرتسر، ہوشیار پور، لدھیانہ، وزیر آباد، سیالکوٹ، گجرات، جھنگ، سرگودھا، راولپنڈی، منٹگمری، ڈیرہ غازی خان، پشاور وغیرہ بہت سارے مقامات ہیں جہاں کی اہلحدیث انجمنوں نے ردقادیانیت کے سلسلے میں گرم حصہ لیا۔ اور اپنی اپنی بساط کے مطابق اس ”دجالی فتنے“ کی مقاومت کی۔

اس طرح کی انجمنیں پنجاب سے باہر بھی قائم تھیں۔ اہلحدیث انجمنیں زیادہ تر، اور اسلامی انجمنیں کہیں کہیں۔ ان انجمنوں کی تگ ودو کی نوعیت بھی وہی تھی جو صوبۂ پنجاب کی انجمنوں کی تھی۔ لیکن بیرون پنجاب کا خطہ پنجاب کی حد تک فتنوں کی آماجگاہ نہ تھا۔ اس لئے ان کی تگ ودو پنجاب کی انجمنوں کے مقابل میں کسی قدر کم تھی۔ ان انجمنوں کو بھی مولانا کی

سرپرستی ورہنمائی حاصل تھی۔

جمعیۃ تبلیغ اہل حدیث پنجاب

حالات کے بڑھتے ہوئے تقاضوں کے مدنظر مولانا امرتسری رحمہ اللہ مزید جدوجہد کی ضرورت محسوس کر رہے تھے۔ اس مقصد کے لئے ۱۳ر جولائی ۱۹۳۵ء کو۔ جبکہ مولانا کی عمر ستر سال کے قریب پہنچ رہی تھی اور آپ کے قویٰ پر اضمحلال شروع ہو چکا تھا۔ امرتسر میں ایک نمائندہ اجتماع ہوا۔ سیالکوٹ اور امرتسر کے اعیان جماعت موجود تھے۔ غور وخوض کے بعد خاص صوبۂ پنجاب کے لئے ایک جمعیۃ کی تشکیل کا فیصلہ ہوا۔ اس جمعیۃ کا نام ”جمعیۃ تبلیغ اہل حدیث پنجاب“ رکھا گیا۔ مولانا امرتسری رحمہ اللہ چونکہ پہلے ہی سے گوناگوں ذمہ داریاں سنبھالے ہوئے تھے۔ اس لئے تقسیم کار کے اصول پر عمل کرتے ہوئے اس جمعیۃ کی صدرات مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی کے حوالے کی گئی۔ اور نظامت کے لئے مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے شاگرد رشید اور تربیت یافتہ خصوصی مولانا عبداللہ صاحب ثانی امرتسری رحمہ اللہ کو منتخب کیا گیا۔ مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسریؒ نے اس جمعیۃ کا صرف سرپرست اور مشیر کار بننا قبول کیا۔

اس جمعیۃ نے اپنے جواں عزم وجواں سال ناظم کی بلند حوصلگی اور مولانا امرتسری رحمہ اللہ سے ہمہ وقت حاصل ہونے والی رہنمائی کے سبب بڑی سرگرمی کے ساتھ ہمہ گیر خدمات انجام دیں۔ ان خدمات کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس جمعیۃ نے وسط ۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۰ء تک صرف ساڑھے چار سال کے عرصہ میں تنہا ضلع سیالکوٹ کے اندر پانچ سو غیر مسلموں کو مسلمان بنا دیا تھا اور انہیں اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور کرنے کا بھی باقاعدہ انتظام کر دیا تھا۔ ❶

اس جمعیۃ کی پرجوش سرگرمیوں کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد ردقادیانیت بھی تھا۔ اور اس سلسلہ میں اس کی خدمات خاصی نمایاں اور اہم ہیں۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ بسا اوقات اس جمعیۃ کے تبلیغی دوروں اور اجتماعات کے نتیجے میں ایک ایک مجلس کے اندر چالیس چالیس اور پچاس پچاس قادیانی تائب ہوئے ہیں۔ دو چار افراد کے تائب ہونے کے واقعات تو اس جمعیۃ کے تقریباً تمام اجتماعات سے تعلق رکھتے ہیں۔

---

❶ دیکھئے اہلحدیث امرتسر ۱۸ اپریل ۱۹۴۱ء

تبلیغی سرگرمیوں کے علاوہ اس جمعیۃ نے مختلف موضوعات پر رسائل اور ٹریکٹ وغیرہ کی اشاعت کا بھی اہتمام کیا تھا۔ جن میں قادیانیت کا موضوع بھی خصوصی توجہ کی زد میں رہا۔ یہ جمعیۃ قیام پاکستان (۱۹۴۷ء) تک برابر سرگرم عمل رہی لیکن ہمیں اس کی سرگرمیوں کی جامع مفصل اور مکمل رپورٹ دستیاب نہ ہو سکی۔

یوم تردید قادیانیت

قادیانیوں نے اپنی مذہبی ترویج واشاعت کا ایک طریق یہ بھی نکال رکھا تھا کہ وہ کسی خاص دن کو یوم تبلیغ مقرر کر کے اس دن، دن بھر، بلکہ رات کے بھی بیشتر حصوں میں ہر جگہ بڑے زور شور سے قادنیت کی نشر واشاعت کرتے تھے۔ چونکہ ''یوم تبلیغ'' کی تعیین اعلان قادیانی اخبارات میں کچھ دنوں پہلے ہی سے ہونا شروع ہو جاتا تھا اس لئے مولانا امرتسریؒ بھی اسی دن کی بابت ''یوم تبلیغ'' منانے کا اعلان کر دیتے تھے۔ لیکن آپ کے اس جوابی یوم تبلیغ کا مطلب ہوتا تھا۔ ''یوم تردید قادنیت'' اس دن کے منانے کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ آپ پہلے ہی سے ردقانیت کے سلسلے میں نہایت ہی کار آمد اشتہارات، ٹریکٹ اور پمفلٹ وغیرہ چھاپ لیتے تھے۔ اور مقررہ دن میں اپنے قائم کردہ مختلف تنظیمی اداروں اور اسلامی انجمنوں وغیرہ کے ذریعہ ہر جگہ بہت بڑے پیمانے پر انہیں تقسیم کراتے۔ اور اس دن، دن بھر ہر جگہ ردقادنیت کے سلسلے میں زور شور کے ساتھ جلسے منعقد کرنے کی تحریک کرتے۔ آپ کی حسب تحریک ادارے انجمنیں بڑھ چڑھ کر اس پروگرام میں حصہ لیتیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ قادیانیوں کی تگ ودو رائیگاں جاتی۔ اور بسا اوقات وہ اپنے بہت سے مریدوں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے۔

تلامذہ، تربیت یافتگان اور حلقۂ فیض کی خدمات

ردقادیانیت کے سلسلے میں مولانا کی خدمات کا یہ پہلو بھی نہایت روشن اور تابناک ہے۔ آپ نے جس طرز تحقیق وتنقید کی بنیاد ڈالی تھی وہ اگرچہ علم مناظرہ کے مسلمہ اصول کے تحت تھا۔ لیکن آپ کے تبصرے لکھنے کا انداز، اور بحث وگرفت کا طریقہ اچھوتا ہوا کرتا تھا۔ آپ مدمقابل کی تردید ہمیشہ اس کے مسلمات سے کیا کرتے تھے۔ اور گفتگو کو طوالت سے بچانے کے لئے

مسلمات کے بھی وہ اجزاء پیش کرتے تھے جن میں فریق مقابل کے لئے چوں وچرا کی گنجائش نہ نکل سکے۔ اور جن کی براہ راست مقابل کے مزعومہ دعویٰ پر پڑتی ہو۔ ایسے موضوعات جن پر داد تحقیق دے لینے کے باوجود کوئی خاص نتیجہ برآمد نہ ہوسکتا ہو، یا جن سے براہ راست فریق مقابل کے عقائد ونظریات کی بیخ کنی نہ ہو، یا جن سے اہل علم کے سوا باقیماندہ طبقات کو کوئی فائدہ نہ پہنچ سکتا ہو ایسے موضوعات سے آپ بالعموم کنارہ کش رہتے تھے۔ اور شدید ضرورت کے بغیر ان سے تعرض نہ کرتے تھے۔

آپ نے جب اپنے نرالے انداز تحقیق اور اچھوتے طرز تنقید کے ساتھ امت قادیانیہ کے عقائد ونظریات پر ضربیں لگانی شروع کیں تو اہلحدیث کے وہ قارئین جن میں تحقیق وتنقید کا ذوق سلیم تھا۔ آپ کی طرز وانداز سے خاصے متاثر ہوئے۔ آپ کی تنقیدات نے ان کے ذوق نگارش کو جلا بخشی۔ اور ان کے خوابیدہ جذبات اور خفتہ صلاحیتوں کو بیدار کر کے ان کے رہوار قلم کو مہمیز لگائی۔ چنانچہ رفتہ رفتہ ایک ایسا حلقۂ اثر یا حلقۂ جناب تیار ہوگیا جن کی نگارشات سے اہلحدیث کے صفحات مزین ہونے لگے۔

اس سلسلۃ الذہب کے اوائل میں مرزا صاحب کے حریف خاص ڈاکٹر عبدالحکیم خان صاحب پٹیالوی، بابو عبدالحئی صاحب پنشنر، کوہاٹی (جو عموماً اپنے آپ کو "یکے از کوہاٹ" لکھا کرتے تھے) سید میر بسمل (سابق قادیانی) خصوصیت کے ساتھ ذکر کئے جاسکتے ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نئے نئے چہرے ابھرتے گئے۔ اور مختلف اوقات میں مولوی مہرالدین صاحب (میانونڈ) مولوی نور محمد صاحب میمیانوی (جہلم) احمد صدیق صاحب (کراچی) حافظ فضل الرحمٰن صاحب (راولپنڈی) محمد علی صاحب تارکش (جے پور) مولوی نور الٰہی صاحب نور، گھر جاکھی عبدلکریم صاحب ڈگشائی، حکیم عبدالرحمٰن صاحب (تیجہ کلاں، گورداسپور) حافظ عنایت اللہ صاحب وزیر آبادی، مفتی صاحب ریاست منگرول (کاٹھیاواڑ) مولوی محمد شیع صاحب (قلعہ میہاں سنگھ، گوجرانوالہ) مولانا عبداللہ صاحب معمار امرتسری رحمہ اللہ اور بابو حبیب اللہ صاحب کلرک دفتر نہر امرتسر کی شخصیتیں اہلحدیث کے صفحات پر جلوہ گر ہوئیں۔ ان کے علاوہ آپ کے حلقۂ احباب کے شمس وقمر مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی رحمہ اللہ اور مولانا

ابوالقاسم صاحب سیف بنارسی کے اسماء گرامی سے اس فہرست کی چوٹی کو مزین کر لینا چاہیے۔

ان حضرات میں سے آخر الذکر دو کو چھوڑ کر...... کہ وہ بذات خود اپنا ایک انداز واسلوب رکھتے تھے بقیہ حضرات کے متعلق وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے بڑی حد تک مولانا کے طرز تحقیق اور اسلوب نگارش کا تتبع کیا۔ اور اپنی ٹھوس گرفتوں اور ناقابل تردید استدلات کے ذریعہ قادیانیوں کا ناطقہ بند کئے رکھا۔

مولانا عبداللہ صاحب معمار اور بابو حبیب اللہ صاحب کلرک دونوں ہی مولانا کے خصوصی تلامذہ اور تربیت یافتگان میں سے تھے۔ اور دونوں ہی نرالے طرز نگارش کے مالک تھے۔ دونوں حضرات کی سکونت چونکہ امرتسر ہی میں تھی اس لئے انہیں مولانا سے فیضیاب ہونے کے بہتر اور زیادہ مواقع بھی حاصل تھے۔ موجودہ صدی کے ربع ثانی میں یہ دونوں شخصیتیں نمایاں طور پر ابھر چکی تھیں۔ اخبار اہلحدیث امرتسر میں ردقادیانیت پر ان کے مضامین تقریباً مسلسل شائع ہوتے تھے۔ جن سے قادیانی حلقوں میں ہلچل مچ جایا کرتی تھی۔ جب کوئی اہم مناظرہ درپیش ہوتا، اور مولانا امرتسری رحمہ اللہ اپنی بے پایاں اخباری اور جماعتی مصروفیات یا بیماری وناسازی طبع کے سبب حاضر ہونے سے معذور ہوتے تو عموماً ان ہی دونوں میں سے کسی ایک کو بھیج دیتے تھے۔ بلکہ بعض اوقات خود موجود رہتے ہوئے بھی ان میں سے کسی ایک کو مناظرہ کے لئے کھڑا کر دیتے اور خود نگرانی ورہنمائی فرماتے رہتے تھے۔ ان دونوں حضرات میں سے بھی آپ کی نظر انتخاب عموماً مولانا عبداللہ صاحب معمار پر پڑتی تھی۔ اور حق یہ ہے کہ موصوف اپنے استاد (مولانا امرتسری رحمہ اللہ) کی نیابت کا حق پورا پورا کر دیتے تھے۔ بیسویں صدی کے تیسرے عشرے میں جب مولانا امرتسری رحمہ اللہ کی ستردیں منزل طے کر رہے تھے۔ اور قوی کے اضمحلال اور بعض طویل امراض کے سبب زیادہ تگ ودو نہ کر سکتے تھے۔ مذکورہ بالا دونوں حضرات کی گردش بہت تیز نظر آتی ہے۔ اور وہ میدان کارزار کے صف اول کے مجاہدین میں بھی نمایاں نظر آتے ہیں۔

مضامین ومناظرات کے علاوہ ان دونوں حضرات نے ردقادیانیت کے موضوع پر تصنیفات ورسائل کی بھی خاصی مقدار چھوڑی ہے۔ مولوی حبیب اللہ صاحب کلرک دفتر نہر امرتسر کے رسائل جو مجھے اس وقت دستیاب ہیں ان کی تعداد سترہ ہے۔ یہ سب کے سب

مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے صاحبزادے مولوی ابو رضا عطاء اللہ صاحب کے زیر اہتمام ثنائی برقی پریس کے چھپے ہوئے ہیں۔ میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ بابو حبیب اللہ صاحب کے تالیف کردہ کل رسائل کی تعداد سترہ ہی ہے۔ کیونکہ ان میں سے صرف ایک رسالہ ۱۹۲۹ء کا شائع شدہ ہے۔ بقیہ رسائل صرف ڈھائی سال کے دوران (یعنی دسمبر ۱۹۳۲ء سے وسط ۱۹۳۵ء تک) کے طبع شائع شدہ ہیں۔ حالانکہ ان کی تقریری یا تحریری خدمات کا دائرہ ہی ڈھائی برسوں میں محدود نہیں ہے۔

مولانا عبداللہ صاحب معمار امرتسری رحمہ اللہ مرحوم کی تحریری میدان میں بھی امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ اور انہیں کم از کم قادیانیت کے موضوع پر مولانا کا صحیح جانشین کہا جا سکتا ہے۔ وہی انداز استدلال، وہی طرز گفتگو، وہی زور قوت، وہی زیر و بم اور وہی لطافت و فرافت، گویا شاگرد نے استاد کی خوبیوں اور کمالات کا نہایت کامیاب تتبع کیا ہے۔

ہمیں رد قادیانیت کے موضوع پر مولانا معمار کی نہ تو جملہ تالیفات ہی دستیاب ہو سکیں۔ اور نہ ان کی کوئی جامع فہرست ہی مل سکی۔ بلکہ ان کی صرف پانچ تالیفات کا ہمیں علم ہو سکا ہے۔ جن میں سے تین عدد فی الحال دستیاب ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں ان کی تالیفات کی ٹھیک ٹھیک، صحیح اور یقینی تعداد بتلانی مشکل ہے۔

ممکن ہے موصوف کی تالیفات کی تعداد زیادہ نہ ہو۔ لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ ان کی صرف ایک ہی تالیف سینکڑوں تالیفات پر بھاری ہے۔ کون ہوگا جسے قادیانیت کے موضوع سے دلچسپی ہو اور اس نے ''محمدیہ پاکٹ بک'' کا نام نہ سنا ہو، یہ کتاب مولانا عبداللہ صاحب معمار ہی کے اشہب قلم کا شہکار ہے۔ یہ چھوٹے سائز کے سات سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اور ہر صفحہ باریک خط میں ۳۳ سطروں پر مشتمل ہے۔ اس میں ۳۵۸ عنوانات کے تحت تشنہ نہیں چھوڑا گیا ہے۔ درحقیقت یہ کتاب قادیانیت کے موضوع پر سب سے زیادہ جامع اور ہمہ گیر کتاب ہے۔ اسے ''قادیانی اسلامی مباحث'' کے دائرۃ المعارف (انسائیکلو پیڈیا) کی حیثیت حاصل ہے۔ اور یہ عرب کی مشہور کہاوت کل الصید فی جوف الفراء (یعنی ہر شکار نیل گائے کے پیٹ میں ہے) مصداق ہے۔

اس کتاب پر اس وقت کے، ہندو بیرون ہند کے، چوٹی کے رسائل وجرائد...... معارف، اعظم گڈھ۔ جامعہ دہلی...... فاران بجنور...... النجم لکھنؤ...... شیر رنگون...... خلافت...... بمبئی...... مدینہ بجنور...... الجمعیۃ دہلی...... احسان لاہور...... مسلمان سوہدرہ...... اور دیگر رسائل وجرائد نے نہایت شاندار اور حوصلہ افزا تبصرے کئے تھے۔ اور بالعموم اس کتاب کو اپنے موضوع پر منفرد قرار دیا تھا۔ اور حقیقت بھی یہی ہے۔ بلکہ یہ کتاب بعض ایسی منفرد خصوصیات کی حامل ہے کہ اسے حرف آخر کا درجہ حاصل ہو گیا ہے۔

یہ کتاب پہلی بار یکم مارچ ۱۹۳۵ء کو مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے ثنائی برقی پریس سے طبع ہو کر شائع ہوئی اور صرف تین ماہ کے قلیل عرصہ میں ہاتھوں ہاتھ نکل گئی۔ اس کے کل صفحات ۵۳۴ تھے۔

دوسرے ایڈیشن کی اشاعت سے پہلے مصنف نے ملک کے نامور اہل علم کے مشورہ کی روشنی میں کتاب کے اندر کئی طرح کے اضافے کئے۔ جس کے نتیجے میں دوسرا ایڈیشن، پہلے ایڈیشن سے، ضخامت میں دو سو صفحات کے قریب بڑھ گیا۔ اور اشاعت میں بھی کسی قدر تاخیر ہوئی۔ یہ ایڈیشن یکم جنوری ۱۹۳۶ء کو شائع ہو سکا۔ جبکہ جون ۱۹۳۵ء ہی سے اس کے شدید تقاضے ہو رہے تھے۔ پہلے ایڈیشن کی طرح یہ ایڈیشن بھی دیکھتے دیکھتے نکل گیا۔

تیسرے ایڈیشن کی بابت تفصیلات کا علم نہ ہو سکا۔ تقسیم ملک کے بعد یہ کتاب ناپید ہو رہی تھی۔ جبکہ قادیانیوں کی سرگرمیاں اندرون پاکستان تیز سے تیز تر ہو رہی تھیں۔ اس لئے اس کی طباعت واشاعت کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی تھی۔ بالآخر یہ بیڑہ حضرت مولانا عطاء اللہ صاحب، حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ متع اللہ المسلمین بطول بقایۂ نے اٹھایا۔ اور المکتبۃ السلفیہ لاہور کی روایتی خوبی وجمال آرائی کے ساتھ جولائی ۱۹۶۴ء میں اس کا چوتھا ایڈیشن شائع کیا۔

مولانا عبداللہ صاحب معمار نے...... جو تقسیم ملک کے بعد گوجرانوالہ، پاکستان میں متوطن ہو گئے تھے۔ اور وہیں ۲۶/ اپریل ۱۹۵۰ء مطابق ۷/ رجب ۱۳۶۹ھ یوم چہار شنبہ کو انتقال کیا...... اپنی اس کتاب پر پھر نظر ثانی کی تھی۔ چوتھے ایڈیشن میں اس کی اہم ترامیم بھی شامل ہیں۔ اور اس کے آخر میں مولانا امرتسری رحمہ اللہ کا مشہور رسالہ تاریخ مرزا بھی شامل ہے۔

مولانا معمار کی دوسری اہم ترین کتاب "خاتم النبیین" ہے، جو ختم نبوت کے موضوع پر

تمام عقلی و نقلی دلائل کی جامع ہے۔ اور حرف آخری کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کا تعارفی اشتہار موصوف ہی کے ایک رسالہ ''کباب مرزا'' کے ٹائٹل کے پچھلے اور آخری صفحہ پر دستیاب ہوا ہے۔ جو اس کی طباعت سے پہلے کا ہے۔ ۲۰×۲۶/۸ سائز کے تقریباً چار سو صفحات، ضخامت بتلائی گئی ہے۔ اس سے زیادہ اس کے بارے میں ہمیں کوئی علم نہیں ہو سکا۔

مولانا معمار اور مولانا حبیب اللہ صاحبان کے علاوہ مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے تربیت یافتگان میں بابو محمد اسحاق امرتسری رحمہ اللہ بھی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ یہ وہی بابو محمد اسحاق ہیں جنہوں نے مولانا امرتسری رحمہ اللہ پر کئے جانے والے قاتلانہ حملے کے وقت لپک کر قاتل کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ اور ان کی اس جرات مندانہ قدم کے سبب قاتل کا دوسرا اور کاری نہ ہو سکا تھا۔ رد قادیانیت کے موضوع پر موصوف کے متعدد رسائل اس وقت ہمارے سامنے ہیں۔ جن سے موصوف کی کامیاب محنت و کاوش کا اندازہ لگتا ہے۔ ان میں سے بعض رسالوں کے آغاز میں علماء کرام کی زریں آراء بھی شائع کی گئی ہیں، جو ان رسالوں کی افادیت اور مقبولیت کی آئینہ دار ہیں۔

بعض اشتہارات سے اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ موصوف ''صحیفۂ حقانی'' کے نام سے ایک ماہنامہ رسالہ بھی شائع کرتے تھے، جس میں وقت کی دیگر ضروریات کے ساتھ ساتھ رد قادیانیت کے موضوع پر بھی باقاعدگی کے ساتھ مضامین شائع ہوتے تھے۔

بابو محمد اسحاق صاحب موصوف جمعیۃ اہلحدیث امرتسر کے سیکرٹری بھی تھے۔ اور آپ نے اس حیثیت سے بھی خاصی تگ و دو کی تھی۔

مولانا امرتسریؒ کے خصوصی فیض یافتہ گان اور ان کی مساعی کی یہ مختصری فہرست اور روداد ہے جس کا ہمیں علم ہو سکا۔ اسے کسی حال میں بھی جامع اور مکمل نہیں کہا جا سکتا۔ اس لئے یہ باب اس تاسف کے ساتھ ختم کیا جا رہا ہے کہ حالات کے لحظہ بہ لحظہ تغیرات نے اب اس امکان کو بہت ہی دھندلا یا بلکہ تاریک کر دیا ہے کہ اس باب کی تکمیل کی جا سکے۔ واللہ علی کل شیء قدیر

قادیانیوں کی تکفیر اور مولانا امرتسریؒ

ہم بتلا چکے ہیں کہ مرزا صاحب قادیانی نے ۱۸۹۱ء میں جس پہلی بار مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تو جماعت اہلحدیث کے ممتاز عالم و رہنما اور مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے استاد مولانا محمد حسین بٹالوی نے فوراً بلا تاخیر۔ اور تمام لوگوں سے پہلے...... علمائے اسلام کی عدالت میں ان کا کفر و اسلام کا مسئلہ پیش کیا۔ اور ہندوستان کے تمام علماء نے متفقہ طور پر مرزا صاحب کے کافر ہونے کا فتویٰ صادر کیا۔ اس وقت سے اب تک اسلام کے تمام فرقے مرزا صاحب اور ان کی امت کی تکفیر پر متفق رہے ہیں۔

لیکن مولانا امرتسریؒ اپنی وسعت ظرف، شرافت نفس اور حکمت دعوت و تبلیغ کے سبب انہیں کافر کہنے سے ہمیشہ پرہیز کرتے تھے۔ مولانا کی یہ روش بہت سے علمائے اسلام کو کھٹکتی تھی۔ چنانچہ یہ مسئلہ آپ کی زندگی میں بھی۔ اور آپ کی وفات کے بعد بھی موضوع بحث بنا رہا کہ آپ قادیانیوں کے سب سے بڑے اور کڑے حریف پنجہ فگن ہونے کے باوجود انہیں کافر کیوں نہیں کہتے تھے؟ بعض لوگوں نے مولانا کی روش پر انہیں بڑی شدت کے ساتھ طنز و تعریض اور طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا ہے۔ شاید انہوں نے یہ محسوس کیا ہے کہ قادیانیوں کی تکفیر ہی اسلام کی سب سے بڑی خدمت اور قادیانیت کی سب سے بڑی تردید ہے۔ اس لئے ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ یہ مسئلہ بھی صاف کر دیا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ تمام علمائے اسلام کی طرح مولانا امرتسری رحمہ اللہ بھی قادیانیوں کو دائرہ اسلام سے خارج (یعنی کافر) مانتے تھے۔ لیکن آپ محسوس کرتے تھے کہ کسی ایسے فرد یا امت پر جو اسلام کی مدعی ہو محض کفر کا فتویٰ چسپاں کر دینے سے کوئی قابل ذکر فائدہ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ الٹا یہ نقصان ہو گا کہ ان میں ضد اور ہٹ دھرمی پیدا ہو گی۔ جس کے نتیجے میں افہام و تفہیم اور اصلاح و تبلیغ کی بہت ساری راہیں مسدود ہو جائیں گی۔ اس لئے آپ اس قسم کے فتویٰ بازی

میں پڑے بغیر ٹھوس اور سنجیدہ اصلاحی اقدامات کے قائل تھے۔ اور پوری ملت اسلامیہ ہندیہ میں اس کا سب سے بہترین نمونہ اور مظہر تھے۔

قادیانیوں کی تکفیر سے احتراز کی بابت مولانا امرتسریؒ کی روش اس وقت علمائے کرام کی شدید نکتہ چینی کا نشانہ بن گئی تھی جب حکومت کابل نے دو قادیانیوں کو رجم کر دیا تھا اور اس پر قادیانی مراکز سے یہ شور برپا ہوا تھا کہ محض اختلاف عقائد کی بناء پر قادیانیوں کے خلاف حکومت کابل کا یہ اقدام قطعی ظالمانہ اور سفاکانہ ہے۔ اور ان کے شور پر علمائے اسلام نے حکومت کابل کے اس اقدام کی مکمل تائید کی تھی اور قتل مرتد کے مسئلہ سے استشہاد کرتے ہوئے اس کو عین منشائے شریعت قرار دیا تھا۔ لیکن مولانا امرتسریؒ نے ان کے اس اقدام کی مخالفت کرتے ہوئے حکومت کابل کے اس اقدام کو خلاف شریعت بتلایا تھا۔ اور اپنے اس ظن غالب کا اظہار کیا تھا کہ حکومت کابل کا یہ اقدام شرعی فتویٰ اور اختلاف عقائد کی بنیاد پر نہ ہوگا۔ بلکہ سیاسی اسباب کے تحت سیاسی تعزیر کے طور پر ہوگا۔ (اور یہ ظن غالب بعد کی خبروں سے سو فی صد صحیح بھی ثابت ہوا) اس موقع پر مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ عام علمائے اسلام کے نقطۂ نظر سے اپنے اختلاف کی توضیح کرتے ہوئے قادیانیوں کی بابت لکھتے ہیں۔

> ’’کچھ شک نہیں کہ مرزا صاحب کا مصدق ہونا گویا اللہ اور رسول کا مکذب بننا ہے۔ مگر یہاں تنقیح یہ ہے کہ مرتد عن الاسلام ہونے سے شرعی اصطلاح میں کیا مراد ہے؟ کچھ شک نہیں کہ مرتد عن الاسلام ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ اسلام کو جھوٹا مذہب سمجھ کر چھوڑ دے۔ ان معنی سے مرزائی جو کچھ بھی ہیں بفتوی شریعت مکفر ہیں۔ مگر باقرار خود مصدق اسلام ہیں۔ اس لئے بھی مرتد کی سزا اگر ثابت بھی ہو جائے کہ سنگسار ہے تو بھی مرزائی کی یہ سزا نہیں ہو سکتی۔‘‘ [1]

قادیانیوں کو اگر فقہی اصطلاح کی رو سے بھی مرتد عن الاسلام تسلیم کر لیا جائے تب بھی ان کی سنگ ساری کو منشائے شریعت کے مطابق قرار دینا صحیح نہ ہوگا۔

---

[1] اہلحدیث امرتسر ۳ / اکتوبر ۱۹۲۴ء۔

آپ مولانا کی عبارت کے دونوں جملوں پر ایک نگاہ پھر ڈال لیجئے اور دیکھئے کہ مولانا کا نقطۂ نظر کتنا صاف اور مدلل ہے۔

مولانا امرتسری رحمہ اللہ اگرچہ قادیانیوں کی تکفیر کے سلسلے میں بہت زیادہ محتاط رہتے تھے۔ لیکن سخت ترین ضرورت اور فیصلہ کن لمحات میں آپ نے نقطۂ نظر واضح کرنے میں تامل بھی نہیں فرمایا۔ چنانچہ اسی قسم کے ایک موقع پر آپ فرماتے ہیں۔

''اس میں شک نہیں کہ مرزائی گروہ عربی اسلام سے بالکل الگ ہے۔ ان کی روش سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مرزا صاحب کے اقوال وافعال کو سند مانتے ہیں۔ بلکہ احادیث سے بھی مقدم سمجھتے ہیں یہ کہہ کر کہ وہ حکم عدل تھے۔ ان کا فیصلہ ہر بات میں فیصل ہے۔ اس لئے ایسے گروہ کے ساتھ کوئی معاملہ بحیثیت مسلمان کے نہیں کرنا چاہیے۔ [1]

ایک موقعہ پر مولانا رقمطراز ہیں۔

''قرآن شریف میں کتاب اللہ کی تحریف کرنے والوں کا ذکر بہت برے لفظوں میں آیا ہے۔ تحریف کلام ایسا برا فعل ہے کہ معمولی انسان کے کلام کو بدلنا بھی گناہ کبیرہ ہے۔ کلام اللہ کی تحریف کرنا تو اکبر الکبائر بلکہ کفر ہے۔ مرزا صاحب کلاں (یعنی مرزا غلام احمد قادیانی مدعی نبوت، ص) نے اس بدرسم کی بنیاد رکھ کر اپنی ساری جماعت کو اس برے طریق پر چلنے کی گویا رہنمائی کی ہے۔ [2]

ایک دفعہ مفتی قادیان نے ایک سوال کے جواب میں مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہوئے ان کی دعاؤں کو وما دعاء الکافرین الا فی ضلال کا مصداق ٹھہرایا اور اس بنیاد پر قادیانی میت کے لیے مسلمانوں کی نماز جنازہ اور دعائے مغفرت کو لغو قرار دیا۔ مولانا امرتسریؒ نے مفتی قادیان کا یہ فتویٰ نقل کر کے اس پر جوابی معارضۃ قائم کرتے ہوئے لکھا ہے۔

''وہ مسلمان جو مرزائیوں کے حق مسلم اور مومن وغیرہ لفظ بولا کرتے ہیں یا ان کو ایک اسلامی فرقہ سمجھتے ہیں وہ اس قادیانی فتویٰ کو غور سے پڑھیں۔

---

[1] ایضاً ۱۳ ر ستمبر ۱۹۴۰ء [2] ایضاً ۱۳ ر نومبر ۱۹۴۲ء۔

یہ جو پوچھا گیا ہے۔ ❶ کہ ہم مرزا صاحب کو نبی نہ ماننے سے اس آیت کے ماتحت آسکتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں۔ بلکہ ماننے سے آتے ہیں۔'' ❷

اس اقتباس کے سلسلے میں ہم بھی یہ کہیں گے کہ جو لوگ مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی بابت اس ظن فاسد میں مبتلا ہیں۔ اور ان پر یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ وہ قادیانیوں کو مسلمان سمجھتے تھے وہ مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کا محولہ بالا ارشاد و اقتباس غور سے پڑھیں۔

مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے اپنے تحریر کیے ہوئے ان بیانات کے علاوہ دو روایتیں صاحب سیرت ثنائی کی بھی سنتے چلئے۔ موصوف لکھتے ہیں۔

''ایک جلسہ میں مولانا نے مرزائیت کی تردید میں تقریر فرمائی۔ اور کہا کہ ''مرزا صاحب اور ان کی جماعت چونکہ عقائد باطلہ کی حامل ہے اور اصول اسلام سے منحرف ہے اس لئے وہ کافر ہے۔ اور دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔'' ❸

''کچھ عرصہ ہوا اخبارات میں یہ بحث چھڑ گئی تھی کہ سب ہی علمائے کرام نے مرزا قادیانی پر کفر کا فتویٰ لگا رکھا ہے مگر مولوی ثناء اللہ صاحب نے کفر کا فتویٰ نہیں دیا۔ نہ انہیں کافر کہا ہے۔ مولانا عبدالغنی صاحب خانپوری کا بیان ہے کہ میں یہی اعتراض ذہن میں لے کر مولانا ثناء اللہ صاحب کے پاس پہنچا۔ اور اس کی وجہ پوچھی۔ آپ نے فرمایا بھئی! میں تو مرزا قادیانی کو کافر کہنا لفظ کفر کی بھی توہین سمجھتا ہوں۔ یہ ایسا جواب تھا کہ میں خاموش ہو گیا۔ اور پھر کچھ نہ کہہ سکا۔'' ❹

ان تفصیلات کے بعد یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ قادیانیوں کی تکفیر کے سلسلے میں مولانا کا نقطۂ نظر کیا تھا اور آپ کی پالیسی کس حکمت عملی پر مبنی تھی؟ ہاں ان لوگوں پر افسوس ضرور ہے جو خود تو کوئی ٹھوس خدمت انجام نہیں دے پاتے اور جو لوگ انجام دیتے ہیں۔ ان پر ناروا الزام قائم کر کے ان کی قدر گھٹانا اور اپنی شخصیت کا بھرم قائم رکھنا چاہتے ہیں اور بے محل فتویٰ بازی کی شورش اور ہلڑ کے ذریعہ اپنی غیرت دینی اور حمیت اسلامی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

---

❶ اہلحدیث امرتسر ۲۳ رجولائی ۱۹۴۳ء

❷ یہ بات ایک صاحب نے، مفتی قادیان کا محولہ بالا فتویٰ، مولانا کی خدمت میں بھیج کر پوچھی تھی۔

❸ سیرت ثنائی ص ۱۷۸، ۱۷۹۔ ❹ ایضاً ص ۱۴۲۔

مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی مساعی کے اثرات

پچھلے اوراق میں ہم نے مولانا امرتسریؒ کی جدوجہد کی جو تفصیلات درج کی ہیں ان کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ سوال شدت سے سامنے آتا ہے کہ آپ کی ان مساعی کے اثرات ونتائج کیا رہے؟ اور قادیانی تحریک کی پیش قدمی روکنے یا اس کو پسپا کرنے میں آپ کی ان تگ ودو کا کتنا حصہ رہا؟

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس سوال کا کوئی مکمل جواب مشکل ہی نہیں، ناممکن ہے۔ آخر اس بات کا علم کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ کی تحریر پڑھ کر یا مباحثے اور تقریریں سن کر کتنے دلوں کے وسوسے دور ہوگئے، ڈگمگاتے ہوئے قدم جم گئے۔ تذبذب ختم ہوگیا۔ ارادے فسخ ہوگئے، تشویش ختم ہوگئی، یا قادیانیت سے تائب ہوکر اسلام قبول کیا گیا؟ ان میں سے کئی صورتیں ایسی ہیں جن کا سرے سے کوئی ریکارڈ ہی نہیں رکھا جاسکتا اور جن کا ریکارڈ رکھنا ممکن ہے ان کا بھی کوئی اہتمام نہیں کیا گیا۔ اس لئے آپ کی مساعی کے اثرات کا حقیقی علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ لیکن اس کا ایک ہلکا اور مجمل سا اندازہ لگانے کے لئے ہم خود قادیانی مآخذ سے بعض حقائق کی نشان دہی کردینا مناسب سمجھتے ہیں۔

مرزا صاحب اپنی زندگی کے آخری ایام میں اپنے مریدوں...... یعنی قادیانیوں...... کی تعداد چار لاکھ بتایا کرتے تھے۔ [1] ان کی وفات کے مزید دس برس بعد ایک مستند قادیانی سربراہ مولوی غلام رسول راجیکی نے ان کی تعداد آٹھ نو لاکھ تک بتائی۔ [2]

الفضل میں خلیفۂ قادیان مرزا بشر الدین محمود نے جس حقیقت کا انکشاف کیا وہ واقعی حیرت ناک ہے۔ موصوف نے پورے صوبہ پنجاب میں (یعنی دریائے جمنا سے لے کر دریائے سندھ تک" ہندوستان کے موجودہ تین صوبے ہماچل پردیس ہریانہ وپنجاب اور پاکستان کے

---

[1] دیکھئے اخبار اہلحدیث ۳۰ راگست ۱۹۱۸ء [2] ایضاً ۲۳ راگست ۱۹۱۸ء

صوبہ پنجاب میں) قادیانیوں کا کل شمار چھپن ہزار بتلایا۔ اور ملک کے بقیہ صوبوں میں معدودے چند۔ (یہ حقیقت یاد رہے کہ صوبہ پنجاب ہی درحقیقت قادیانیت کا سب سے بڑا گڑھ تھا) اب اگر بیرون پنجاب کا کل شمار پنجاب کے برابر بھی فرض کر لیں۔ تب بھی قادیانیوں کی کل تعداد ایک لاکھ بارہ ہزار ہی بنتی ہے۔ [1]

اس موقع پر ہمیں اس اعتراف میں بھی تامل نہیں کہ قادیانیت پر یہ شدید ضربیں تنہا مولانا، یا آپ کے منظّم کردہ اداروں اور افراد ہی نے نہیں لگائی تھیں۔ بلکہ اس میں دوسرے علمائے اسلام کا بھی بہت کچھ قابل قدر حصہ ہے۔ لیکن اس حقیقت سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں کہ اس میں غالب ترین حصہ مولانا امرتسری رحمہ اللہ ہی کا ہے۔ دوسرے لوگ آپ کے خوشہ چین رہے ہیں۔ اور ان کے کام کی حیثیت اور نوعیت آپ کے کارناموں کے مقابل میں محدود اور مختصر رہی ہے۔ گویا۔

کانك شمس والملوك كواكب
اذا طلعت لم يبد منهن كوكب

اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ تمام علمائے اسلام میں مولانا امرتسری رحمہ اللہ کی شخصیت ایسی منفرد اور نرالی تھی کہ قادیانی امت کے اعصاب پر آپ کا رعب کابوس بن کر سوار رہتا تھا۔ وہ آپ کا نام سن کر لرزہ براندام ہو جایا کرتے تھے۔ بارہا ایسا ہوا کہ کسی مناظرہ کی تحریک ہوئی۔ لیکن صرف یہ سن کر کہ اس مناظرہ میں مولانا امرتسری رحمہ اللہ پیش ہوں گے قادیانیوں نے دست کشی اختیار کر لی۔ گوجرانوالہ کے ایک قادیانی صاحب کا نام بھی ثناء اللہ تھا۔ قادیانی اساطین ان کے اس نام سے اس قدر بدکتے تھے کہ انہوں نے اسے بدلنے کی بارہا کوشش کی۔ دسمبر ۱۹۳۴ء کے قادیانی اجلاس میں جب وہ حاضر ہوئے تو مولوی غلام رسول راجیکی نے اس موضوع پر گفتگو کے دوران ازراہ تمسخر کہا'' کیا ہوا؟ لوہا لوہے کو کاٹتا ہے''۔ مگر حسن اتفاق دیکھئے کہ اس کے بعد ہی مستری ثناء اللہ موصوف امرتسر آئے۔ وہاں مولانا امرتسری رحمہ اللہ سے ان کی ملاقات ہوئی۔ انہوں نے قادیانیت کے موضوع پر مولانا سے طویل گفتگو کی۔ اور بالآخر تائب ہو گئے۔ [2]

---

[1] ان اعداد کی تفصیل کے لئے دیکھئے اہلحدیث ۲/دسمبر ۱۹۳۸ء۔ [2] اہلحدیث امرتسر ۲۵/جنوری ۱۹۳۵ء۔

مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے دبدبہ وشکوہ اور رعب وجلال کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کے بارے میں اپنے اور بیگانے دونوں ہی بالعموم یہ لکھتے تھے کہ

''ایک زمانہ تھا جب کہ سلطان صلاح الدین فاتح بیت المقدس کے نام سے یورپ والے اپنے بچوں کو ڈرایا کرتے تھے۔ شاید وہی رعب آج ثناء اللہ کے نام میں ہے۔ قادیانی گروہ پر یہ نام سنتے ہی شدید رعب طاری ہو جاتا ہے۔ پھر ذمہ دار لوگ ان کو تسلی دیتے ہیں کہ نہیں، نہیں، ثناء اللہ کوئی ڈرنے کی چیز نہیں۔ خصوصاً آج کل تو وہ بہت بوڑھا ہو گیا ہے۔'' [1]

---

[1] اہلحدیث ۱۷ مئی ۱۹۴۰ء۔

کہتی ہے تجھ کو خلق خدا غائبانہ کیا؟

پچھلے اوراق میں ہم نے مولانا امرتسری رحمہ اللہ کی خدمات اور کمالات کا جو خاکہ پیش کیا ہے ہمیں اعتراف ہے کہ وہ اپنے محدود موضوع کے اعتبار سے بھی مکمل اور جامع نہیں ہے۔ تاہم اس سے آپ کی شخصیت اور کارناموں کا اندازہ کسی نہ کسی حد تک لگایا جا سکتا ہے۔ ہم محسوس کرتے ہیں کہ اگر ہم آپ کے مخالف وموافق معاصرین کی آراء بھی درج کر دیں تو اس کمی کا ایک حد تک کفارہ ادا ہو جائے گا جو ناقص ذرائع معلومات کے سبب پچھلے اوراق میں باقی رہ گئی ہے۔ اس سلسلے میں ہم سب سے پہلے اسی فریق کی شہادت پیش کریں گے جس کے بیخ کنی میں آپ نے اپنی بہترین صلاحیتیں صرف کیں۔ اور اس فریق میں بھی سرفہرست اس کے ''تاجدار والاتبار'' جناب مرزا صاحب قادیانی کی شہادت ہو گی۔

۱۔ مرزا غلام احمد قادیانی

مرزا غلام احمد قادیانی کی بابت گزر چکا ہے کہ مناظرۂ مد میں قادیانیوں کی شکست فاش سے متاثر ہو کر موصوف نے اپنے قصیدۂ اعجازیہ لکھا تھا۔ اس کے بعض اشعار بھی ہم وہیں نقل کر آئے ہیں۔ یہاں مزید سنئے لکھتے ہیں۔

فکان ثناء الله مقبول قومه	ومنا تصدی للتخاصم سرور
فشق علی صحبی طریق اراده	وقد ظن ان الحق یخفی ویسنز
فصار وابمد للرماخ درية	ویعلمها احمد علی المدبر
فما برحوا هاوالرماح تنوشهم	ولا طعن رمح مثل طعن یکرد
وقام ثنآء الله فوالقوم واعظا	فصاروا ابوعظ الغول قوما تمزروا
دعوه ليبتهلن لموت مزور	مفصل، فلم یسکت ولم یحتسر
فأفردت افرادالحسین بکربلا	وفی الحی صرنامثل من کان یقبر

تصدی لانکاری وانکار ایتی — وکان لحقد کالعقارب یابر
الارب خصم قدرایت جداله — وما ان راینا مثله من یزور
عقرت بمد صحبتی یا اباالوفا — بسب وتوهین، فربی سیقهر
وفاضت دموع العین منی تالما — اذاماسمعت البحث یامتهور [1]

یعنی (اس مناظرہ میں) ثناء اللہ اپنی قوم کا مقبول انسان تھا اور ہم میں سے میاں سرور مدمقابل تھے۔ ثناء اللہ نے جو طریقہ (بحث) چاہا وہ میرے ساتھیوں پر گراں گزرا اور سمجھا گیا کہ حق چھپایا اور پس پردہ کیا جا رہا ہے۔ میرے ساتھی سرزمین مد میں نیزوں کا نشانہ بن گئے۔ اے مدبر احمد علی خوب جانتا ہے انہیں مسلسل نیزے بھبھوڑتے رہے اور انہیں جو زخم بار بار لگائے جا رہے تھے نیزوں کی مار بھی اس کے ہم پلہ نہیں ہو سکتی۔ ثناء اللہ لوگوں میں وعظ کہنے کھڑا ہوا۔ اس بھوت کا وعظ سن کر لوگ چیتے کی طرح بہادر بن گئے۔ میرے ساتھیوں نے اسے اس بات پر مباہلہ کرنے کی دعوت دی کہ جو جھوٹا اور گمراہ کن ہے وہ پہلے مر جائے۔ (اس کے لیے بھی وہ بے جھجک تیار ہو گیا) نہ خاموش رہا نہ خوف زدہ ہوا۔ (اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ) میں اسی طرح یکہ وتنہا (بے یار و مددگار) چھوڑ دیا گیا۔ جس طرح امام حسین رضی اللہ عنہ کربلا میں چھوڑ دیئے گئے تھے اور ان لوگوں میں ہماری حیثیت اس مردے جیسی ہو گئی جسے قبر میں دفن کیا جا رہا ہو۔ وہ میرے اور میری نشانیوں کے انکار پر تل گیا اور وہ کینے کے سبب بچھوؤں کی طرح ڈنک مارتا تھا۔ میں نے بہت سے مقابلہ کرنے والوں کا جدال دیکھا ہے مگر مجھے ثناء اللہ جیسا بات بنانے والا کوئی نظر نہ آیا۔ (اے ثناء اللہ!) تو نے موضع مد میں میرے ساتھیوں کو اپنی بدگوئی اور اہانت آمیز رویہ کے ذریعہ بری طرح زخمی کیا ہے (اس لئے) میرا رب بہت جلد تجھ پر اتنا قہر نازل کرے گا۔ اے جرأت رندانہ رکھنے والے (ثناء اللہ) جب میں نے مناظرہ (کی روداد) سنی تو غم والم کے سبب میں میری آنکھوں سے آنسو پھوٹ پڑے۔

ان اشعار پر ایک بار غور کر جائیے! مرزا صاحب کتنی صفائی کے ساتھ مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے زور بیان قوت بحث، ندرت استدلال اور فرط شجاعت کا اقرار و اعتراف کر رہے ہیں

---

[1] دیکھئے قصائد احمدی ص ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۴، ۱۱۶۔

اور صرف اقرار واعتراف ہی نہیں بلکہ ان صفات میں آپ کی انفرادیت ویکتائی کا صاف صاف اور کھلا ہوا اعلان کررہے ہیں۔ پھر آپ کے مقابل میں اپنی اور اپنے اصحاب کی بے بسی وبے کسی، شکست وذلت اور نامرادی وناکامی کا کھلا ہوا اظہار کررہے ہیں۔ اور بڑی صفائی کے ساتھ بتلارہے ہیں کہ خود آنجناب (مرزا صاحب) ان حالات کے سبب بے پایاں رنج والم، حزن وملال اور بے چارگی واحساس ذلت کا پیکر بنے ہوئے ہیں۔ ان کی اس بے چارگی کا مزید تماشہ دیکھنا ہو تو ان کی ایک اور فریاد سنئے! فرماتے ہیں۔

سمئنا تكاليف التطاول من عدا

تمادت ليالي الجود، يا ربي انصر

ہم نے دشمنوں کی دست درازی کی رسوا کن تکلیفیں سہیں ظلم کی راتیں بہت طویل ہوگئیں، ہائے میرے رب! مدد کر۔ تم مرزا صاحب کو جب مولانا امرتسری رحمہ اللہ کی گرفتوں اور ضربوں نے نڈھال کر ڈالا تو بڑے کرب والم کے ساتھ اس حقیقت کا اعلان فرمایا کہ ''مولوی ثناء اللہ صاحب آج کل ٹھٹھے اور توہین اور ہنسی میں دوسرے علماء سے بڑھے ہوئے ہیں۔'' ❶

اور دوڑے دوڑے اللہ کے پاس فریاد لے گئے کہ:

''میں ان (مولوی ثناء اللہ) کے ہاتھ سے بہت ستایا گیا اور صبر کرتا رہا۔ مگر اب دیکھتا ہوں کہ ان کی بدزبانی حد سے گذر گئی ہے۔ وہ مجھے ان چوروں اور ڈاکوؤں سے بھی بدتر جانتے ہیں۔ جن کا وجود دنیا کے لیے سخت نقصان رساں ہوتا ہے...... (اور انہوں نے) تمام دنیا سے مجھے بدتر سمجھ لیا۔ اور دور دور ملکوں تک میری نسبت یہ پھیلا دیا ہے کہ یہ شخص درحقیقت مفسد اور ٹھگ اور دکاندار اور کذاب اور مفتری اور نہایت درجہ کا بدآدمی ہے...... میں دیکھتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ اپنی تہمتوں کے ذریعہ سے میرے سلسلہ کو نابود کرنا چاہتا ہے۔ اور اس عمارت کو منہدم کرنا چاہتا ہے جو تو نے اے میرے آقا اور میرے بھیجنے والے اپنے ہاتھ سے بنائی ہے۔ اس لئے...... مجھ میں اور ثناء اللہ میں سچا فیصلہ فرما''۔ ❷

---

❶ تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۳۰ ❷ از اشتہار ''مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ'' مختصراً۔

غور فرمایئے! کس طرح مرزا صاحب مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی مسلسل ضربوں سے اپنے قلعہ کو گرتا ہوا اور اپنے سلسلہ کو نابود ہوتا ہوا محسوس کر رہے ہیں۔ اس سے مولانا کی اس حیثیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو قادیانیت شکنی کے سلسلے میں خود مرزا صاحب کے نزدیک مولانا کو حاصل تھی۔ مرزا صاحب نے اسی اشتہار محولہ بالا میں مزید صفائی کے ساتھ مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا اشد ترین مخالف شمار کیا ہے۔

۲۔ مرزا محمود خلیفۂ قادیان دوم

مرزا محمود خلیفۂ قادیان دوم...... کا بھی یہی حال رہا ہے۔ وہ بھی مولانا کی قوت استدلال سے لرزاں و ترساں اور آپ کے علم و فضل اور امانت و دیانت کے معترف رہے۔ میاں محمود کو اپنی قرآن دانی اور اس میں نکتہ آفرینی پر بڑا گھمنڈ تھا لیکن جب تفسیر نویسی میں مولانا کے ساتھ مقابلہ کی گفتگو چھڑی تو میاں محمود نے بڑی صفائی کے ساتھ اعتراف کر لیا کہ مجھے مولوی ثناء اللہ کے برابر علم نہیں۔ ❶

۳۔ لاہوری اور قادیانی گروپ کے نمائندوں کی متفقہ خواہش اور درخواست

قادیانیوں کی طرف سے مولانا کے علم و فضل کے اعتراف اور امانت و ثقاہت پر اعتماد کی ایک واضح علامت یہ دیکھنے میں آئی کہ ۱۹۴۲ء میں لاہوری پارٹی کے رکن رکین مولوی عمر الدین اور قادیانی گروپ کے رکن رکین مولوی اللہ دتا کے درمیان "ادعائے نبوت مرزا" پر مناظرہ کی تحریک ہوئی۔ دونوں فریق نے آپ میں شرائط کا تصفیہ کرتے ہوئے مولانا امرتسری رحمہ اللہ کو ......شب و روز کے نوک جھونک کے باوجود...... متفقہ طور پر حکم مانا اور مولوی عمر الدین کی معرفت مولانا سے یہ درخواست کی کہ آپ حکم بننا قبول فرما لیں۔ ❷ یاد رہے کہ یہ وہی مولوی عمر الدین ہیں جنہوں نے مباحثہ لدھیانہ کی تین سو روپے انعامی رقم میں پچاس روپے اپنے جیب خاص سے دیئے تھے اور شملہ (جون ۱۹۱۸ء) اور میرٹھ (دسمبر ۱۹۱۹ء) میں مولانا سے چھیڑ چھاڑ کر کے کافی سبکی اٹھا چکے تھے۔

---

❶ الفضل ۲۴/ مارچ ۱۹۳۱ء (بطش قدیر ص ۴) ❷ دیکھیے اہل حدیث امرتسری ۱/ اگست ۱۹۴۲ء

۴۔ غازی محمود دھرم پال کا ارشاد

یادش بخیر، ایک صاحب تھے عبدالغفور، طبیعت کے متجسس، مزاج کے فلسفہ پسند، پر زور خطیب، صاحب قلم، انشا پرداز...... تفسیر کے نام پر اسرائیلی روایات کے ذخیروں کا جو بحر بیکراں دور زوال کی تفسیروں میں جمع کر دیا گیا ہے اور جسے اب تک بہت سے لوگ قرآن کی حیثیت سے روایت کرتے جاتے ہیں۔ اس سے بدک کر عبدالغفور موصوف نے اسلام ہی کو خیر باد کہہ دیا۔ آریہ مذہب میں داخل ہو گئے۔ اپنا نام دھرم پال رکھا اور اسلام پر سخت و شدید حملے شروع کر دیئے۔ اسی سلسلے میں انہوں نے ''ترک اسلام'' نام کی کتاب تالیف کی۔ جسے پڑھ کر اسلامی حلقے تلملا اٹھے۔ مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً اس کا جواب لکھا اور اس کا نام ''تُرک اسلام'' رکھا۔ دھرم پال صاحب سے اس کا جواب تو نہ بن سکا لیکن انہوں نے اسلام پر مزید حملے کے لیے ''تہذیب الاسلام'' نام کی ایک مبسوط کتاب لکھی۔ مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً چار جلدوں میں ''تغلیب الاسلام'' نامی کتاب لکھ کر اس کا جواب دیا۔ دھرم پال موصوف سے اس کا بھی جواب نہ بن پڑا لیکن ان کے ذہن میں اسلام پر جو باقیماندہ اعتراضات رہ گئے تھے۔ انہیں جمع کر کے ''نخل اسلام'' نام کی ایک تیسری کتاب لکھی۔ مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تردید میں فوراً ''تبرا اسلام'' لکھی۔ مولانا کے ان اقدامات سے ایک طرف تو اسلامی حلقوں کو بے پایاں اطمینان اور خوشی حاصل ہوئی۔ دوسری طرف دھرم پال صاحب کے لیے اعتراف حق کے علاوہ کوئی گنجائش باقی نہ رہی۔ بالآخر موصوف نے پھر مذہب اسلام کو اختیار کر لیا۔ اب کی دفعہ اپنا نام محمود رکھا اور آریہ مذہب کی بیخ کنی کے لیے اس زور و شور سے...... تحریر و تقریر کے ذریعہ...... حملے شروع کیے کہ اسلامی حلقوں میں غازی محمود دھرم پال کے نام سے مشہور ہو گئے۔

موصوف کی کتاب ''ترک اسلام'' کے جواب میں ایک کتاب قادیانی خلیفہ اوّل حکیم نورالدین نے بھی تالیف کی تھی اور اس کا نام ''نورالدین'' رکھا تھا۔ غازی محمود، مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ اور حکیم نورالدین کے جوابات میں موازنہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

''جب مولوی نورالدین صاحب (قادیانی) نے رسالہ ''نورالدین'' کے ذریعہ اور مولوی ثناء اللہ ''ترک اسلام'' وغیرہ کے ذریعہ اسلام اور ملازم (یعنی اقوال

الرجال یا تقلید علماء) کے درمیان خط ممیز کھینچ دیا تو میری تصانیف کی قیمت ایک دیا سلائی کے برابر رہ گئی۔ میرے اعتراضات کا جواب دینے میں ''نورالدین'' کے مصنف کا نشانہ، علمی معلومات کی بدولت، بے خطا ہوتا تھا مگر ''ترک اسلام'' کا وار زیادہ ستم ڈھاتا تھا جب کہ وہ میرے قلعہ کو جو میں سخت جدوجہد کے ساتھ تفسیروں کی بنا پر تعمیر کرتا تھا۔ صرف اتنا سا فقرہ لکھ کر مسمار کر ڈالتا تھا کہ ''تفسیر کا جواب تفسیر لکھنے والوں سے لو۔ قرآن اس کا ذمہ دار نہیں ہے۔'' اس فقرہ نے ترک اسلام اور تہذیب الاسلام کو چھلنی کر ڈالا۔ میں نے نتیجہ نکال لیا کہ ''نورالدین'' کے مصنف کے ساتھ تو بحث چل سکتی ہے۔ مگر ''ترک اسلام'' کے مصنف کے ساتھ جو ملازم کا سرے سے ہی منکر ہے۔ بحث کا چلنا مشکل ہے۔ مگر لطف یہ ہوا کہ نورالدین کے مصنف نے میرے مقابلہ پر دوبارہ قلم نہ اٹھایا۔ حالانکہ میں آرزومند تھا کہ اس کے ساتھ بحث کا سلسلہ جاری رہے لیکن ''ترک اسلام'' کے مصنف نے ''تہذیب الاسلام'' کے جواب پر پھر قلم اٹھایا۔ مگر میں اس کے ساتھ بحث کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نورالدین کے مصنف نے میرے مقابلہ پر دوبارہ قلم نہ اٹھایا۔ اور میں نے ''ترک اسلام'' کے مصنف کے مقابلہ پر قلم اٹھانے سے انکار کر دیا۔ اس طرح ہماری پہلی جنگ کا خاتمہ ہوگیا۔

مگر کچھ عرصہ کے بعد ''ملازم'' کو دوبارہ رگڑنے کا خیال میرے دل میں پیدا ہوا۔ اس دفعہ میں نے تواریخ سے مدد لی اور ''نخل اسلام'' کے نام سے جلی سڑی ہوئی کتاب شائع کی۔ آریہ سماج کے اخبارات نے اس کتاب کا نہایت زوردار الفاظ میں ریویو کیا۔ مسلم اخبارات نے اس کے برخلاف شور مچایا۔ میں چاہتا تھا کہ پرانے ٹائپ کے ملا لوگ میرے مقابلہ پر آئیں تاکہ مجھے اس بات کے جاننے کا موقع ملے کہ وہ ان باتوں کا کیا جواب رکھتے ہیں لیکن بدقسمتی سے اس دفعہ بھی وہی ''ترک شیرازی'' میدان میں آ کودا۔ اور یہ کہہ کر قرآن مجید یا اسلام، تواریخ یا تفاسیر کا جواب دہ نہیں ہے ''نخل اسلام'' پر ''تبر اسلام'' مار کر چلتا ہوا۔ اس

طرح پرانے ٹائپ کے جن ملانوں کو رگڑنے کے لیے میں نے یہ دوسری کوشش کی تھی وہ پھر بچ گئے۔

آخر کار...... میں نے اس تمام بحث کا قطعی فیصلہ کر ڈالا اور ترک اسلام سے لے کر اپنی آخری تصنیف تک جس قدر کتابیں تھیں ان سب کو میں نے ۱۴/ جون ۱۹۱۱ء کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔'' ❶

اس طویل اقتباس کا تعلق اگرچہ قادیانی مباحث سے نہیں ہے لیکن یہاں ہم نے اسے اس لیے نقل کیا ہے کہ مولانا امرتسری رحمہ اللہ کا جواب جیسا کچھ نادر و منفرد، فیصلہ کن اور مباحث کی جڑ کاٹ کر رکھ دینے والا ہوتا تھا اس کا اعتراف اور اس کی ایک جھلک ہم ایک ایسے شخص کی شہادت سے پیش کریں جو ایک مدت تک آپ کا حریف پنجہ فگن رہ چکا تھا اور جس نے آپ کے مقابلہ میں اپنی ساری علمی اور عقلی استعداد اور صلاحیتیں صرف کر کے رکھ دی تھیں۔

۵۔ پنڈت آتمانند

غیر مسلم اہل علم میں بڑی بلند پایہ شخصیت کے مالک تھے۔ بٹالہ کے رہنے والے تھے۔ انہیں اسلام اور دیگر مذہب پر بڑا عبور حاصل تھا وہ مولانا امرتسری رحمہ اللہ کی علمی و دینی خدمات سے متاثر ہو کر انہیں ان کے معروف القاب شیر پنجاب اور فاتح قادیان وغیرہ کے علاوہ ایک خاص اور امتیازی لقب ''امام اسلام'' سے یاد کیا کرتے تھے۔ ❷

۶۔ خواجہ حسن نظامی دہلوی

ہندوستان کی معروف ترین شخصیت تھے اور اپنے مبتدعانہ عقائد میں غلو کے سبب مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے ساتھ حریفانہ کشاکش بھی رکھتے تھے۔ موصوف نے مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے ایام جوانی میں ان کی شخصیت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے۔

---

❶ المسلم (ص ۲۹۳) دسمبر ۱۹۱۴ء (اہل حدیث امرتسر ۱۱/ ۱۸، دسمبر ۱۹۳۶ء

❷ دیکھیے اہل حدیث امرتسر ۷/ اگست ۱۹۳۶ء

''عصر جدید کے علماء میں مولانا ثناء اللہ صاحب ایک خاص پایہ کے عالم ہیں۔ ان کی تحریر وتقریر میں بہت لطف اور علم کا نرالا انداز ہوتا ہے۔ اہل حدیث کانفرنس کی بنا ان ہی کی بدولت پڑی...... مولانا ثناء اللہ نے بھی مخالفین کے سامنے بڑا کام کیا ہے اور اس معاملہ میں وہ اپنے حریف قادیانیوں سے کچھ کم نہیں ہیں...... ان کی شخصیت بہت ملنسار ہے اور وہ ہر فرقہ والے سے خواہ اس سے کیسی ہی مخالفت ہو ملنے جلنے میں تعصب نہیں کرتے۔ ❶

یہی خواجہ حسن نظام ۱۹۳۷ء میں...... جب کہ مولانا امرتسری رحمہ اللہ کی عمر ستر سال کو پہنچ رہی تھی...... مولانا کی بابت لکھتے ہیں۔

''ان کو (یعنی مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کو) مناظرہ کے فن میں اتنی بڑی مہارت ہے کہ ہندوستان میں بہت کم اتنی لیاقت رکھتے ہیں...... جماعت اہل حدیث میں مولانا ہی ایسے نظر آتے ہیں جن میں برداشت کی قوت ہے اور جو اس میدان کے مرد ہیں۔ ❷

خواجہ صاحب موصوف ایک اور موقع پر لکھتے ہیں:

''مولانا موصوف (مولانا امرتسری رحمہ اللہ) کی ساری زندگی خدمت اسلام میں گذری۔ دشمنان اسلام کے ہر حملہ کا فوری جواب ان کی طرف سے شائع ہوتا ہے۔'' ❸

۷۔ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ

موصوف کی شخصیت محتاج تعارف نہیں...... آپ لکھتے ہیں:

''اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف جس نے بھی زبان کھولی اور قلم اٹھایا اس کے حملے کو روکنے کے لیے ان کا (یعنی مولانا امرتسری رحمہ اللہ کا) قلم شمشیر بے نیام ہوتا تھا اور اسی مجاہدانہ خدمت میں انہوں نے عمر بسر کردی۔ فجزاه الله عن الاسلام خير الجزاء۔

---

❶ خطیب دہلی ۲۲/ مارچ ۱۹۱۵ء (اہل حدیث امرتسر ۲/ اپریل ۱۹۱۵ء)
❷ منادی دہلی ۲۸/ مئی ۱۹۳۷ء (اہل حدیث امرتسر ۱۱/ جون ۱۹۳۷ء)
❸ مقدس رسول ص ۴ (طبع سوم)

''مرحوم، اسلام کے بڑے مجاہد سپاہی تھے۔ زبان اور قلم سے اسلام پر جس نے بھی حملہ کیا اس کی مدافعت میں جو سپاہی سب سے آگے بڑھتا وہ وہی ہوتے۔ اللہ تعالیٰ اس غازئ اسلام کو شہادت کے درجات و مراتب عطا فرمائے۔''

''انہوں نے مرزا کے خلاف صف آرائی کی اور اس وقت سے لے کر آخر دم تک اس تحریک اور اس کے امام کی تردید میں پوری قوت صرف کر دی۔ یہاں تک کہ طرفین میں مباہلہ بھی ہوا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صادق کے سامنے کاذب نے وفات پائی۔''

''موجودہ سیاسی تحریکات سے پہلے جب شہروں میں اسلامی انجمنیں قائم تھیں اور مسلمانوں اور قادیانیوں اور آریوں اور عیسائیوں میں مناظرے ہوا کرتے تھے تو مرحوم، مسلمانوں کی طرف سے عموماً نمائندہ ہوتے تھے اور اس سلسلہ میں وہ ہمالہ سے لے کر خلیج بنگال تک دواں اور رواں رہتے تھے۔ [1]

سید صاحب موصوف، مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے رسالہ علم کلام مرزا پر اپنے تاثر کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں......''

''موصوف...... مولانا امرتسری رحمہ اللہ ......کو مرزا صاحب کی کتابوں اور رسالوں پر جو عبور حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ (پھر آگے چل کر اس موضوع پر اپنے مزید شوق کا اظہار ان لفظوں میں کرتے ہیں۔ (مصنف (مولانا امرتسری رحمہ اللہ) سے شکایت ہے تو یہ ہے کہ یہ اپنے موضوع پر بہت مختصر ہے۔'' [2]

سید صاحب موصوف نے ایک اور موقع پر لکھا تھا کہ:

''مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ صاحب کا قلم پنجاب کے اکھاڑے میں شمشیر مجاہد کی حیثیت رکھتا ہے۔'' [3]

---

1. یادرفتگان ص ۴۱۸۔۴۲۱
2. علم کلام مرزا مطبوعہ ستمبر ۱۹۳۲ء ص، ز۔ ح
3. معارف اعظم گڈھ، اکتوبر ۱۹۴۱ء (اہل حدیث ۷/ نومبر ۱۹۴۱ء)

۸۔علامہ محمد جمیل سلفی، مفتی حنابلہ، دمشق

موصوف نے مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس فیصلہ مرزا کے عربی ایڈیشن کے آرڈر کے سلسلے میں ایک خط بھیجا تھا۔ اس میں مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کو جن القاب سے نوازا اور جس انداز سے خطاب کیا ہے اس سے ان کی گہری عقیدت اور تاثر کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ خط کا ترجمہ یہ ہے۔

''حضرت امام، علامہ، قمر ہند، قطب علم و دین، فخر اسلام و مسلمین، مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ...... اللہ ان کے فضائل کو دوام بخشے اور ان کی خوبیوں کی پاسبانی کرے۔ آمین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! امابعد۔ میں کئی ماہ ہوئے آپ کی بلند پایہ تصنیف اور سود مند رسالہ (فیصلہ مرزا) سے بہرہ ور ہو چکا ہوں۔ اللہ آپ کو اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے بہترین جزا دے۔ آمین

آپ نے یقیناً، ملحد و مرتد غلام احمد قادیانی اور اس کے بعد اس کی جماعت سے پرزور جہاد کیا ہے اور اسلام کی مدافعت کا حق ادا کر دیا ہے۔ ہمیں آپ کے اس رسالہ پر فخر ہے۔ جو آپ کے گرانمایہ اور معروف کارناموں میں سے ایک ہے۔ وہ کارنامے جن میں (مباحثہ لدھیانہ کے موقع پر) منصف سے فیصلہ کرانے کا معاملہ، جو آپ کی کامیابی پر مکمل ہوا اور (مرزا غلام احمد قادیانی سے) مباہلہ کا معاملہ، جو آپ کے حریف کی موت پر مکمل ہوا اور جس کے نتیجے میں اللہ نے اس کا اور اس کی بدعت کا کام تمام کر دیا۔ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں...... فالحمد للہ علی نصرہ وتائیدہ۔

اگر آپ اپنے اس گوہر گرانمایہ (فیصلہ مرزا) کی چند کاپیاں ارسال فرما دیں تو ہم انہیں اس بدعت (قادیانیت) کے پیروکاروں، مخالفوں اور دیگر اہل علم و دین کے درمیان تقسیم کر کے انہیں حقیقت حال سے واقف کرا سکیں گے۔''

محمد جمیل سلفی، مفتی حنابلہ، دمشق [1]

---

[1] اہل حدیث امرتسر ۱۰/ جون ۱۹۳۲ء

۹۔ مولانا عبدالماجد دریابادی

۱۰/ جولائی ۱۹۳۱ء کے اخبار ''سچ'' میں مولانا امرتسری رحمہ اللہ کی تفسیر ثنائی جلد ہشتم پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں......

''مولانا امرتسری رحمہ اللہ کی ذات بحیثیت مجموعی، اس وقت خدمات دین کے لیے بہت غنیمت ہے۔ اللہ انہیں عرصۂ دراز تک ان خدمات کے لیے زندہ و سلامت رکھے۔ ❶

۱۰۔ مجاہد اسلام، رئیس الاحرار مولانا ظفر علی خان

کی رائے اخبار اہل حدیث کی بابت گذر چکی ہے۔ موصوف، مولانا امرتسری رحمہ اللہ کی بابت رقمطراز ہیں۔

''مولانا ابوالوفاء صاحب امرتسری رحمہ اللہ کو غیر مسلموں کے مذہبی اعتراضات کے دنداں شکن اور قاطع جواب دینے میں جو خاص شہرت حاصل ہے وہ محتاج تصریح نہیں۔ بلاخوف تردید یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ مولانا ممدوح نے اس وقت تک عیسائیوں، آریوں اور دوسرے گمراہ فرقوں کے مقابلہ میں دین قیم کی جو عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں۔ ان کی سپاس گذاری کے گراں بہا فرض سے ہندوستان کے مسلمان کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتے۔ ❷

جب مولانا امرتسری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا تو مولانا ظفر علی خان نے نہایت ہی شدید درد دل کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا تھا ''مولانا کی وفات حسرت آیات کے ساتھ ہی دنیا سے حاضر جوابی ختم ہوگئی۔ ❸

۱۱۔ رئیس الاحرار مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری

کا یہ ارشاد اس سے پہلے بھی نقل کیا جاچکا ہے کہ:

---

❶ ایضاً/ اگست ۱۹۳۱ء

❷ ایضاً ۲۲/ جنوری ۱۹۲۵ء مقدس رسول ص ۱۴

❸ سیرت ثنائی۔ ص ۱۳۹

''میرے نزدیک اسلام کی صداقت وحقانیت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ثناء اللہ ایسا زیرک، معاملہ فہم، ذہین وفطین انسان اسلام کا علمبردار ہے اور یہ صداقت اسلام کا جیتا جاگتا، چلتا پھرتا معجزہ ہے۔'' ❶

۱۲۔ جنرل سیکرٹری مجلس احرار ہند کا ارشاد

مجلس احرار صوبہ پنجاب کی بہت زیادہ سرگرم اسلامی پارٹی تھی۔ یہ پارٹی قادیانیوں کے ڈنڈے کا جواب ڈنڈے سے دے کران کے شر وفتن سے اہل اسلام کی حفاظت کی قائل اور اس پر عامل تھی۔ اس کے جنرل سیکرٹری صاحب اپنے ترجمان ''مجاہد'' کے نائب ایڈیٹر کی ایک غلطی کی معافی طلب کرتے ہوئے مولانا امرتسری رحمہ اللہ سے یوں عرض پرداز ہیں:

''مجلس احرار تو ہر اس شخص کو عزت کی نظر سے دیکھتی ہے جس نے فتنہ مرزائیت کے استیصال کے لیے کچھ بھی خدمت سرانجام دی ہے۔ آپ نے اس فتنہ کے استیصال کے لیے جو شاندار خدمات سرانجام دی ہیں وہ عدیم النظیر ہیں۔ اس لیے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ مجلس کی طرف سے کوئی ایسی حرکت سرزد ہو جس میں آپ کی تخفیف کا شائب بھی ہو۔'' (عریضہ جنرل سیکرٹری مجلس احرار ہند نوشتہ یکم فروری ۱۹۳۶ء) ❷

۱۳۔ نواب محمد جہانگیر صاحب

نواب ریاست مانگرول۔ علاقہ کاٹھیاواڑ، گجرات اپنے ایک مکتوب میں مولانا امرتسری رحمہ اللہ کو یوں مخاطب فرماتے ہیں۔

''جہاں تک میری معلومات ہیں آپ کی ذات بابرکات کو تو ہند میں لاثانی عالم سمجھتا ہوں اور آپ جو اسلام کی خدمت کر رہے ہیں قابل تعریف ہے......

اللہ تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت دے تا کہ آپ صدوسی سال اسلام کی خدمت

---

❶ المنبر لائل پور ۱۴/شعبان ۱۳۸۷ھ، ص ۴۰

❷ اہل حدیث امرتسر ۲۴/فروری ۱۹۳۶ء

کرتے رہیں۔ فقط والسلام

نیاز مند: محمد جہانگیر ❶

نواب صاحب موصوف اپنے ایک اور مکتوب میں لکھتے ہیں:

"آپ کی خداداد قابلیت وذہانیت وخدمات دینی کا معترف ہوں۔ آپ کی ہر تحریر پر احسنت و مرحبا نکلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے اور تادیر سلامت رکھے اور آپ کی خدمات دینی سے امت مرحومہ کو مستفید فرمائے۔"

محمد جہانگیر از مانگرول ❷

۱۴۔ مولانا حبیب الرحمٰن مرحوم مہتمم دارالعلوم دیوبند

موصوف کی بابت یہ روایت پچھلے صفحات میں گذر چکی ہے کہ انہوں نے مولانا امرتسری رحمہ اللہ کو ایک بار کسی مجلس میں مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ:

"ہم لوگ تیس سال تک محنت کریں تو بھی اس (قادیانیت) کے بارے میں آپ کی واقفیت تک نہیں پہنچ سکتے۔ ❸

۱۵۔ سحبان الہند مولانا حافظ احمد سعید صاحب ناظم جمعیۃ العلماء

موصوف مولانا امرتسری رحمہ اللہ کی خوبیوں اور کمالات کے جس قدر مداح و معترف تھے اس کا اندازہ موصوف کے اس بیان سے لگایا جا سکتا ہے جو انہوں نے مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے رسالہ "مقدس رسول" کی بابت ارشاد فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں۔

"کتاب کی خوبی محض اتنی ہی بات سے ظاہر ہو جاتی ہے کہ اس کتاب کو مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری رحمہ اللہ نے تصنیف کیا ہے۔ مولانا موصوف نے مذاہب باطلہ کے مقابلہ میں جو خدمات انجام دی ہیں وہ محتاج بیان نہیں۔ آپ کی ذات

---

❶ ایضاً ۲۹/ اگست ۱۹۴۱ء

❷ ایضاً ۲۴/ اکتوبر ۱۹۴۱ء

❸ بحوالہ خودنوشت سوانح حیات

گرامی کے ساتھ اس کی نسبت اس امر کے لیے کافی ضمانت ہے کہ یہ کتاب ''رنگیلے رسول'' کا مکمل جواب ہے۔'' ❶

۱۶۔ مولانا غلام محمد صاحب گھوٹوی شیخ الجامعۃ العباسیۃ بہاولپور

فرماتے ہیں:

''مولانا ثناء اللہ صاحب کا فضلاء ہند میں جو درجہ ہے وہ مزید تعارف کا محتاج نہیں۔ آپ ماشاء اللہ بہت بڑے اسلامی مناظر ہیں۔ تمام فریق کفار کے مذاہب پر آپ کو سیر حاصل عبور حاصل ہے۔ بالخصوص قادیانی اور اس کے اذناب کے مموہ بیانات واستدلالات کی قلعی کھولنے میں آپ کو یکتائی کا درجہ ملا ہے۔'' ❷

۱۷۔ مولانا احمد علی صاحب ناظم انجمن خدام الدین لاہور

لکھتے ہیں:

''محترم المقام، رئیس المناظرین، الفاضل الاجل، جامع المنقولات والمعقولات، الملقب شیر پنجاب، اعنی الحضرت مولانا ثناء اللہ مدظلہ کا وجود مسعود، اس دور ابتلاؤ افتتان میں مغتنمات میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں میدان جہاد باللسان میں ایک بہت بڑا رتبہ عطا فرمایا ہے۔ میرے خیال میں ہندوستان بھر میں ان کی نظیر کم ملے گی۔ اس فن میں وہ اس قدر ید طولیٰ رکھتے ہیں کہ مدعی نبوت (مرزا غلام احمد قادیانی) کے الہام و وحی کا مقابلہ بھی اپنی خداداد قابلیت سے ایسا کیا کہ فاتح قادیان کہلائے اور اس فرقۂ دائرہ اسلام سے باجماع امت خارج کے دعاوی باطلہ کا تار و پود بکھیر کر رکھ دیا۔ ❸

---

❶ دیکھیے مقدس رسول ص ۹

❷ عجائبات مرزا ص ۲

❸ علم کلام مرزا ص، د

"یہ فضل مولانا المکرّم ہی کے حصہ میں ازل سے آیا ہے کہ ان کے قلم گوہر رقم کے نکات دور حاضر کے دجال کے دجل کے لیے عصائے موسیٰ کا کام دیتے ہیں۔ ❶

۱۸۔ قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے علم کلام مرزا پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مرزا غلام احمد قادیانی کے مختلف الالوان دعاوی کا ذبہ پر علماء اسلام کافی روشنی ڈال چکے ہیں۔ ان کی خانہ ساز نبوت، مجددیت، محدثیت، امامت وغیرہ کا پوری طرح پردہ فاش ہو چکا ہے۔ تاہم اس متنبّی قادیان کی چھپی ہوئی اور بہت ہی خفی روباہ بازیاں پردۂ خفا میں رہ گئی تھیں۔ ان کو سامنے لا کر قوت سے کچلنے کے لیے شیر پنجاب ہی کی ضرورت تھی۔ اللہ جزائے خیر دے مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ شیر پنجاب کو کہ انہوں نے جہاں بہت سے پہلوؤں سے متنبّی قادیان کو تا بدروازہ پہنچایا۔ وہیں مرزا کے انوکھے علم کلام پر بھی کافی کلام کر کے اس کی قلعی کھول دی۔ ❷

۱۹۔ مولانا محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان، بریلی، لکھنو

مولانا امرتسری رحمہ اللہ کی پیرانہ سالی کی ایک تصنیف "اسلام اور مسیحیت" پر تبصرہ کے دوران لکھتے ہیں:

"مولانا موصوف...... مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ...... سے حق تعالیٰ نے اس قسم کے بہت سے کام لیے ہیں اور لاریب کہ ان کی "عمر گذری ہے اسی دشت کی سیاحی میں" موصوف کی تحریر و تقریر کا ایک خاص طرز ہے جس میں شوخی ضرورت سے زیادہ ہوتی ہے۔ اب مولانا کی عمر ماشاء اللہ ستر سے متجاوز ہو چکی ہوگی۔ لیکن یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ اب سے تیس چالیس سے پہلے مولانا کا جو رنگ تھا وہ علی حالہ قائم ہے۔ شبدیز قلم میں وہی شوخی اور بانکپن ہے۔" ❸

---

❶ عجائبات مرزا ص ہ ❷ علم کلام ص و۔ز

❸ الفرقان بریلی رجب ۱۳۶۰ھ (اہل حدیث ۱۲/ ستمبر ۱۹۴۱ء)

۲۰۔ مولانا عبداللطیف صاحب صدر مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

کی زیر سرپرستی لکھی گئی۔ ایک کتاب میں مولانا امرتسریؒ کی ذات گرامی کی بابت مرقوم ہے:

''مولانا ثناء اللہ...... واقعی اہل اسلام میں ایک امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ قسام ازل نے آپ کو ان لوگوں (قادیانیوں) کے قلع قمع واستیصال کے لیے خاص حصہ عطا فرمایا ہے اور سینکڑوں مرتبہ میدان کارزار میں قادیانی امت سے زور آزمائی بھی ہوئی۔ مگر الحمدللہ ہر جگہ شکست فاش دے کر فتح یابی کا سہرا پہنا۔ اور شیر پنجاب کے لقب سے ملقب ہوئے۔ ❶

۲۱۔ مولانا ملک نظیر احسن صاحب بہاری

لکھتے ہیں: مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری رحمہ اللہ اور مرزا صاحب سے بہت زوروں کا مقابلہ رہا ہے۔ اور مولوی صاحب نے متعدد رسالے مرزا صاحب کے مقابلہ میں لکھے ہیں۔ جن کا جواب...... نہ تو سلطان القلم صاحب نہ ان کے اور کسی مریدین سے ہو سکا........... اللہ تعالیٰ نے آفتاب صداقت چمکا کر کذاب اور مفتری کا فیصلہ خود بقول مرزا صاحب کے کر دیا۔ ❷

۲۲۔ روزنامہ ''وکیل'' امرتسر

۲ ستمبر ۱۹۲۴ء کی اشاعت میں لکھتا ہے۔

''آپ کو فن مناظرہ میں ید طولیٰ حاصل ہے۔ مخالفین اسلام کا کوئی ایسا حملہ نہیں جس کا جواب مولانا ممدوح کی جانب سے نہ دیا گیا ہو۔ اور جواب بھی بے حد مسکت اور دندان شکن۔'' ❸

۲۳۔ اخبار ''اہل السنّت والجماعت'' امرتسر

اپنی ۱۸۔ جولائی ۱۹۴۱ء کی اشاعت میں لکھتا ہے۔

''مولوی ثناء اللہ صاحب ساری عمر آریہ سماج اور مسیحیت اور مرزائیت کی تردید

---

❶ رسالہ ''دفع الاحا[illegible] ص [illegible]۔ ❷ رسالہ [illegible] کاذب ص ۱۸۔ ❸ [illegible] ص ۱۸۔

میں کثیر التعداد کتابیں شائع کر چکے ہیں۔ وہ پرانے مناظر ہیں۔ اور جتنے مناظرے آریوں، عیسائیوں اور مرزائیوں و چکڑالیوں وغیرہ کے مقابلہ میں انہوں نے کیے ہیں، وہ شاید ہی کسی مناظر نے کیے ہوں۔'' ❶

۲۴۔ ''طلوع اسلام'' دہلی

جو منکرین حدیث کا سرکاری ماہنامہ تھا اور بعد کو پاکستان منتقل ہو گیا۔ مولانا امرتسری رحمہ اللہ کی بابت لکھتا ہے۔

''مناظرہ کے میدان میں جناب ابوالوفاء امرتسری رحمہ اللہ (ایڈیٹر اہلحدیث) کا نام کس نے نہیں سنا۔ آپ کی ساری عمر غیر مذاہب اور دیگر فرق اسلامیہ کے ساتھ مناظروں اور مباحثوں میں گزری ہے۔ بالخصوص آریہ، عیسائی اور قادیانی حضرات تو ان کی یاد سے کبھی نہیں اترتے۔'' ❷

۲۵۔ ماہنامہ ''برہان'' دہلی

مولانا کے رسالہ ''بطش قدیر'' پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''مولانا ثناء اللہ صاحب اس پیرانہ سالی میں بھی ردّ قادیان کے معاملہ میں جوانوں کی سی ہمت رکھتے ہیں۔'' ❸

۲۶۔ ''مشرق جدید'' لاہور

۱۹/ جون ۱۹۴۱ء کی اشاعت میں لکھتا ہے۔ ''شیر اسلام حضرت مولانا مولوی ابوالوفاء ثناء اللہ صاحب قبلہ ایڈیٹر ''اہل حدیث'' امرتسر کی ذات گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ نے شمار و قطار سے باہر کتابیں لکھی ہیں اور جنگ ادیان میں اسلام کی طرف سے ہمیشہ شمشیر بکف اور تاج نصرت برسر نظر آتے ہیں...... مولانا کی زبان ہمیشہ پیاری، طرز اداد لکش اور اردو سلیس ہوتی ہے۔ استدلال پختہ اور ٹھوس ہوا کرتا ہے۔'' ❹

۲۷۔ روزنامہ ''انقلاب'' لاہور

لکھتا ہے: ''حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری رحمہ اللہ کی ساری عمر دین قیم کی اشاعت اور کفر و بدعت وطغیان کے ردّ میں بسر ہوئی ہے اور آج ان کی چھوٹی بڑی

---

❶ اہلحدیث امرتسر ۱۹ ستمبر ۱۹۴۱ء۔ ❷ ایضاً ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۱ء۔

❸ اہل حدیث امرتسر ۱۳/ فروری ۱۹۴۲ء ❹ اہل حدیث امرتسر ۱۱/ جولائی ۱۹۴۱ء

تصانیف کا گراں بہا ذخیرہ منفعت بخش عوام وخواص ہے۔"❶

۲۸۔ جماعت اہل حدیث کا نقطۂ نظر

پچھلے تمام بیانات، شہادتیں اور اعترافات ان لوگوں کے ہیں جو اپنے مخصوص فقہی مسلک میں مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے مسلک ومکتب فکر سے اختلاف رکھتے تھے بلکہ ان میں سے متعدد حضرات آپ کے ساتھ بڑی سخت حریفانہ کشاکش بھی رکھتے تھے۔ باقی رہے علماء اہل حدیث اور جماعت اہل حدیث تو ان کے نقطۂ نظر کی بہترین ترجمانی اور نمائندگی مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی رحمہ اللہ کے ایک بیان سے ہوتی ہے۔ یہ بیان موصوف نے غالباً ۱۹۱۸ء کے ایک زبردست جلسۂ عام منعقدہ لاہور میں اس وقت دیا تھا جب مولانا امرتسری رحمہ اللہ اپنی جدوجہد کے دور شباب سے گزر رہے تھے۔ مولانا سیالکوٹی رحمہ اللہ نے اپنی تقریر میں مجددین کی علامت اور ان کے کارناموں کی نوعیت کی توضیح کرتے ہوئے فرمایا:

"جو بدعت کسی زمانے میں زور پر ہو اس سے اسلام اور اسلام کو بچانے اور اس کو ردّ کرنے میں جو کوئی جتنا حصہ لے گا۔ اسی قدر مجددیت سے اس کو حصہ ہوگا۔ جو سب سے زیادہ تردید اور ازالہ میں توغل کرے گا۔ اس کو زیادہ حصہ ہوگا۔ خود اس کا دعویٰ کرنا شرط مجددیت نہیں۔"

اس تمہید کے بعد مولانا سیالکوٹی نے قادیانی بدعت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

"اس بدعت کے مٹانے میں جس نے بہت زیادہ حصہ لیا۔ یہاں تک کہ قوم کی طرف سے اس کو "فاتح قادیان" کا خطاب ملا۔ بس وہ اس صدی کا مجدد ہے۔"❷

میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ مولانا سیالکوٹی کے اس بیان سے پوری جماعت اہل حدیث کو مکمل اتفاق تھا یا ہے۔ لیکن اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ ایک اقل قلیل طائفہ کو چھوڑ کر جماعت کے باقی ماندہ علماء اعیان اور عوام اس بیان سے مکمل طور پر یا قریب قریب متفق تھے اور ہیں۔ اس لیے مولانا سیالکوٹی کے اس بیان کو جماعت اہل حدیث کا نمائندہ بیان سمجھنا چاہیے اور اسی لیے ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ مولانا امرتسری رحمہ اللہ کی بابت جماعت کے دیگر اعیان واکابر کے بیانات نقل کر کے اس موضوع کو مزید طول دیا جائے۔

---

❶ ایضاً ۱۱/ اپریل ۱۹۳۰ء ❷ ایضاً ۱۸/ اکتوبر ۱۹۱۸ء

خون جگر

اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مولانا امرتسری رحمہ اللہ کی عظیم ترین شخصیت جس نے متحدہ ہندوستان کے طول وعرض میں نصف صدی سے زائد عرصہ تک شمع اسلام کو روشن کیے رکھا۔ اس کے بکھرے ہوئے پروانوں کی شیرازہ بندی کی۔ اپنے خون جگر سے چمن اسلام کی آبیاری کر کے اسے تازگی و بالیدگی عطا کی اور اس کے حفظ و دفاع میں اپنی جان عزیز تک کا نذرانہ پیش کر کے عظمت کردار کا مینار روشن کیا۔ ایسی شخصیت کی وفات حسرت آیات نے عوام وخواص میں کیا کچھ تہلکہ برپا کیا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا کی وفات پر اخبارات ورسائل نے اپنے شدید غم والم اور رنج وقلق کا اظہار کیا اور شعرائے کرام نے اپنے خون جگر سے لوح قرطاس پر درد و کرب کے لافانی نقوش ثبت کیے۔ ذیل میں ہم ان نقوش کی ایک آدھ جھلک ہدیۂ قارئین کر رہے ہیں۔ مشہور اہل حدیث شاعر نشر دیوریاوی نے اپنی ایک طویل نظم کے دوران مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف روئے خطاب کر کے فرمایا:

اے ثناء اللہ! اے شیرِ خدائے لم یزل — قاسم علمِ الٰہی، پیکرِ جہد و عمل
حق بیانی کا نہ چھوڑا تو نے دامن تا حیات — کھا گیا تجھ سے فروغِ کذب صدہا بار مات
سرزمین ہند میں خدمت گذارِ دیں تھا تو — باغبانِ گلشنِ دیں، پاس دارِ دیں تھا تو
اللہ اللہ! کس قدر زورِ بیاں رکھتا تھا تو — خامۂ تحریر کس درجہ گراں رکھتا تھا تو

تو مناظر، تو مفسر، تو محدّث، باکمال
تاب تھی کس آنکھ میں دیکھے ترا رعب و جلال

قادیانی و بہائی ہوگئے تجھ سے نڈھال — تیرے آگے آریوں نے بھی دیئے ہتھیار ڈال
تیری ہستی تھی مسلمانوں کے حق میں وہ سپر — تیغ باطل کا نہ ہوتا تھا کبھی جس پر اثر
اے گلِ گلزار وحدت! تیرا ثانی کون تھا؟ — تھی بیاں میں جس کے دریا کی روانی، کون تھا؟
زینتِ ہندوستاں ہم میں جو تھا، جاتا رہا — ہائے میر کارواں ہم میں جو تھا جاتا رہا

چل بسا وہ ناخدائے کشتیِ اسلام! حیف
حیف برما، حیف برما، گردشِ ایام! حیف

زندگی میں کون بتلائے گا رازِ بندگی؟ کون ہوگا بہرِ مسلم، موجبِ خرسندگی؟
وقف ہو بہرِ خدا جس کا لہو، وہ کون تھا؟ عصرِ حاضر میں جو دیں کی آبرو تھا، کون تھا؟
تھا یہی وہ مردِ میداں جس کا ماتم آج ہے جس کی رحلت سے اسیرِ غم یہ عالم آج ہے
اے مسافر! تیز رفتاری تجھے اچھی نہ تھی چھوڑ دینی جائے سرداری تجھے اچھی نہ تھی

اور جینا تھا تجھے اے خضرِ راہِ مستقیم
یوں نہ ہونا تھا تجھے بیتابِ جناتِ نعیم

تم بحمداللہ وعونہ وتوفیقہ ماردنا ایرادہ وتسطیرہ فی ھذا السفر المیمون، ولہ الحمد اولاً وآخراً وظاھراً وباطناً، وصلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

صفی الرحمٰن الاعظمی
دوشنبہ ۲۸/ ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ
۲۰/ دسمبر ۱۹۷۶ء
جامعہ سلفیہ بنارس